فنِ خطابت کا
انسائیکلوپیڈیا

منبر و محراب سے روسٹرم تک

بولنا سیکھیے

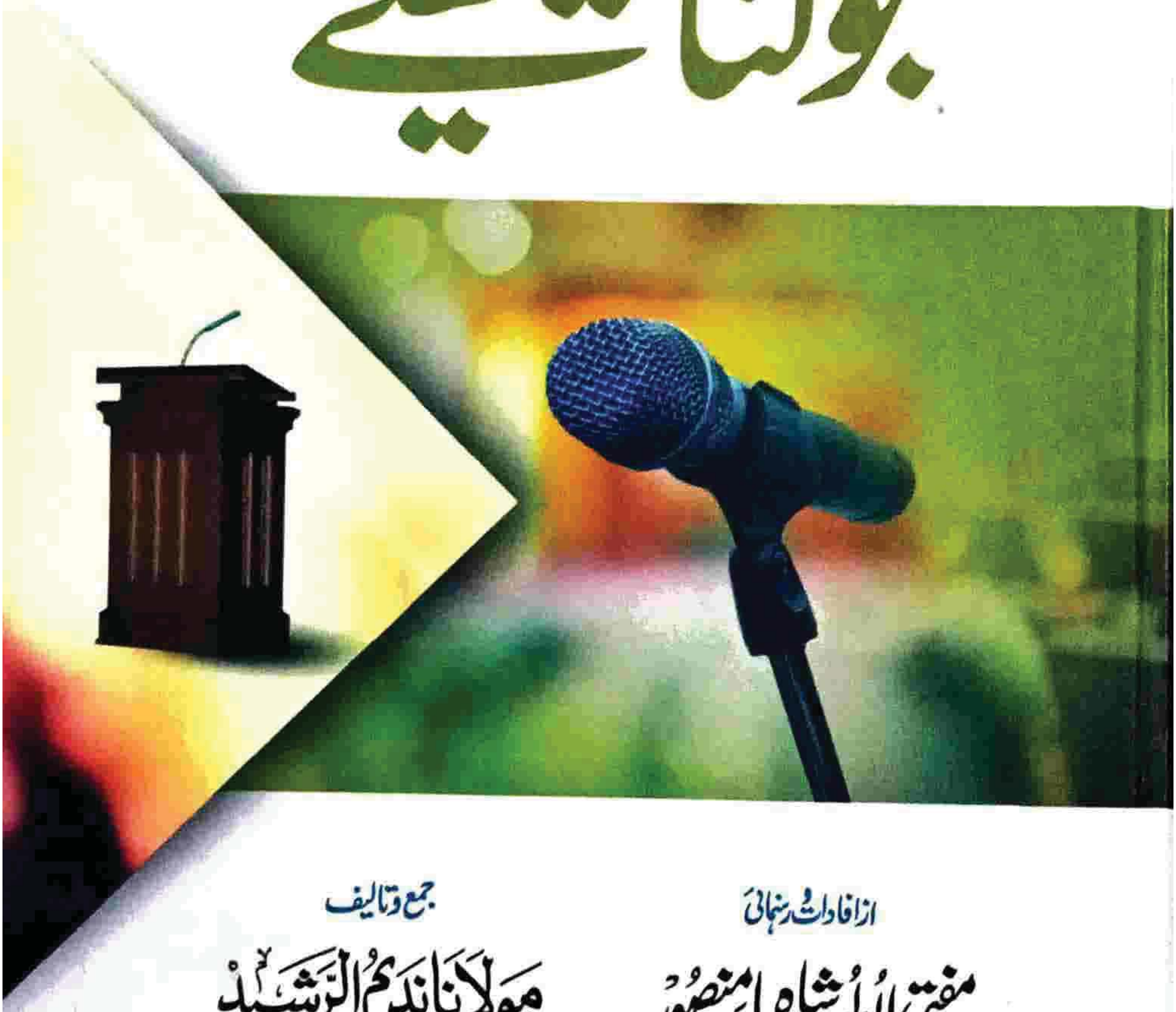

از افادات و رہنمائی
مفتی ابولبابہ شاہ منصور

جمع و تالیف
مولانا ندیم الرشید

دارالمعارف دیوبند

منبر و محراب سے روسٹرم تک

فن خطابت کی تمام معروف اصناف کی تربیت کے لیے
اردو زبان میں پہلی مفصل اور جامع کتاب
فن خطابت کا انسائیکلوپیڈیا

بولنا سیکھیے

از: افادات و رہنمائی
مفتی ابولبابہ شاہ منصور

جمع و تالیف
مولانا ندیم الرشید

ناشر
دار المعارف، دیوبند

جملہ حقوق بحق دار المعارف، دیوبند محفوظ ہیں

نام کتاب : بولنا سیکھیے

افادات و رہنمائی : مفتی ابولبابہ شاہ منصور

مؤلف : ندیم الرشید

صفحات : 360

سائز : 23x36=16

سنہ اشاعت : ۱۴۴۳ھ ۲۰۲۲م

ایڈیشن : اول

ناشر : دار المعارف، دیوبند

﴿ملنے کا پتہ﴾

دار المعارف

مقابل: مسلم فنڈ دیوبند

ضلع سہارنپور، یوپی، انڈیا ۲۴۷۵۵۴

+۹۱-۹۶۳۴۴۶۰۴۰۹

+۹۱-۹۹۱۷۹۹۴۸۵۹

DARUL-MA'ARIF

OPP: MUSLIM, FUND
DEOBAND,DISTT
SAHARANPUR,U.P.
INDIA.247554
+91- 9634460409
+91-9917994859

اجمالی فہرست

پہلا باب	فن خطابت کا تعارف
دوسرا باب	خطابت کا تاریخی پس منظر
تیسرا باب	آواز شناسی/ خطابت سیکھنے کی ابتداء
چوتھا باب	مجلسی تقریر/عوامی خطاب کا طریقہ
پانچواں باب	درس قرآن/ کلام اللہ سے وعظ کا طریقہ
چھٹا باب	درس حدیث/مختصر اصلاحی خطاب کا طریقہ
ساتواں باب	لیکچر/سیمینار سے علمی وفکری خطاب کا طریقہ پریزنٹیشن/ تربیتی خطاب کا طریقہ بذریعہ ملٹی میڈیا
آٹھواں باب	جلسے کی نقابت/ اسٹیج کی نظامت کا طریقہ
نواں باب	Elocution / اقتباس خوانی اور تحریری خطاب پڑھنے کا طریقہ
دسواں باب	Declamation / منظر کشی اور جذباتی خطاب کا طریقہ
گیارھواں باب	فن مباحثہ (Debate)/ پارلیمانی طرز خطابت کی مشق اور موضوعات عقلیہ میں بحث کا طریقہ

بارھواں باب	مباحثے کے عناصر
تیرھواں باب	مباحثہ کیسے جیتیں؟/ مقابلے اور ٹاک شو کے لیے بحث کی تیاری کے اصول
چودھواں باب	غیر متوقع صورت میں فریقِ مخالف کے مؤقف پر گرفت کیسے کریں؟
پندرھواں باب	فن مناظرہ/ موضوعات شرعیہ میں بحث کے آداب
سولھواں باب	خطیب کی فنی تعلیم/ چار اہم مباحث کا علم
سترھواں باب	اصناف خطابت کے نمونے
اٹھارھواں باب	گلدستہ اشعار

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان
۳۵	پہلا باب: فن خطابت کا تعارف
۳۶	خطابت کا لغوی معنیٰ
۳۶	خطابت کی اصطلاحی تعریف
۳۷	خطابت کا موضوع
۳۸	خطابت کی اہمیت
۳۸	خطابت اور انسانی نفسیات
۳۸	خطابت اور معاشرہ
۳۹	خطابت اور ادب
۳۹	خطابت اور منطق
٤٠	خطابت اور پروپیگنڈہ
٤٢	دوسرا باب: خطابت کا تاریخی پسِ منظر
٤٣	خطابت یونان میں
٤٣	خطابت عرب میں

دورِ جاہلیت کے مشہور خطباء	٤٤
اسلام میں خطابت	٤٥
اردو خطابت	٤٥
نبوی خطابت	٤٦
نبی علیہ السلام کا انداز خطابت	٤٨
تیسرا باب: آواز شناسی/خطابت سیکھنے کی ابتداء	٥١
آوازوں میں فرق	٥٣
آواز کا اثر	٥٣
آواز اور خطیب	٥٤
اپنی آواز کا جائزہ لیجیے	٥٥
آواز کو مؤثر اور بہتر بنانے کی مشقیں	٥٨
واول (Vowel) حروف کی مشق کا طریقہ	٦٠
درس کے لیے لب ولہجہ بہتر بنانے کی خاص مشق	٦١
چوتھا باب: مجلسی تقریر/عوامی خطاب	٦٤
مرکزی عنوان کے مختلف پہلوؤں پر غور کریں	٦٤
کاغذ پر خاکہ بنائیں	٦٤
مقام خطاب پر غور کریں	٦٥
عوام کی نفسیات پر غور کریں	٦٥
تقریر کے لیے مواد کا حصول	٦٦
مطالعہ کریں/حاصل مطالعہ محفوظ کریں	٦٧

مشاہدہ کریں/نتائج اخذ کریں	۶۸
تبادلہ خیال کریں/اہم پوائنٹس پر غور کریں	۶۹
مواد کی ترتیب اور خاکہ سازی	۶۹
ابتدائیہ/غیر روایتی	۷۰
وسطانیہ/واضح اور مدلل	۷۰
اختتامیہ/نتیجہ خیز	۷۰
اسالیب اور لہجے	۷۱
تاریخی اسلوب کا لہجہ	۷۱
فلسفیانہ اسلوب کا لہجہ	۷۱
ناصحانہ اسلوب کا لہجہ	۷۱
ادبی، سیاسی اور صحافتی اسلوب کا لہجہ	۷۲
ایک اہم بات	۷۲
الفاظ اور تہذیب	۷۲
ذخیرۂ الفاظ	۷۳
متروک الفاظ	۷۳
الفاظ کے قبیلے	۷۴
جذباتی الفاظ	۷۴
صوتی جامے	۷۴
تصویر بنانے والے الفاظ	۷۵
لفظوں کی داستان	۷۵

لفظ کا انتخاب اور تلفظ	۷۵
تکیہ کلام	۷۶
اسٹیج	۷۷
مجمع کی نفسیات	۷۸
صنعتی اور جدید شہری لوگوں کی نفسیات	۷۸
دیہات کے لوگوں کی نفسیات	۸۰
مضافات کے لوگوں کی نفسیات	۸۰
بدن بولی	۸۰
چہرہ	۸۰
ہاتھ	۸۱
آنکھیں	۸۲
بازو اور دھڑ	۸۲
دوران تقریر سانس پر گرفت مضبوط رکھیے!	۸۳
سانس پر کنٹرول مگر کیسے؟	۸٤
آواز کے طبی مسائل اور ان کا حل	۸۵
مطالعے سے متعلق چند مزید ہدایات	۸٦
مطالعہ کے بعض اہم اصول	۸۷
پانچواں باب: درس قرآن	۹۱
درس قرآن کیسے دیں؟	۹۲
آیات کا تناظر اور پس منظر	۹۲

مرکزی مضمون	۹۲
مشکل الفاظ کی تشریح	۹۲
آیات کی تفسیر	۹۲
موضوع سے وابستگی	۹۳
خلاصہ اور پیغام	۹٤
وقت کی پابندی	۹٤
موضوعاتی درس کی تیاری	۹٤
پہلا مرحلہ: موضوع کا انتخاب	۹٤
دوسرا مرحلہ: مناسب آیات، احادیث اور آثار کی تلاش	۹۵
تیسرا مرحلہ: مختلف تفاسیر سے مراجعت	۹۵
چوتھا مرحلہ: ترتیب	۹۵
پانچواں مرحلہ: نظر ثانی اور اہل علم سے مراجعت	۹۵
آخری مرحلہ: حتمی خاکہ سازی	۹٦
انداز بیاں اور پیش کش کے آداب	۹٦
تصحیح نیت، تلاوت اور دعا	۹٦
تازہ دم طبیعت، پراعتماد شخصیت	۹۷
لباس اور چال ڈھال کا خیال رکھیے	۹۷
انداز بیان کے فرق کو ملحوظ رکھیں	۹۹
بدن بولی کا فرق	۹۹
حسن ادا	۱۰۰

مائیک سینس/روسٹرم	۱۰۰
تلاوت و ترجمہ کے آداب	۱۰۱
تمہید کا انداز	۱۰۲
تشریح کا انداز	۱۰۲
واقعہ بیان کرنے کا انداز	۱۰۲
دلیل دینے اور سوال اٹھانے کا انداز	۱۰۳
عصری تطبیق اور اعداد و شمار پیش کرنے کا انداز	۱۰۳
اختتام کرنے کا انداز	۱۰٤
چند مزید آداب	۱۰۵
پانچ اہم ہدایات	۱۰۵
چھٹا باب: درس حدیث	۱۰۸
مختصر درس حدیث کی تیاری	۱۰۹
ادائیگی کا طریقہ	۱۰۹
متن	۱۰۹
ترجمہ	۱۱۰
تشریح	۱۱۰
ادائیگی کا خاکہ	۱۱۱
الفاظ تخاطب کا استعمال	۱۱۲
وقت کی ترتیب	۱۱۲
ساتواں باب: لیکچر/سیمینار سے علمی و فکری خطاب	۱۱٤

دینی موضوع پر تیاری	۱۱۵
موضوع کی تفہیم کا طریقہ	۱۱۵
تمہید، تشریح اور مجموعی تأثر	۱۱۶
اختتام	۱۱۷
عصری موضوعات پر لیکچر	۱۱۷
پریزینٹیشن/تربیتی خطاب (بذریعہ ملٹی میڈیا)	۱۱۸
کلر اسکیم، فونٹ، بصری معلومات اور Animation	۱۱۸
پریزینٹیشن ہال میں پہنچنے سے پہلے/ چند اہم ہدایات	۱۱۹
پریزینٹیشن ہال میں/ چند اہم ہدایات	۱۲۰
گفتگو اور حرکات و سکنات	۱۲۰
پریزینٹیشن کا آغاز اور اختتام	۱۲۱
آٹھواں باب: جلسے کی نقابت/اسٹیج کی نظامت	۱۲۳
پروگرام کی ترتیب/حتمی فہرست	۱۲۴
نقابت کا آغاز/مجمع جمانے کی تکنیک	۱۲۵
دعوت دینے کا انداز/ القاب اور تعارفی جملے	۱۲۶
جلسے میں لوگوں کی دلچسپی برقرار رکھنے کا طریقہ	۱۲۶
خطابت اور نقابت میں لہجے کا فرق ملحوظ رکھیں	۱۲۶
القاب و آداب میں مبالغے اور خوشامد سے بچیں	۱۲۶
جوش میں ہوش کا دامن تھام کر رکھیں	۱۲۷

جلسے کا اختتام/مجمع منتشر کرنے کی تکنیک	۱۲۷
نواں باب: Elocution/تحت اللفظ خوانی	۱۲۹
Elocution کا تعارف	۱۲۹
نثر پڑھنے کے اصول	۱۲۹
تحت اللفظ شعر پڑھنے کے اصول	۱۳٤
دسواں باب: Declamation/منظر کشی اور جذباتی خطاب	۱۳٦
ڈیکلمیشن (Declamation) کا تعارف	۱۳۷
واقعہ نگاری، روایتی خطابت اور ڈیکلمیشن	۱۳۸
ڈیکلیمیشن اور تقریر میں فرق	۱۳۸
ڈیکلیمیشن کا موضوع	۱۳۹
ڈیکلیمیشن کا آغاز	۱۳۹
منظر کو موضوع کے ساتھ منطبق کرنا	۱٤۰
ابتدائیہ کی مثالیں	۱٤۰
آخری بات	۱٤۳
گیارھواں باب فن مباحثہ (Debate)/پارلیمانی طرز خطابت	۱٤٤
مباحثہ کا تعارف	۱٤۵
قائد ایوان اور قائد حزب اختلاف	۱٤۵
قرارداد اور رائے شماری	۱٤٦
مباحثے میں مقررین کی ترتیب	۱٤٦

قارئین کے لیے وقت کی قدر	١٤٧
مباحثے کا تاریخی پس منظر	١٤٨
یونان میں مباحثے کی روایت	١٤٨
اسپارٹا	١٤٨
ایتھنز	١٤٩
مقدونیہ	١٥٠
مباحثے کے اصول وضوابط اور یونانی فلاسفہ	١٥٠
ہیراکلیٹس (Heraclitus of ephesus)	١٥٠
زینو (Zeno The Dialectial Eleatic)	١٥٠
سوفسطائی فلاسفہ (The sophists)	١٥١
ارسطو کی کتاب الجدل (Organon)	١٥٢
یونان میں جمہوریت اور مباحثوں کے ثقافتی اثرات	١٥٢
یونان میں جمہوریت اور مباحثوں کے مذہبی اثرات	١٥٣
روم میں مباحثے کی روایت	١٥٣
ٹرائیبیون	١٥٤
ٹائبیرس، روم کا عظیم ڈیبیٹر	١٥٤
ٹائبرس کے خطاب کا ایک اقتباس	١٥٥
اسلام میں بحث مباحثے کی روایت	١٥٥
برصغیر میں معقولات کی روایت	١٥٧
اسلام میں مباحثے کا مقصد	١٥٧

عصر حاضر کے سوفسطائی	۱۵۸
بارھواں باب: مباحثے کے عناصر	۱۵۹
قرارداد	۱۶۰
ذیلی و ضمنی مسائل (دعویٰ جات)	۱۶۱
دلیل	۱۶۳
شواہد	۱۶۳
رد دلیل	۱۶۵
استدلال	۱۶۶
مقررین کی دو بنیادی ذمہ داریاں	۱۶۷
ثبوت	۱۶۷
تردید	۱۶۸
مباحثے کے دو بنیادی اصول: نفی اور اثبات	۱۶۸
پہلے نفی یا اثبات؟	۱۶۹
نفی اور اثبات کے دلائل کی ترتیب	۱۷۰
قرارداد کیسی ہونی چاہیے؟	۱۷۰
قرارداد کی تین اقسام	۱۷۳
قائدین کی ذمہ داریاں	۱۷٤
قائد ایوان کی ذمہ داریاں	۱۷٤
قائد حزب اختلاف کی ذمہ داریاں	۱۷٦
قائد ایوان کے مؤقف کی چھان بین	۱۷۷

قائد ایوان کی پیش کردہ قرارداد کارد	۱۷۷
قائد ایوان کے دعووں اور دلائل کی چھان بین	۱۷۸
دعویٰ کارد	۱۷۸
دلیل کارد	۱۷۸
اخباری خبر اور میڈیا کی شہادت	۱۷۸
سروے رپورٹ	۱۷۹
قول	۱۷۹
شعر	۱۸۰
طنز اور پھبتی	۱۸۰
قائد ایوان کی تقریر کا محاکمہ	۱۸۰
اہم بات/غیر ضروری مسائل سے نجات	۱۸۱
آخری تقریر	۱۸۱
فریق مخالف کے دعویٰ جات اور دلائل کی چھان بین کا جدول	۱۸۲
تیرھواں باب: مباحثہ کیسے جیتیں؟	۱۸٤
ناکامی کا غم نہ کیجیے!	۱۸۵
تیاری کا درست طریقہ اپنائیے!	۱۸٦
ذاتی یادداشتیں	۱۸٦
ذاتی یادداشتیں مرتب کرنے کا خاکہ	۱۸۷
زیر بحث قرارداد	۱۸۷
صرف اشارات تحریر کریں	۱۸۷

مطالعہ	۱۸۸
سماعت اور تبادلہ خیال	۱۸۸
مخالفین کا نکتہ نظر نوٹ کیجیے	۱۸۹
حالیہ گرم موضوعات (HOT ISSUES) پر تیاری کیسے کی جائے؟	۱۸۹
لائبریری اور اخبارات	۱۹۰
ترتیب سے پہلے غور وفکر	۱۹۱
قرارداد کے قابل غور الفاظ کی وضاحت	۱۹۱
قرارداد کے الفاظ پر دو طرح سے غور کریں	۱۹۲
بظاہر غیر اہم الفاظ	۱۹۲
قرارداد پر سوالات اٹھایئے!	۱۹۳
مواد کو مرتب کیجیے/ فی البدیہہ تقریر کی مشق کیجیے	۱۹٤
ایک اہم ہدایت	۱۹٦
ضرورت سے زائد مواد کو ضائع مت کیجیے!	۱۹٦
مقابلے کی تقریر کا خاکہ	۱۹٦
دلیل مگر کتنی طویل؟	۱۹۷
مباحثے کی تقریر کا آغاز	۱۹۷
شعر سے آغاز	۱۹۸
رد دلیل سے آغاز	۱۹۸
مزاح سے آغاز	۱۹۸
تاریخی پس منظر سے آغاز	۱۹۸

اہم بات	۱۹۹
تقریر کا وسط	۱۹۹
نئی بات، نیا لہجہ	۲۰۰
تقریر کا اختتام	۲۰۰
اختتامیہ کی مثال	۲۰۱
آخری جملہ اور چہرے کے تاثرات	۲۰۲
دو دلچسپ اصطلاحات/ ''پتے بازی اور ٹوٹے'' کب، کہاں، کیسے اور کس قدر؟	۲۰۲
چودھواں باب: فریقِ مخالف کے مؤقف پر گرفت	۲۰٤
فریقِ مخالف کے مؤقف پر گرفت کیسے کریں؟	۲۰۵
اعصاب کی جنگ جیتیے!	۲۰٦
تعریف پر گرفت	۲۰۷
الفاظ پر گرفت	۲۰۸
تجزیے پر گرفت	۲۰۸
شواہد پر گرفت	۲۰۹
استدلال پر گرفت	۲۰۹
جذباتی اپیل پر گرفت	۲۱۰
مخالف مؤقف کا رد کیسے کریں؟/مؤثر طریقہ تردید	۲۱۰
بالواسطہ رد	۲۱۰
بلاواسطہ رد	۲۱۱

مؤثر طریقۂ تردید	۲۱۱
صرف الزامی جواب مت دیں	۲۱۲
مخالفین پر لطیفے اور پھبتیاں کسنے سے گریز کریں	۲۱۲
ردّ دلیل	۲۱۳
آخری بات	۲۱۳
پندرہواں باب: فن مناظرہ/موضوعات شرعیہ میں بحث	۲۱٤
فن مناظرہ کی تعریف	۲۱۵
فن مناظرہ کا موضوع	۲۱٦
فن مناظرہ کی غرض وغایت	۲۱٦
لفظ کے معنوی پہلو اور چند ہدایات	۲۱٦
مناظرہ اور مکابرہ/بحث کی دو مذموم صورتیں	۲۱٦
مناظرے کی اہم اصطلاحات	۲۱۷
مدعی	۲۱۷
سائل	۲۱۷
موضوع	۲۱۷
دعویٰ	۲۱۸
حکم کے اعتبار سے دعویٰ کی اقسام	۲۱۸
نظری	۲۱۸
بدیہی اولی	۲۱۹

بدیہی غیر اولیٰ	۲۱۹
اثباتِ دعویٰ کے تین عناصر	۲۲۰
دلیل	۲۲۰
تنبیہ	۲۲۰
امارہ	۲۲۱
ماخذ استدلال کے اعتبار سے دلیل کی اقسام	۲۲۲
دلیل لمی	۲۲۲
دلیل انی	۲۲۲
اصولِ موضوعہ اور اصول مصادرہ	۲۲۳
تقریبِ تام اور غیر تام	۲۲۳
نقل اور تصحیح نقل	۲۲۳
اقتباس	۲۲۴
غصب	۲۲۴
غصب کا حکم	۲۲۴
مصادرہ علی المطلوب	۲۲۴
فریقِ مخالف کی دلیل کیسے توڑی جائے؟	۲۲۵
منع کسے کہتے ہیں؟	۲۲۶
سند کسے کہتے ہیں؟	۲۲۷
نقض کسے کہتے ہیں؟	۲۲۷

تخلف کسے کہتے ہیں؟	۲۲۷
محال کسے کہتے ہیں؟	۲۲۸
شاہد کسے کہتے ہیں؟	۲۲۹
معارضہ کسے کہتے ہیں؟	۲۲۹
معارضہ کی تقسیمات	۲۲۹
معارضہ فی الدلیل	۲۳۰
معارضہ فی المقدمہ	۲۳۰
معارضہ بالقلب	۲۳۱
معارضہ بالمثل	۲۳۱
معارضہ بالغیر	۲۳۲
مناظرے کی تیاری کے مراحل	۲۳۳
مناظرے سے متعلق چند اہم اور مفید ہدایات	۲۳۳
سولھواں باب: خطیب کے لیے علمی وفنی معلومات	۲۳٤
شخصیت کیا ہے؟	۲۳۵
شخصیت کے تشکیلی عناصر	۲۳٦
ایمان اور خاندانی روایات	۲۳٦
میل جول	۲۳۷
مواقع	۲۳۷

مزاج	۲۳۷
شخصیت اور آواز	۲۳۸
متفرق خصائص	۲۳۸
زبان کیا ہے؟	۲۳۸
بولی کا انسانی زبان سے تعلق	۲۳۹
زبان کا آہنگ	۲۳۹
حرف کا سانچہ/اردو کی خصوصیت	۲۳۹
اردو اصوات کا جدول	۲۴۰
زبانوں کے خاندان	۲۴۱
لسانی اشتراک کا مغربی نظریہ	۲۴۲
ہمارے لیے اردو ہی کیوں؟	۲۴۴
فن صوتیات کیا ہے؟	۲۴۶
صوتیات کی قدیم اور جدید روایات	۲۴۶
مغرب میں صوتیات	۲۴۶
صوتیات کی تین اہم روایتیں	۲۴۶
قدیم ہند کی روایت	۲۴۷
لسانی اکائی	۲۴۸
اجزائے آواز	۲۴۸
آواز کے پانچ حلقے	۲۴۸

صوت کی تشکیل کے چار مدارج	۲۴۹
دائمی اور عارضی لفظ کی بحث	۲۵۰
سنسکرت صوتیات کا امام، ''پانینی''	۲۵۱
یونانی صوتیات	۲۵۲
عربی صوتیات	۲۵۲
حضرات علماء اور قراء کرام کی خدمات	۲۵۲
اسلامی علوم میں صوتیات/فن تجوید و قرأت	۲۵۳
فن صوتیات کی بنیادی اصطلاحات	۲۵۳
صوتیات کی اساس	۲۵۵
صوت (آواز) کس طرح پیدا ہوتی ہے؟	۲۵۵
حرکی حواس اور سمعی حواس کا باہمی تعاون	۲۵۸
صوت کی پیدائش میں سانس کی حیثیت	۲۵۸
اعضائے صوت	۲۵۹
زبان کی ساخت	۲٦۰
اعضائے اصوات کا چارٹ	۲٦۱
غیر لفظی ابلاغ	۲٦۱
ہاتھ اور ٹھوڑی کا تأثر	۲٦۲
ہاتھ ملانا	۲٦۲
نظروں کا تأثر	۲٦۲
آواز کا تأثر	۲٦۳

شعور اور لاشعور کا اثر	٢٦٣
جھوٹ پہچاننے کی علامت	٢٦٣
بات سن کر دور ہٹنا	٢٦٤
باڈی لینگویج کا جرم کے ثبوت میں کردار	٢٦٥
کسی کارروائی کے متعلق سوچنا	٢٦٥
خطرے کے وقت چہرے کے تأثرات	٢٦٥
گردن چھونے کا تأثر	٢٦٥
پاؤں کا تأثر/''Happy Feet'' کا مطلب	٢٦٦
ہونٹ کی حرکت	٢٦٦
دورانِ گفتگو ران پر ہاتھ پھیرنے کا تأثر	٢٦٦
الگ الگ سمت میں دیکھنے کا تأثر	٢٦٧
سینے پر ہاتھ باندھنے کا تأثر	٢٦٧
ٹین/کالر کو حرکت دینے کا تأثر	٢٦٧
منہ پر ہاتھ رکھنا	٢٦٧
لعاب کا نگلنا	٢٦٨
نظروں اور پلکوں کا تأثر	٢٦٧
ہتھیلیاں چھپانا	٢٦٧
ہاتھ کی حرکات	٢٦٧
حقیقی مسکراہٹ کی علامت	٢٦٩
مصنوعی مسکراہٹ کی علامت	٢٦٩

۲۷۱	سترھواں باب: اصناف خطابت کے نمونے
۲۷۲	درس قرآن
۲۷۷	درس حدیث
۲۸۱	لیکچر/سیمینار میں علمی و فکری خطاب
۲۹۱	مجلسی تقریر
۲۹۷	نقابت
۳۰۵	کل پاکستان مباحثے کی انعام یافتہ تقاریر
۳۱۳	پارلیمنٹ کا مباحثہ
۳۲۵	اٹھارھواں باب: گلدستہ اشعار

انتساب

اپنے محبوب اساتذہ کرام

حضرت اقدس مفتی ابولبابہ صاحب شاہ منصور دامت برکاتہم العالیہ

(رئیس شعبہ تخصصات جامعۃ الرشید کراچی)

حضرت اقدس مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم مدنیہ بہاولپور)

حضرت اقدس ڈاکٹر خالد جامعی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(ناظم شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی)

محترم جناب عابد علی امنگ صاحب مدظلہ

(استاد زبان وادب، سربراہ پاکستان ڈیبیٹ کونسل)

کے نام

جنہوں نے اس طالب علم کو قلم اور زبان کے

ذریعے ابلاغ دین کا طریقہ سکھایا

وہبی سے کسبی تک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم. أما بعد!

تحریر وتقریر دو ایسے فن ہیں جو پانچ فنون لطیفہ میں سرفہرست ہیں۔ اگرچہ شک نہیں کہ ان کا بنیادی ملکہ اور اساسی استعداد وہبی ہوتی ہیں، لیکن اس میں بھی دو رائے نہیں کہ کسب اور جہد سے اس بنیادی صلاحیت کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض لوگوں کی بنیادی صلاحیت اتنی عمدہ اور نمایاں ہوتی ہے کہ انہیں کسی سے اکتساب فن کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ ان کے لیے سارے قواعد وضوابط سے بالاتر ہوکر بھی میدان مار لینا ممکن ہوجاتا ہے... لیکن ایسے ''اعلیٰ ترین'' صلاحیت والے لوگ معدودے چند ہوتے ہیں۔ بقیہ لوگ جن میں اعلیٰ یا متوسط درجے کی صلاحیت ہوتی ہے، انہیں تربیت وتدریب سے پروان چڑھا کر مثالی نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ تقریر وتحریر کی تربیت کے قواعد وآداب اسی اصول پر تدوین کیے جاتے ہیں۔

پھر تقریر وتحریر دونوں میں سے اول الذکر تمام انبیاء علیہم السلام کے بنیادی فریضۂ دعوت کی مظہر اور متوارث شکل ہے۔ تصحیح عقائد مطلوب ہو یا درستی اعمال، سب سے پہلے ممکن اور بروقت دستیاب شکل یہی ''دعوت باللسان'' ہے۔ دینی مدارس کے طلبہ اور خیر کی دعوت میں حصہ ڈالنے یا

ہاتھ بٹانے کے خواہشمند صاحبِ توفیق احباب کو یہ فن سیکھنا اور اسے آداب کے مطابق برتنا ایسا فرض ہے جس سے تغافل آج ہمیں ناقابل بیان صورتحال سے دوچار کیے ہوئے ہے۔ میڈیا کی یلغار کے اس دور میں ہر داعی حق کو یہ فن سیکھنا اور معرکہ خیر وشر میں شامل ہو کر اہل حق کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالنا ضروری ہے۔

جامعۃ الرشید کے تخصصات میں اس چیز کو مقصد بنا کر چلنے کے ثمرات الحمدللہ اب ظاہر ہونا شروع ہوگئے ہیں۔ جناب مولانا ندیم الرشید صاحب نے اس فن کا وہبی ملکہ پایا تھا۔ اس کو باقاعدہ سیکھنے کے بعد اب ماشاءاللہ وہ نہ صرف کئی معرکوں میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکے ہیں بلکہ اس فن کے کامیاب معلم و مدرّب بھی ہیں۔ زیرِنظر مجموعہ ان کے اپنے فن سے شغف اور اپنے کام سے لگن کی علامت ہے۔ اس میں انہوں نے نوجوان خطباء کی تربیت اور عملی تربیت کے لیے کام کی بہترین باتیں جمع کردی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں نئی نسل کی تربیت کے لیے خوب خوب توفیق عطا فرمائے اور یہ مجموعہ ان کے لیے بہترین صدقہ جاریہ ثابت ہو۔ آمین

شاہ منصور

دسویں ربیع الثانی: ۱٤۳۷ھ

حسن بیان کی افادیت

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت ہو یا انسانی تاریخ کے سیاسی اور سماجی انقلابات، ان سب میں دو چیزوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ داعی کی قوتِ تحریر اور حسنِ بیان۔ حسنِ بیان کو قوتِ تحریر پر اس لیے ترجیح حاصل ہے کہ انسان جس زمانے میں لکھ نہیں سکتا تھا، تب بھی بات عمدہ طریقے سے کر سکتا تھا۔ جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت بھی عام طور پر تقریری ہوتی تھی۔ قرآنِ کریم میں حضرت نوح، ابراہیم، شعیب، لوط، ہود، صالح، موسیٰ اور عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی تقاریر کے جو اقتباسات نقل کیے گئے ہیں، آج بھی انسان کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کے بیانات جو کبھی فاران کی چوٹی پر، کبھی عکاظ کے بازار میں کبھی طائف کے ایوان میں تو کبھی عرفات کے میدان میں وقوع پذیر ہوتے تھے، آج بھی علم و حکمت اور قوت تاثیر میں بے مثل اور بے مثال ہیں۔

حسنِ بیان کی افادیت ہی کی خاطر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زبان کی طلاقت اور حضرت ہارونؑ کی رفاقت مانگی تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورت رحمٰن میں تخلیقِ انسان کے بعد سب سے پہلا انعام قوتِ بیان کو ذکر فرمایا ہے۔ بعد میں لوگوں نے حسنِ بیان کی صفت کو اصول اور قواعد کے سانچے میں ڈھال کر ایک فن کی صورت دیدی۔

مولانا ندیم الرشید صاحب ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہیں یہ ملکہ وہبی طور پر عطا کیا

گیا ہے۔ دورانِ تعلیم مدرسہ میں بھی، اور بین المدارس تقریری مقابلوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور اکثر اپنی صلاحیت کا لوہا منوا کر آتے تھے۔ بہت سے صوبائی اور قومی مقابلوں میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ جامعۃ الرشید میں اسی فن کی ترویج واشاعت میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبولیت سے نوازے۔ آمین

اب ماشاء اللہ فنِ خطابت پر ان کی کتاب ''بولنا سیکھیے'' منظر عام پر آ رہی ہے۔ مصنف کی طرح تصنیف بھی جامع الصفات ہے۔ اس میں فن خطابت کی افادیت کے ساتھ ساتھ خطابت کی تمام اصناف کا احاطہ بھی کیا گیا ہے۔ اور مولانا نے اپنے ذاتی تجربہ سے اس عمدگی کے ساتھ کتاب کو مرتب کیا ہے کہ قاری کے لیے فنِ خطابت کا سیکھنا اور سمجھنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔ یقیناً اس کتاب کو فنِ خطابت کے موسوعہ (encyclopedia) کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی مساعی کو قبولیت اور افادیت عامہ عطا فرمائے۔ آمین

عطاء الرحمن

مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم مدنیہ بہاولپور

رکن مجلس شوریٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

پہلی اور آخری بات

قوتِ گویائی انسان کا امتیازی وصف بلکہ اس کی شناخت کی علامتوں میں سے ایک اہم اور بنیادی علامت ہے، اسی وجہ سے انسان کو حیوانِ ناطق بھی کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو عطا کردہ قوتِ گویائی اور اظہار خیال کی صلاحیت کو ایک بڑی نعمت قرار دیتے ہوئے انسان کی پیدائش اور اسے عطا کردہ خاص اوصاف کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ (سورہ رحمن، آیت: ۴) یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ زبان انسان کو قدرت کی طرف سے عطا کردہ ایک عظیم نعمت ہے جس کی قدر کر کے ایک انسان دنیا و آخرت میں بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے اور بڑی سے بڑی کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ ہر دور میں زبان و بیان کی صلاحیت سے لیس انسانوں نے اپنے معاصرین پر حکومت کی ہے اور خطیبوں کو ہمیشہ غیر معمولی تعظیم و تکریم سے دیکھا جاتا رہا ہے۔

ہر زبان کی تاریخ میں ایسے لوگوں کی باقاعدہ ایک لمبی فہرست ہے، جنھوں نے بیان و خطابت کے معرکے سر کیے اور اپنی قوتِ لسانی اور سحر بیانی سے ایک دنیا کو مسحور و مبہوت کیے رکھا۔ عربی زبان میں خطابت کی ایک ثروت مند تاریخ ہے اور زمانۂ جاہلیت میں قیس بن ساعدہ، لبید بن ربیعہ، سہیل بن عمرو وغیرہ کو خطابت میں بڑی شہرت حاصل تھی اور سحبان بن وائل تو خطابی عبقریت

کے حوالے سے افسانویت شہرت کا حامل ہے۔ان کے علاوہ بھی دسیوں ایسے لوگ تھے جو خاص خاص موقعوں پر اپنی زبان دانی و گل افشانیٔ گفتار سے محفلیں لوٹ لیا کرتے تھے اور محض ان کی مؤثر گفتگو کی وجہ سے معرکہ سر ہو جایا کرتا تھا۔اسلامی دور میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک صاحب طرز خطیب ہوئے،جنھوں نے معاشرے پر غیر معمولی اثرات مرتب کیے۔خود حضور اکرم ﷺ ''افصح العرب'' تھے۔آپ کی زبان معجزۂ خداوندی کی ترجمان اور آپ کا لب ولہجہ مؤثر ترین تھا۔آپ کو ''جوامع الکلم'' عطا کیے گئے تھے،چنانچہ مختصر ترین الفاظ اور جملوں میں بڑے وسیع و عمیق معانی بیان فرماتے تھے۔حجۃ الوداع کے موقعے پر آپ نے جو خطاب فرمایا وہ آپ کی سب سے لمبی تقریر ہے،مگر اس کا دورانیہ بھی چند منٹوں سے زیادہ نہیں ہوگا؛لیکن اگر اس میں بیان کردہ احکام،پیغامات،تعلیمات،علمی،فکری،سیاسی و سماجی ارشادات پر غور کریں تو گویا آپ نے قیامت تک کے لیے پوری امت کو زندگی گزارنے کا ایک منشور دے دیا ہے۔ہم اپنی اجتماعی وانفرادی زندگی کے ہر مرحلے میں اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اپنے دین و دنیا کی کامرانی کا سامان کر سکتے ہیں۔

فن خطابت کے ناقدین نے اس کے لیے جن اوصاف و خصوصیات کو ضروری قرار دیا ہے ان میں بلندیٔ وحسن صوت،خوش قامتی،بے عیب قوتِ گفتار اور جس موضوع پر خطاب کرنا ہے اس پر بھرپور معلومات کا ہونا اہم ہیں۔اسی طرح ایک خطیب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دورانِ خطابت بے وجہ کھانسنے سے احتراز کرے،داڑھی یا جسم کے کسی بھی حصے پر بار بار ہاتھ پھیرنے سے بچے کہ اس سے سامعین کی توجہ منتشر ہوتی ہے اور ان کے دل میں خطیب کے تئیں ناگوار جذبات ابھرنے لگتے ہیں۔دورانِ خطابت زبان ایسی استعمال کی جائے کہ ہر سطح کے سامعین اسے سمجھ سکیں۔لیکن بالکل ہی عامی اور بدذوقانہ الفاظ کے استعمال سے بھی بچنا چاہیے۔حالات اور موقع کی رعایت بھی ایک خطیب کے لیے نہایت ضروری ہے؛چنانچہ جہاں موقع ہو وہاں طول بیانی سے کام لے اور جہاں اختصار ضروری ہو،وہاں اطناب سے گریز کرتے ہوئے ایجاز سے کام

چلائے۔

خطابت کے اعتبار سے اردو زبان بھی خاصی ثروت مند رہی ہے۔ خصوصاً جنگ آزادی کے زمانے میں اس زبان نے کئی بڑے اور جلیل القدر خطبا پیدا کیے۔ جنھوں نے تحریک آزادی کو تیز تر کیا اور باشندگان ہند کے دلوں میں شرار حریت بیدار کیا۔ اس ضمن میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور آغا شورش کاشمیری وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک جداگانہ طرز خطابت سے لیس تھے اور وہ ہزاروں کے مجمع پر تن تنہا چھا جاتے تھے۔ جب ان کی تقریر ہوتی تھی تو سامعین مبہوت و متحیر ہو کر انھیں سنا کرتے اور وہ جدھر چاہتے ان کے قلوب کا رخ موڑ سکتے تھے۔ ۱۸۵۷ کے بعد سے ۱۹۴۷ تک کے عرصے میں جتنی عوامی تحریکیں چلیں ان میں مقررین اور خطبا کا مرکزی کردار تھا۔ انھوں نے ہندوستان کے عوام میں خودی و خود شناسی کا شعور پیدا کیا اور ان کے دل میں یہ خیال جاگزیں کیا کہ انگریز سے آزادی اہل ایمان کا پیدائشی حق ہے اور کوئی بھی طاقت یہ حق غصب نہیں کر سکتی۔ ان کی شعلہ بیانیوں کی بدولت برصغیر کے عوام میں بیداری پیدا ہوئی اور انھوں نے متحد ہو کر اس ملک کو بیرونی طاقتوں سے بازیاب کرنے کی جدوجہد میں حصہ لیا۔

الغرض خطابت ایک فن کے طور پر ہر زمانے میں مقبول رہی ہے اور اس کے ماہرین نے ہر دور میں عوامی ذہن و شعور پر حکمرانی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خطابت کو ایک غیر معمولی آرٹ سمجھا جاتا ہے اور اس میں استعداد بہم پہنچانے کے لیے بڑے جتن کیے جاتے ہیں۔ تعلیم گاہوں میں باقاعدہ طلبہ کو اس کی مشق کروائی جاتی ہے اور اساتذہ کی نگرانی میں خطابت کی تربیت دی جاتی ہے تاکہ جب وہ عملی میدان میں اتریں تو عوام کو اپنی بات بہتر اور مؤثر انداز میں سمجھا سکیں۔ اس مقصد سے اردو زبان میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، مگر وہ تقاریر کے مجموعے ہیں۔ بچوں کے لیے مختصر اور ثانوی درجات کے طالب علموں کے لیے قدرے طویل اور بڑوں کے لیے لمبی لمبی تقریروں کے

بیسیوں مجموعے بازار میں دستیاب ہیں، مگر یہ کتابیں ان لوگوں کے لیے کارگر ہو سکتی ہیں جنھیں تقریر کرنا آتی ہے، البتہ مواد کی کمی ہے، تو وہ ان کتابوں کے مطالعے سے مواد فراہم کر سکتے ہیں اور دورانِ تقریر اس سے استفادہ کر سکتے ہیں، مگر بہ طورِ فن خطابت کے اسرار و رموز، اس کے اصول و فروع اور اس کی مختلف اقسام کو سمجھانے والی کتاب اردو زبان میں تقریباً نایاب ہے۔ اس حوالے سے ایک کتاب آغا شورش کاشمیری کی ان کی وفات کے بعد اسی کی دہائی میں منظرِ عام پر آئی تھی۔ چوں کہ وہ خود برصغیر کے ایک باکمال خطیب اور بے مثال ادیب تھے اس لیے انھوں نے اپنی اس کتاب میں خطابت کے موضوع کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے اس میں مہارت کے ضروری اوصاف و خصوصیات پر بڑی بصیرت مندانہ گفتگو کی ہے، البتہ یہ کتاب صرف خطابت اور اس کے متعلقات پر بحث کرتی ہے، جبکہ دورِ جدید میں اس کی کئی شاخیں وجود پذیر ہو چکی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے مخصوص قواعد و ضوابط ہیں، جن کی رعایت کے بغیر ان میں مہارت حاصل نہیں کی جا سکتی۔

استاذ المکرم حضرت "مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور دامت برکاتہم" کے افادات و ہدایات اور سرپرستی و رہنمائی پر مشتمل زیرِ نظر نئی کتاب "بولنا سیکھیے" میں فنِ خطابت کی تقریباً تمام قدیم و جدید اصناف پر گفتگو کی گئی ہے اور اس کے اسرار و رموز، اصول و قواعد کو دلائل، امثلہ اور ضروری استشہادات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ساڑھے تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب کل "اٹھارہ ابواب" میں منقسم کی گئی ہے۔

اس کتاب کے پہلے باب کا عنوان ہے "فنِ خطابت کا تعارف" جس میں خطابت کے لغوی و اصطلاحی معنوں کی وضاحت کے ساتھ اس کے موضوعات، اس کی اہمیت، انسانی نفسیات اور معاشرے سے اس کے تعلق، خطابت اور منطق کا باہمی رابطہ اور خطابت و پروپیگنڈے کے درمیان فرق کو بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں خطابت کے تاریخی پس منظر کا جامع جائزہ پیش کرتے ہوئے یونان و حجاز میں خطابت کی تاریخ ذکر کی گئی ہے اور اس ضمن میں زمانہ جاہلیت اور دورِ اسلام

کی خطابت کے امتیازات و خصائص کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے۔ نبی پاک ﷺ کی خطابت کی خوبیوں پر بھی خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے اور اردو خطابت کی تاریخ کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔ تیسرے باب سے خطابت کے فنی پہلوؤں کی تشریح شروع ہوتی ہے اور اس میں خطابت سیکھنے کے لیے ضروری اوصاف کی نشان دہی کی گئی ہے، جس میں آواز کی تاثیر کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے اور ایک خطیب کے لیے اثر انگیز آواز کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس باب میں آواز کو بہتر اور اثر دار بنانے کی مشق اور حروف کی صحیح ادائیگی کی مشقیں بھی دی گئی ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر آپ استاد ہیں تو درس کی تیاری کیسے کرنی ہے اور کس انداز و آواز میں درس دینا ہے۔ چوتھے باب میں عوامی خطاب کا بیان ہے اور اس کی تیاری سے لے کر جملہ لوازم و عناصر کی تفصیلی وضاحت پیش کی گئی ہے۔ پانچویں باب میں درسِ قرآن کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اور اس ضمن میں تمام ضروری امور کی توضیح کرتے ہوئے درس سے پہلے کی تیاری، تفاسیر کے مطالعے، درس دینے کی ہیئت و انداز، واقعہ بیان کرنے اور دلائل فراہم کرنے کے طریقوں سے لے کر درس کے اختتام کے طریقے تک پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ چھٹے باب میں درسِ حدیث دینے کے اصول و ضوابط بیان کیے گئے ہیں۔ ساتویں باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی موضوع پر خصوصی لیکچر یا علمی و فکری سیمینار میں کیسے تقریر کرنا چاہیے، اسی طرح کسی علمی و تحقیقی موضوع پر ڈیجیٹل پریزنٹیشن اور اس کے ضروری اجزا کی توضیح بھی پیش کی گئی ہے۔ آٹھواں باب یہ بتاتا ہے کہ آپ کسی پروگرام یا جلسے کی نظامت کیسے کریں؟ اس میں پروگرام شروع کرنے سے لے کر مقررین کو بلانے، جلسے کو منتشر ہونے سے بچانے اور اس کو حسن و خوبی کے ساتھ اختتام تک پہنچانے تک کے جملہ امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نویں باب میں کسی مجمع یا محفل میں نثر یا شعر کی قراءت کے طریقہ و اصول و آداب بیان کیے گئے ہیں۔ دسویں باب میں ڈیکلیمیشن یعنی منظر کشی اور جذباتی خطاب کے مبادیات بیان کیے گئے ہیں۔ گیارہویں باب میں جدید طرزِ مباحثہ اور پارلیمانی خطاب کے طور طریقوں اور اس کے تاریخی پس منظر سے بحث کی گئی ہے۔ بارہویں باب میں مباحثے کے عناصر اور اس کے

متعلقات کی تشریح کی گئی ہے۔ تیرہویں باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی موضوع پر اگر آپ مباحثے میں حصہ لیتے ہیں تو اس میں کامیابی کیسے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس باب میں کسی نئے اور سلگتے موضوع پر مباحثے کی تیاری کے طریقے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ پندرہواں باب علم مناظرہ سے بحث کرتا ہے اور اس میں فن مناظرہ کے جملہ علمی وفنی عناصر کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے۔ سولہواں باب یہ بتاتا ہے کہ ایک خطیب کے لیے کن علمی وفنی خوبیوں سے متصف ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن میں زبان اور اس کے اسرار ورموز، فن صوتیات اور غیر لفظی ابلاغ یعنی جسم کے کسی حصے سے اشارہ اور حرکت کے ذریعے اپنی بات لوگوں تک پہنچانے جیسے ضروری خطابی اوصاف کو بیان کیا گیا ہے۔ سترہویں باب میں خطابت کی مختلف اصناف کے نمونے دیے گئے ہیں تاکہ کتاب کے قاری کے سامنے ہر قسم کی خطابت کا نمونہ بھی آ جائے، اس سے استفادہ آسان ہو اور وہ اسی کے مطابق جس قسم کی خطابت کو اختیار کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔ چوں کہ تقریر، لیکچر، درس یا نظامت میں حسب موقع اشعار کے استعمال سے خوب صورتی پیدا ہوتی اور وقتاً فوقتاً ان کا استعمال کر کے خطیب سامعین کی توجہ اپنی جانب مبذول رکھنے میں کامیاب رہتا ہے اس لیے کتاب نے آخر میں مختلف موضوعات ومعانی پر مشتمل اشعار کا گلدستہ بھی سجا دیا ہے تاکہ قارئین ان سے بھی خاطر خواہ استفادہ کر سکیں۔

زیر نظر کتاب کے وجود میں آنے کا سبب ایک خاص واقعہ بھی ہے۔ ایک دن بندہ اپنے مربی اور استاد محترم حضرت مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب کی خدمت میں موجود تھا اور میڈیا کے ہمارے سماج پر اثرات کے حوالے سے گفتگو ہو رہی تھی۔ بندہ نے استاد جی سے عرض کیا: استاد جی! ہمارے وہ طالب علم بھائی جو میڈیا کے مقابلے میں منبر ومحراب سے دعوت دین کا فریضہ موثر اور بھرپور طریقے سے سرانجام دینا چاہتے ہیں، اور اس حوالے سے گفتگو، تقریر اور خطابت کے مختلف اسالیب سے واقف ہونا چاہتے ہیں تاکہ پورے اعتماد سے دفاع دین کا فریضہ سرانجام دے سکیں، کیا ان آشفتہ سروں کے نصیب میں صرف آبلہ پائی ہی آبلہ پائی ہے؟ دھوپ ہی دھوپ

ہے؟ کہیں تو سایۂ دیوار ہو۔کوئی تو شجر سایہ دار ہو۔جس کی ٹھنڈی گھنی چھاؤں میں ان کے ولولوں کی آبیاری اور خداداد جوہر کی جلا کاری ہو سکے۔استاد جی کے کھلے گلاب جیسے چہرے پر اُترتی ہوئی حسین، معصوم اور دل آویز مسکراہٹ نے دل کو تسلی دلائی۔

اس کے بعد استاد جی دامت برکاتہم العالیہ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے بندے کو اس فن کی تمام رائج اور جائز اصناف کی تربیت دلوانے کا فیصلہ فرمایا۔منبر ومحراب سے لے کر رد سٹرم تک نہ صرف ہر طرح کی سرپرستی، رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی، بلکہ پاکستان میں موجود خطابت کی مختلف اصناف کے مختلف ماہرین سے ملاقات کرنے، ان سے سیکھنے اور استفادہ کرنے کا موقع بھی عنایت فرمایا۔اس سے استاد جی کی چاہت یہ تھی کہ بندہ یہ فن اپنی تمام تر اصناف اور جزئیات کے ساتھ سیکھ کر اپنے طالب علم بھائیوں میں منتقل کرے تاکہ عصرِ حاضر میں اشاعتِ دین اور اصلاح معاشرہ کی آواز کو زیادہ سے زیادہ توانا اور مؤثر بنایا جا سکے۔ بندے نے یہ فن سیکھنے کے ساتھ ساتھ بہت سے صوبائی اور ملکی سطح کے مقابلوں میں شرکت کی اور بحمد اللہ کئی انعامات اور اعزازات بھی جیتے۔اس سے تجربہ بڑھتا رہا اور کتاب کے حجم میں اضافہ ہوتا رہا۔آخر میں جب کتاب کے نام رکھنے کا مسئلہ زیرِ غور آیا تو حضرت استاد جی نے کمال شفقت فرماتے ہوئے وہ نام تجویز فرمایا جو انہوں نے اپنی نئی کتاب کے لیے سوچ رکھا تھا یعنی ''بولنا سیکھیے''۔میں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ کی کتاب کا نام ہے۔فرمایا کہ کام ہونا چاہیے۔اصل مقصود وہی ہے۔ہماری کتاب کا کوئی اور نام سوچ لیں گے۔چنانچہ اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کی تالیف کا بنیادی مقصد ایک تو میڈیا کے مقابلے میں منبر ومحراب کی آواز کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانا ہے، دوسرا دعوت دین کا فریضہ سرانجام دینے والوں کو ذرائع ابلاغ کی مرعوبیت سے بچانا ہے۔

کتاب میں ڈیبیٹ یعنی مباحثے کو تفصیلاً اور مناظرے کی اہم مباحث کو بیان کیا گیا ہے، کیونکہ بندے کے خیال میں مباحثے اور مناظرے کی تربیت کے بغیر دین پر فکری حملے کرنے والے دانشوروں، دین کا حلیہ بگاڑنے والے نام نہاد مذہبی اسکالروں اور دین کے بارے میں شکوک و

شبہات پیدا کرنے والے ٹاک شوز کے میزبانوں کو نہ توڑ جواب دیا جا سکتا ہے اور نہ ان کی عقلی دلیل کے اندرونی تضاد کو واضح کر کے اس سے پیدا ہونے والے التباس کو ختم کرتے ہوئے بھرپور طریقے سے حملہ اور دفاع کیا جا سکتا ہے۔ مباحثے کی ترتیب وتدوین میں کتابوں کے علاوہ اس فن میں تحریر وتقریر کے ماہرین اور اساتذہ جیسے استاذ محترم مفتی ابولبابہ صاحب، محترم ڈاکٹر خالد جامعی صاحب، جناب عابد علی امنگ صاحب، جناب سید رضوان زیدی صاحب، جناب شیخ ذیشان اقبال صاحب اور محترم پروفیسر ہارون الرشید صاحب وغیرہ کے لیکچرز، ترتیبی خطبات، مضامین، نکات اور اشارات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ درس قرآن میں استاذ محترم حضرت مولانا اسلم شیخوپوری علیہ الرحمۃ کے ساتھ ساتھ محترم اساتذہ کرام مفتی ابولبابہ صاحب مدظلہ، مفتی عطاء الرحمن صاحب مدظلہ (بہاولپور) اور مولانا منظور احمد نعمانی صاحب مدظلہ کی تربیت شامل ہے۔
الغرض یہ کتاب فن خطابت ہی نہیں، اس جیسے دیگر فنون جیسے لیکچر، درس وتدریس اور مکالمہ ومباحثہ کے دیگر تمام قدیم وجدید طریقوں کا نہایت مفصل، دقیق اور جامع تجزیہ ہی پیش نہیں کرتی بلکہ ان میں سے ہر فن میں مہارت اور دستگاہی کے حصول کے طریقے اور اصول وقواعد سے بھی روشناس کرواتی ہے۔ کتاب میں اُن تمام ذاتی تجربات کا نچوڑ بھی شامل ہے جو بندے کو گذشتہ آٹھ برسوں سے "کلیۃ الفنون جامعۃ الرشید کراچی" کے طلبہ کو حضرت استاذ جی کے زیر نگرانی چالیس روزہ دورہ خطابت کروانے اور دیگر مختلف مقامات پر منعقد ہونے والے خطابت کے مختصر دوروں اور ورکشاپس میں شرکت کرنے کے ساتھ ساتھ آل کراچی، آل سندھ اور کل پاکستان مباحثوں میں پہلے بحیثیت مقرر اور قائد بعد میں بحیثیت منصف ذمہ داریاں سرانجام دینے سے حاصل ہوئے۔
اس اعتبار سے زیر نظر کتاب صرف معلوماتی نہیں بلکہ ایک تجرباتی کتاب ہے۔

مکتبہ "دارالمعارف دیوبند" ایک معروف ومؤقر اشاعتی ادارہ ہے، جو حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مدظلہ العالی، استاذ ادب عربی دارالعلوم زکریا ساؤتھ افریقہ کے ایما اور ان کی نگرانی ورہنمائی میں قائم کیا گیا ہے۔ مولانا موصوف ایک علمی، ادبی اور تالیفی ذوق کے حامل اور

صاحب تصانیف شخصیت کے مالک ہیں۔ متعدد علمی وتحقیقی ذوق رکھنے والی انتہائی قیمتی شخصیات اس ادارے سے وابستہ ہیں، جن کے قلم سے درجنوں علمی، دینی، تربیتی واصلاحی کتابیں بڑے سلیقے اور نفاست کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔

ہمیں بہت خوشی ہے کہ مولانا موصوف "بولنا سیکھیے" اپنے اس ادارے سے شائع فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

آخری بات وہی ہے جو حضرت استاد جی مدظلہ نے اپنی کتاب "پاجا چراغ زندگی" کے مقدمے کے آخر میں تحریر فرمائی ہے:

"اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور "ایمان ومادیت" کے معرکے میں اترنے والے نئے فاضل صاحبان اور کاروانِ علم وعمل کے شرکاء "طالب جانان" کو صاحبانِ عزیمت داعیانِ اسلام بننے کے مقصد میں اسے مفید ونافع بنائے"۔ آمین "وما ذلک علی اللہ بعزیز"

ندیم الرشید

استاد جامعۃ الرشید کراچی

۲۷ رجب ۱۴۳۲ھ

پہلا باب

فن خطابت کا تعارف

فن خطابت کا تعارف

خطابت کا لغوی معنی:

خطابت عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغت میں اس کے معانی، وعظ کرنا، تقریر کرنا اور خطبہ پڑھنے کے آتے ہیں۔ گرامر کے اعتبار سے خطابہ مصدر ہے اور اس کا فعل خَطَبَ باب نصر سے آتا ہے۔ عرب محاورے میں جب کوئی شخص کسی قوم کا متکلم ہو یا اس کی طرف سے ترجمانی کے فرائض سر انجام دے رہا ہو تو یوں کہا جاتا ہے: فلان یخطب القوم۔ اسی طرح رجل خطیب بہترین خطیب کو کہا جاتا ہے۔

خطابت کی اصطلاحی تعریف:

خطابت تخاطب کی سب سے اعلیٰ ترین قسم ہے۔ جس کی ضرورت انسانی معاملات میں ایک طرح سے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ علی بن محمد سالم (متوفی 1420ھ) اصول الخطابہ والانشاء صفحہ 9 پر لکھتے ہیں: خطابت گفتگو اور تخاطب کی مختلف انواع میں سے ایک نوع، نثر کی اقسام میں سے ایک قسم اور فنون کے متفرق رنگوں میں سے ایک رنگ ہے۔ جمہور، عامۃ الناس کو اپنی جانب متوجہ اور مائل کرنے اور ان پر اثر انداز ہونے کے لیے اس فن سے کام لیتے ہیں۔

ارسطو نے اپنی کتاب "الخطابہ" میں خطابت کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے۔ القدرة علی النظر فی کل ما یوصل الی الاقناع فی ای مسئلة من المسائل (خطابت ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعے ان تمام امور پر نظر رہتی ہے جو سامعین کو ہر مسئلے میں مطمئن کرنے کے لیے درکار ہیں)

خطابت کی ایک تعریف یہ بھی کی جاتی ہے۔ ھی کلام منثور مؤلف یخاطب به الفرد الجماعة قصد الاقناع (تیسیر الاحساد المحددی، قواعد الفقه) خطابت ایسا منضبط و مرتب کلام ہے جس کے ذریعے کوئی فرد قائل کرنے کی غرض سے کسی جماعت کو خطاب کرتا ہے۔

راقم کے خیال میں "کسی خاص موقع پر سامعین کو قائل کرنے کے لیے مؤثر طریقے سے بولنے کا نام خطابت ہے"۔

اس اعتبار سے یہ فن تمام ادیان، علوم، تہذیبوں، تحریکوں اور اداروں کی نہ صرف تشکیل میں بلکہ ترویج اور بقا میں بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

خطابت کا موضوع:

ابن رشد نے ارسطو کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ خطابت کا کوئی خاص موضوع نہیں ہے، ہر طرح کے موضوعات اس میں زیر بحث رہتے ہیں۔ خطابت کو وہ وسعت حاصل ہے کہ اسے کسی حدود میں مقید نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے موضوعات عام ہیں۔ جن میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

البتہ ایک مومن، مبلغ اور داعی اسلام جب بیان کرتا ہے تو اس کی خطابت کا موضوع ابلاغ دین ہوتا ہے۔

اگر خطابت کو محض فن کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ دیگر فنون کی مانند اس کی اپنی خصوصیات ہیں۔ اپنے اصول و قواعد ہیں، اپنا اسلوب ہے اور رد و قبول کا اس کا اپنا ایک طے شدہ معیار ہے۔ ارسطو نے ان تمام پہلوؤں کو ایک پیرے میں اس طرح بیان کیا ہے: "خطابت فنون کلام میں سے ایک ایسا کلام ہے جس سے جمہور کو خطاب کیا جاتا ہے اور یہ گوش و نگاہ دونوں ذرائع سے عوام کو بات کی قبولیت اور اس کی طرف میلان پر متوجہ کرتی ہے اور اس حصول قبولیت کے ذرائع سے آگاہی اور اس پر قدرت حاصل کرنا اس فن کی بنیاد ہے" (البیان و التبیین، ج 1، ص 227) اسلام میں خطابت کا سب سے اعلیٰ نمونہ اور سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ چونکہ کلام پاک یعنی

خطبات الٰہی کا موضوع حضرت انسان ہے تو اس اعتبار سے اسلامی اور دینی خطابت کا موضوع بھی درحقیقت حضرت انسان ہی ہے۔ بایں طور کہ وہ صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جائے اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جائے۔

خطابت کی اہمیت:

خطابت کو اگر اشاعتِ دین، ابلاغِ حق اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے استعمال کیا جائے تو بلا شبہ یہ انتہائی عظمت، فضیلت اور سعادت کا حامل فن ہے۔ خطابت ہی کی بنیاد پر زمانہ قدیم میں قیادت اور سیادت کا انتخاب ہوا کرتا تھا۔ سپہ سالار، بڑے بڑے جنگجو بہادر اور جرنیل نہ صرف خود اس فن کو سیکھتے بلکہ خطباء کو لشکر میں اپنے ساتھ رکھتے، تا کہ مشکل وقت میں اپنی سپاہ کا حوصلہ بحال رکھا جا سکے اور انہیں دشمن کے خوف سے نکالا جا سکے۔ تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر میں میڈیا، عدلیہ اور نظامِ سیاست کو چلانے میں اس فن کا بنیادی کردار ہے۔

خطابت اور انسانی نفسیات:

خطابت کا انسانی نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔ کوئی خطیب اس وقت تک اپنے مقصد میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اسے لوگوں کی نفسیات (Psychology) کا علم نہ ہو۔ جب تک وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے سامنے والوں کے خیالات، جذبات، احساسات اور محسوسات کیا ہیں، اس وقت تک وہ ان کے دل و دماغ پر دستک نہیں دے سکتا۔ وہ ان کی کوئی ذہنی و فکری تربیت نہیں کر سکتا۔ چونکہ انسانی نفسیات کا علم انسان کی تربیت کے لیے بنیادی ستون کی اہمیت رکھتا ہے اسی لیے اس کی اہمیت علم خطابت کے لیے بھی مسلّم ہے۔ جب بھی خطیب لوگوں کی ذہنی اور فکری تربیت کے لیے خطاب کرے گا اسے لوگوں کی نفسیات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس اعتبار سے فن خطابت کا انسانی نفسیات سے ایک قریبی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

خطابت اور معاشرہ:

خطیب چونکہ افرادِ معاشرہ سے خطاب کرتا ہے اور معاشرے کے ہر فرد کا مزاج اپنی مخصوص معاشرت، تمدّن اور رہن سہن سے متاثر ہوتا ہے۔ افرادِ معاشرہ اپنی روایات، اقدار، تہذیبی

مظاہر، ثقافتی مزاج، تمدنی طور طریقوں اور تاریخی حقیقتوں سے سبق حاصل کرتے ہیں اور خطیب بھی چونکہ اپنی بات کو ایک خاص تہذیب سے نکلنے والے علمی اور معاشرتی پس منظر میں بیان کر رہا ہوتا ہے اس بنا پر معاشرے کے علم سے خطابت کا ایک گہرا تعلق سامنے آتا ہے۔

خطابت اور ادب:

کوئی بھی خطیب اس وقت تک سامعین پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ابلاغ میں دو خصوصیات نہ ہوں۔

(1) حسن مضمون (2) حسنِ بیان

نہ صرف تمام الہامی کتابیں ان خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں بلکہ ہر نبی کے بیان میں بھی یہ دونوں خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ خطابت میں اگرچہ حسنِ بیان کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے لیکن کسی بھی بیان میں اس وقت تک حسن پیدا نہیں ہو سکتا جب تک اس بیان کے مضمون میں حسن نہ ہو اور حسنِ مضمون کا تعلق علم ادب سے ہے، اس بناء پر جب کوئی خطیب اپنے حسنِ بیان سے لوگوں کو قائل کرنا چاہتا ہے تو حسنِ مضمون کی ضرورت کے باعث اسے علم ادب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ زبان و بیان کی نزاکتوں کا خیال اسے کوچۂ ادب کا راہی بنا دیتا ہے اس طرح فنِ خطابت کا علم ادب سے بھی ایک گہرا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

خطابت اور منطق:

خطیب چونکہ اپنے مؤقف پر مدلل گفتگو کرتا ہے، براہین پیش کرتا ہے، نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل بھی لاتا ہے، دلیل میں صغریٰ کبریٰ ملا کر نتیجہ اخذ کرتا ہے، پھر اس نتیجے کی بناء پر اپنے مؤقف کو مضبوط کرنے کے لیے مزید استدلال کرتا ہے، یعنی دعوے پر دلیل پیش کرتا ہے، دلیل سے دعویٰ اخذ کرتا ہے، معلوم سے مجہول کی طرف جاتا ہے اور اجمال سے تفصیل کی طرف آتا ہے، خطابت میں افہام و تفہیم کے اس پورے طریقۂ کار کا تعلق علم منطق سے ہے۔ یوں جب بھی کوئی خطیب اپنے بیان یا خطاب میں منطقی استدلال سے کام لیتا ہے تو خطابت اور منطق کا ایک تعلق سامنے آتا ہے۔ اسی بناء پر منطقیوں اور حکماء کے ہاں خطابت کی تعریف یہ ہے، "السقیاس

المؤلف من المظنونات او المقبولات، لترغيب الناس فيما ينفعهم من امور معاشهم او معادهم''۔ ''خطابت ایسا قیاس ہے جو مظنونات سے یا مقبولات سے مرکب ہو، تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو ان کے دنیوی اور اخروی امور میں سے نفع مند امور کی جانب متوجہ کیا جا سکے۔''

(ابو زهره، الخطابة، اصولها، تاريخها۔ دار الفكر العربي، قاهره، ص 15)

ابنِ سینا کے بقول حکماء نے خطابت کو بھی منطق کی اقسام میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ منطق سے اصل مقصود تصدیق تک پہنچنا ہوتا ہے، سو اگر تصدیق کا وقوع یقینی ہو تو وہ برہان ہے اور اگر ظنی یا صدق پر محمول کرتے ہوئے ہو تو وہ خطابت (خطبہ) ہے۔ ابوزہرہ کہتے ہیں ہمارے نزدیک یہ بات درست نہیں کہ خطابت کے قیاسات ظنی ہیں۔ کیونکہ سب سے بلیغ خطبہ اسی کو تصور کیا جاتا ہے جس میں حقائق کا احاطہ، منطقی قیاسات اور براہین کے ذریعے کیا گیا ہو۔

ان کے خیال میں خطابت کو عام طور پر تین عناصر سے قوت حاصل ہوتی ہے۔

منطق اور یقینی قیاسات — ظنیات اور اقوالِ حکمت

تخیلات اور شعری اسلوب

ابوزہرہ کے نزدیک صحیح معنوں میں خطابت اس وقت درجۂ کمال کو پہنچتی ہے جب وہ مذکورہ بالا تین عناصر سے مزین ہوتی ہے۔

خطابت اور پروپیگنڈہ:

خطابت کو اگر انبیاء کے طریقے سے ہٹ کر استعمال کیا جائے تو پھر یہ محض پروپیگنڈے کے ایک ذریعے اور ہتھکنڈے کے طور پر سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افلاطون کے نزدیک تقریر و خطابت مبالغہ آمیز بیانات کے ذریعے سے لوگوں کے اذہان کو تسخیر کرنے کا نام ہے۔ ارسطو کا خیال ہے ذہانت اور نکتہ رسی کی صلاحیت کو ممکنہ ذرائع سے ترغیب و تحریص کی خاطر استعمال کرنا بھی فنِ خطابت ہی کے زمرے میں آتا ہے اور اس عمل میں سارا مدار نفسیاتی حوالوں پر ہوتا ہے۔ پروپیگنڈے میں تقریر اور خطابت کی قوت اور اس کی کرشمہ سازیوں کا ہٹلر نے بھی بڑے واشگاف الفاظ میں تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ تمام زبردست واقعات جن کے ذریعے روئے زمین کے نقشے

بدل جاتے ہیں، ہمیشہ تقریر ہی کے ذریعے وقوع پذیر ہوئے ہیں نہ کہ تحریر کے ذریعے۔ عوام خود جامد ہوتے ہیں۔ وہ کسی تحریر کو تب ہی پڑھتے ہیں جب اس میں وہی کچھ لکھا ہوا ہو جسے وہ خود پڑھنا چاہتے ہیں اور وہ ان کے اس عقیدے اور رجحان کے مطابق ہے جس کے ساتھ عوام پہلے سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ لیکن تقریر میں یہ امر ضروری نہیں۔ وہاں تو عوام کے ساتھ خطاب کرنے کے لیے عامیانہ اسلوب ہی موثر ہوتا ہے اور اسی میں تقریر کی جاتی ہے۔

12 مارچ 1957ء کو چینی راہنما آنجہانی ماوزے تنگ نے چینی کمیونسٹ پارٹی کی قومی کانفرنس برائے پروپیگنڈہ کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: "اچھے اور ماہر پروپیگنڈے کرنے والے فن تقریر کے تمام تر جوہر اور خوبیوں کو بروئے کار لا کر پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور یہی لوگوں کی رائے عامہ بدلنے کا موجب بنتے ہیں۔"

دوسرا باب

خطابت کا تاریخی پس منظر

خطابت کا تاریخی پسِ منظر

خطابت اصلاً انبیاء علیہم السلام کا وصف ہے۔ ہر نبی بنیادی طور پر خطیب ہوتا ہے۔ تمام آسمانی اور الہامی کتابوں کے اسلوب میں ایک خطیب کا لہجہ اور گونج سنائی دیتی ہے۔ قدیم زمانے میں خبر رسانی کے جو ذرائع موجود تھے ان میں شعر، خطابت، مجالس اور بازاروں کے میلے شامل ہیں۔ ان کے ذریعے پرانے زمانے میں لوگ اپنے پیغامات، خیالات اور تاثرات کا دوسروں کے سامنے اظہار کرتے تھے۔ گویا قدیم زمانے میں خطابت ترسیلِ خبر کا بھی ایک اہم ذریعہ تھا۔ اس اعتبار سے خطابت اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانیت کی تاریخ ہے۔

خطابت یونان میں:

جب اس فن کی تدوین اور اصول و قواعد کی تشکیل کی بات کی جاتی ہے تو سب سے پہلے اہلِ یونان کا نام سامنے آتا ہے۔ یونانیوں نے اس فن کو خوب ترقی دی۔ چنانچہ اس فن پر جو سب سے قدیم کتاب دستیاب ہے وہ ارسطو کی ''الخطابہ'' ہے۔ یونان کی خطابت نے اہلِ روم کو متاثر کیا اور وہاں بھی اس فن میں دلچسپی لی جانے لگی۔ (تفصیل مباحثے کے باب میں ہے)

خطابت عرب میں:

یونانی اور رومی تہذیب کے بعد خطابت کا سب سے زیادہ رجحان عرب میں تھا۔ اہلِ عرب کا

خصوصی تعارف یہ تھا کہ وہ لکھنے پڑھنے والی قوم نہ تھی، اس بناء پر ابلاغ اور پیغام رسانی کے لیے عربوں نے بھی خطابت ہی کا سہارا لیا اور اسے ایک موثر ذریعے کے طور پر اختیار کیا۔ جب اسلام آیا تو اس وقت ابلاغ کی دو ہی صورتیں رائج تھیں، یعنی خطابت اور شعر۔ البتہ عرب معاشرے میں شاعر اور خطیب میں ایک معاشرتی فرق موجود تھا۔ خطیب اکثر قوم کا سربراہ اور قبیلے کا سردار ہوتا تھا، جب کہ شاعر کے لیے یہ امر ضروری نہیں تھا۔ اس دور میں قاصد کی بھی بہت اہمیت تھی جو بزورِ خطابت اپنا پیغام پہنچایا کرتا تھا۔ اس دور میں قاصد ناقل نہیں قائل ادا کرتا تھا۔

حسنِ بیان اور بلاغت کلام سے محرومی کو اہلِ عرب کے ہاں ایک نقص اور قابلِ ملامت عیب تصور کیا جاتا تھا۔

ایک شاعر ابودلف کہتا ہے

کفی بالمرء عیبا ان تراہ
وجہ ولیس لہ لسان
وما حسن الرجال لھم بحسن
اذا لم یسعد الحسن البیان

(مجمع الحکم والامثال)

ترجمہ: انسان کے عیب دار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اگر تم اسے دیکھو تو تمہیں اس کا چہرہ تو نظر آئے، مگر وہ زبان کے بغیر ہو۔ مردانہ حسن اس وقت تک باعث حسن نہیں بن سکتا، جب تک اس کی تائید حسن بیان سے نہ ہوتی ہو۔

دورِ جاہلیت کے مشہور خطباء:

عربوں کے ہاں سب سے زیادہ معروف خطیب ''کعب بن لوئی'' ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مشہور خطباء میں قیس بن سنان، خطیب داحس وغبراء، خویلد بن عمر الغطفانی، خطیب یوم الفجار، قیس بن ساعدہ الایادی، اکثم بن صیفی، عمرو بن معدی کرب الزبیدی، دورید بن زید، مرثد الخیر، العباس

بن شتی اور دیگر بہت سے خطباء شامل ہیں۔

اسلام میں خطابت:

دربارِ نبوی میں حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کو خطیبِ اسلام کا لقب ملا۔ خلفاء راشدین کا شمار اسلام کے ممتاز ترین خطباء میں ہوتا تھا، اس کے علاوہ "زیاد بن ابیہ" جنہوں نے جلولاء کی فتح کا قصہ سنایا تو ان کی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا: "انه لهو الخطيب المصقع (ابن كثير، البداية والنهاية) بلاشبہ یہ ایک فصیح خطیب ہے"۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی صحابہ کرامؓ میں بڑے خطیب شمار ہوتے تھے۔ وہ افریقہ کو فتح کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی فرمائش پر انہوں نے جنگ کے حالات و واقعات پر بیان کیا۔ جب انہوں نے خطاب ختم کیا تو ان کے والد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اٹھے، ان کی پیشانی کو چوم کر فرمایا: باکمال لوگوں کی اولاد بھی باکمال ہوتی ہے اور فرمایا: "يا بني ما زلت تنطق بلسان ابي بكر حتى صمت" "اے بیٹے! جب تک تم خاموش نہیں ہوئے تم مسلسل ابوبکر کی زبان میں بول رہے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی خطابت کے حوالے سے یہ چند مثالیں ہیں۔ تاریخ میں بے شمار مثالیں موجود ہیں بالخصوص جہاد میں جس طرح وہ مجاہدین اسلام کو اپنے شعلہ بار لفظوں سے گرماتے اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ تابعین، تبع تابعین، علماء، مبلغین، صوفیاء اور متکلمین کا ایک پورا سلسلہ ہے جنہوں نے اس فن کے ذریعہ تبلیغ دین، اشاعت دین اور دفاع دین کا فریضہ سرانجام دیا۔

اردو خطابت:

اردو خطابت کی تاریخ کے حوالے سے شورش کاشمیری اپنی کتاب "فنِ خطابت" میں لکھتے ہیں:

"اردو خطابت میں کئی رعایتوں سے عربی خطابت ہی کا آب و رنگ ہے۔ انگریز ہندوستان میں وارد ہوئے تو اس دوران میں کئی قسم کے اجتماعات کی بنیاد رکھی گئی، بعض قومی، تعلیمی، ادبی، معاشرتی اور سیاسی تحریکیں پیدا ہوئیں۔ انہی کا نتیجہ تھا کہ برطانوی علم و تعلیم کے زیر اثر خطابت کا ایک نیا

مزاج اور ایک نیا اسلوب پیدا ہو گیا۔ آج ہم علم و سیاست کی جن وادیوں پر گامزن ہیں وہ اکثر و بیشتر برطانوی عہد کی یادگاریں ہیں۔ اس اخذ و تاثر (عصری تعلیم اور سیاست کے مغربی چلن) کے باوجود اردو خطابت اپنے مضمرات سے عربی خطابت ہی رنگینی و سنگینی رکھتی ہے۔ اس کی تب و تاب، جوش و حرارت، رعنائی و زیبائی اور اعجاز و ایجاز میں عربی ہی کا پرتو ہے۔ اردو ہندوستان میں پیدا ہوئی، فارسی نے اس کی رگوں کو خون دیا اور عربی نے اسے جوان کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مزاج میں خطابت کا بانکپن رہا، یہی جادو اس کے الفاظ کی روح میں ہے۔ اردو زبان کی فرمانروائی کے زمانے میں اتنے بڑے خطیب پیدا ہوئے کہ کوئی مؤرخ برعظیم میں اردو خطابت کے وسیع اثرات کا جائزہ لیتا تو اردو زبان کی پذیرائی اور سحر کاری و پرکاری کے متعلق ان حقیقتوں کو نظر انداز نہ کر سکتا کہ برعظیم کی سیاسی آزادی اردو زبان کی فتح مندیوں میں سے ایک ہے۔ ہم نے برعظیم کی جدو جہد آزادی کا عوامی الاؤ اسی سے روشن کیا اور یہی زبان قومی جدوجہد کے مختلف دوائر میں ہمارے ولولوں انگیز کرتی رہی"۔

لہٰذا اردو خطابت کا کمال یہ ہے کہ آج ہم ایک آزاد ملک کی آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔ موجودہ زمانے میں دینی مدارس کی ہفتہ وار بزم ادب، بعض مقامات پر سالانہ جشنیوں میں مختصر دورہ خطابت کی ترتیب، جامعۃ الرشید کے شعبہ تخصصات کا تربیت خطابت کورس، پاکستان میں اردو خطابت کی تربیت اور فروغ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ جبکہ اسکول، کالجز اور یونیورسٹیز میں اردو خطابت کے حوالے سے "قومی ادارہ برائے فنِ خطابت" یعنی پاکستان ڈیبیٹ کونسل کراچی لائق تحسین خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس ادارے کے سربراہ جناب "عابد علی اسنگ صاحب" اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ بلاتفریق طلبا میں خطابت کی آبیاری کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تمام اساتذہ جو گمنامی میں اس فن کی خدمت کر رہے ہیں اور اپنے شاگردوں کو کلمۂ حق کہنے کا سلیقہ سکھا رہے ہیں، یقیناً ایک بڑا کام کر رہے ہیں۔

نبوی خطابت:

جب ہم دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت خطیب دیکھتے ہیں تو آپ

سے بڑا خطیب، فصیح، بلیغ اور ادیب کوئی اور دکھائی نہیں دیتا۔ آپ علیہ السلام کی خطابت میں بے شمار خصوصیات تھیں، جن کی وجہ سے پورا عرب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ذیل میں ان خصوصیات کا اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ہم اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع خطابت سے روشنی حاصل کر کے ابلاغ دین کا فریضہ احسن انداز سے سرانجام دے سکیں۔

۱ ..... خطیب کا اولین مقصد چونکہ اللہ کا پیغام اس کی مخلوق تک پہنچانا ہوتا ہے، اس لیے خلوص، دل سوزی اور خیر خواہی کے جذبات ایک خطیب کے لیے انتہائی لازمی اور ضروری ہیں۔ امام الانبیاء ہونے کے ناتے یہ صفت جس کمال کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر موجود تھی مخلوق میں کوئی اس درجے تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ دل جس قدر اخلاص اور خیر خواہی کے جذبے سے سرشار ہوگا زبان سے نکلنے والے الفاظ بھی اتنے ہی پر اثر ہوں گے۔

۲ ... بلند آہنگ ہونا خطیب کے عظیم ترین اوصاف میں سے ہے۔ عربوں کے ہاں حسن صوت اور آواز کی بلندی کو خوبی شمار کیا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند آہنگی کے بارے میں یہ بیان بھی ملتا ہے کہ آپ کی آواز وہاں تک پہنچتی تھی جہاں کسی اور کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا "اجلسوا" بیٹھ جاؤ، آپ کی یہ آواز ایک انصاری صحابی نے محلہ بنی غنم میں سنی (جو مسجد سے کافی فاصلے پر تھا) اور وہیں بیٹھ گئے۔

۳ .... خطیب کے لیے فصاحت و بلاغت بنیادی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اس وقت عربوں کی فصاحت و بلاغت عروج پر تھی۔ اس دور میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی معجزانہ فصاحت و بلاغت عطا فرمائی کہ تمام اہل عرب دنگ رہ گئے۔ آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت کا عظیم شاہکار اور نمونہ ہیں۔

۴ . مخاطبین کی زبان اور لہجوں کو سمجھنا اور اپنے بیان میں سامعین کی رعایت کرتے ہوئے انہی کے الفاظ اور لہجوں کو استعمال کرنا تقریر کو بہت پر اثر بنا دیتا ہے۔ متعدد مقامات پر آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل کے لوگوں سے بات کرتے ہوئے انہی کی زبان کے الفاظ استعمال فرمائے۔

۵۔ خطابت سے مقصود چونکہ اپنی بات مخاطبین تک پہنچانا ہوتا ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ اور جملے اس انداز سے ادا کیے جائیں کہ وہ سامعین پر بوجھ نہ بنیں، بلکہ سنتے ہی سمجھے جا سکیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر لفظ کو ٹھہر ٹھہر کر اور صاف صاف ادا کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ خصوصیت بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ آپ صاف صاف کلام کرتے تھے، جو واضح اور دوسروں سے ممتاز ہوتا اور آپ کے پاس بیٹھنے والا اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتا تھا۔

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطابت میں شستہ بیان اور سامعین کی ذہنی استعداد کی رعایت رکھنے کو ضروری قرار دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کی ذہنی استعداد کے مطابق کلام کیا کروں۔

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خطابت میں اختصار کو پسند فرماتے تھے۔ بلا ضرورت طویل خطبے کو آپ پسند نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر طویل خطبے بھی ارشاد فرمائے ہیں، مگر بلا ضرورت بات بڑھانے کے لیے آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ آپ فرماتے تھے خطبے میں اختصار اور نماز میں طوالت انسان کے تفقہ کی دلیل ہے۔

۸۔ دور جاہلیت میں عربوں کے ہاں مسجع اور مقفّٰی عبارتوں کا رواج بہت عام تھا۔ یہ سجع محض لفاظی کا شاہکار ہوتا تھا اور اس سے عربوں کا مقصد عام طور پر عوام کو الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھا کر اپنے مفاد کے حصول کو ممکن بنانا تھا۔ یہ جاہلیت کی سجع محض سجع نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ بہت ساری غلط روایات بھی وابستہ تھیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی سجع اور قافیہ بندی نظر آتی ہے۔ سجع اور قافیہ بندی کے ذریعے زور بیان میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

نبی علیہ السلام کا انداز خطابت:

خطابت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب نہایت سادہ مگر پر اثر ہوتا تھا۔ فطری طور پر اللہ

تعالیٰ نے آپ کو ایسی صلاحیتیں ودیعت کر رکھی تھیں کہ اچھی اور با اثر خطابت کے لیے جن کا ہونا نا گزیر ہے۔ ہم اگر چہ جتنی بھی کوشش کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے تک نہیں پہنچ سکتے، ہو بہو وہی انداز اور طرز اختیار نہیں کر سکتے اور نہ ہی اپنے الفاظ میں ویسی تاثیر پیدا کر سکتے ہیں، لیکن یہ حقیقت بھی کسی مسلمان سے مخفی نہیں ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور طریقوں سے رہنمائی حاصل کرنا کامیابی کی ضمانت ہے۔ چنانچہ ذیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز خطابت کے مختلف پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جن سے ہمیں خوب روشنی میسر ہوگی۔

۱..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کی طرف تشریف لاتے ہوئے کسی قسم کی مصنوعی شان وشوکت کے اظہار کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ نہایت سادگی سے اور وقار کے ساتھ تشریف لاتے۔

۲..... جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو سب سے پہلے السلام علیکم کہتے اس کے بعد خطبہ شروع فرماتے۔

۳..... خطبات کو حمد وثناء اور استغفار سے شروع فرماتے۔

۴..... حمد وثناء کے بعد اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے ''اما بعد'' کا بھی استعمال فرماتے۔

۵..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا تھا۔ جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر کے لیے تشریف فرما ہوتے۔ اس کے علاوہ زمین پر کھڑے ہو کر، اونٹنی پر سوار ہو کر اور خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا ہے۔ جب آپ کے لیے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تو آپ کے لیے منبر بنوایا گیا اس کے بعد آپ اس پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے۔

۶..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کمان وعصا وغیرہ کا سہارا بھی لیا ہے۔

۷..... دوران خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں مجمع کی طرف ہوتیں۔ آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے۔

۸ ....موضوع اور موقع محل کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک بلند ہو جاتی تھی۔ کبھی آنکھیں بھی سرخ ہو جاتیں اور چہرے پر جلال کے آثار بھی نمایاں ہو جاتے۔

۹۔ بعض اوقات جوش کی بنا پر منبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک جھومنے لگتا تھا، کبھی مٹھی کو بند کرتے اور کبھی کھول دیتے تھے اور کبھی دائیں جانب مائل ہوتے اور کبھی بائیں جانب۔

۱۰.....دوران خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم متعدد بار قرآن پاک کی آیات بھی تلاوت فرماتے۔

۱۱.....کبھی خطبے کے دوران بات سمجھانے اور وضاحت کے لیے سوال و جواب کا اسلوب بھی اختیار فرماتے تھے۔ مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا: "ای یوم ھذا؟" آج کون سا دن ہے؟ اسی طرح پوچھا: "الاھل بلغت؟" کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے؟

۱۲.....ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہو کر سوال کرنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سوال کے نظر انداز فرمایا، حاضرین نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن وہ شخص اپنا سوال دہراتا رہا، جب تیسری بار اس نے اپنا سوال دہرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو جواب دیا۔

۱۳.....اہمیت کے پیش نظر سامعین کی رعایت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض باتوں کو دو یا تین مرتبہ بھی دہرا لیا کرتے تھے۔

۱۴.....خطبے کے اختتام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام، دعا، استغفار اور اللہ تعالی کی تعظیم کے لیے مختلف الفاظ منقول ہیں۔

تیسرا باب

آواز شناسی

خطابت سیکھنے کی ابتداء

آواز شناسی
خطابت سیکھنے کی ابتداء

خطابت آواز پر موقوف ہے۔آواز کے بغیر خطابت کا تصور محال ہے۔ایک خطیب جب مجمع عام سے خطاب کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو آواز ہی کے سہارے اپنی بات لوگوں تک پہنچاتا ہے۔آواز کے بغیر بھی مافی الضمیر کا اظہار ہو سکتا ہے لیکن جب لفظ خطیب بولا جاتا ہے تو ہمارے ذہنوں میں ایک ایسے شخص کا خاکہ ابھرتا ہے جو قلب کو گرمانے اور روح کو تڑپانے کے لیے بول رہا ہے اور اس کی آواز دور دور تک پہنچ رہی ہے۔خطابت کا وجود چونکہ آواز پر ہے لہٰذا ہمارے خیال میں اس فن کو سیکھنے کی ابتداء آواز شناسی سے ہونی چاہیے۔آواز شناسی یعنی اپنی آواز کے بارے میں آگہی کا عمل۔یہ عمل اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ خالق کائنات نے ہر چیز اور ہر ضرب میں ایک آواز رکھی ہے۔ آواز ہر خطے اور ہر خلقت کے دائرے میں اپنی خاص کیفیات رکھتی ہے۔آوازوں سے متاثر ہونا بھی ہر دائرے میں پایا جاتا ہے اور تصادم اور تضارب سے آوازوں کا پیدا ہونا بھی ہر صورت میں ثابت ہے۔

ہر آواز کی لوچ بیچ اور لہجہ دوسرے سے جداگانہ ہے۔اگر سینکڑوں لوگ۔انفرادی یا اجتماعی طور پر بول رہے ہوں تو ان کی آوازوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔یوں اپنی ذات کے اعتبار سے ہر آواز ایک جدا رنگ لیے ہوئے ہوتی ہے۔جیسے ایک انسان اپنی شکل وشباہت کے بدلنے پر قادر

نہیں ویسے ہی وہ اپنی طبعی آواز کے تبدیل کرنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا اور جس طرح کوئی انسان یا جانور اپنی صورت سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح وہ اپنی صوت سے بھی پہچانا جاتا ہے۔

آوازوں میں فرق:

ہر آواز میں اپنی ذات کے اعتبار سے تین طرح کا فرق ہوتا ہے۔

۱۔ سُر یعنی پچ میں

۲۔ لہجہ میں

۳۔ تاثیر میں/اس اعتبار سے کہ وہ آواز خوش نما ہے یا رنج زدہ ہے۔

آواز کا اثر:

آوازوں کو دل و دماغ سے ایک نسبت ہے، انسان جو کچھ سنتا ہے اس سے متاثر ہوتا ہے چاہے وہ تاثیر خوشی کے رنگ میں ہو اور چاہے رنج کی صورت میں، کیسی ہی آواز کانوں میں پہنچے وہ اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی اثر ضرور لاتی ہے۔ ہر آواز میں مندرجہ ذیل کیفیتیں ہوتی ہیں:

☆خوشی ☆رنج ☆موزونیت ☆غیر موزونیت

انسان جب کسی ضروری معاملے پر دوسرے شخص سے بات چیت کرتا ہے تو اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ دوسرے پر اس کا اثر ڈال سکے اور بعض اوقات دوسرا شخص اس کوشش میں ہوتا ہے کہ دوسرے کی باتوں سے متاثر نہ ہو بلکہ اپنا اثر اس پر ڈال سکے۔ ان دونوں طریقوں میں انسان اپنی آواز کو موزوں اور مؤثر بنانے کی فطری کوشش کرتا ہے۔ تاکہ آواز کے اتار چڑھاؤ کے ذریعے معانی اور مفاہیم کو زور دار انداز میں پیش کر کے قائل کیا جا سکے۔ یہی بنیاد ہے خطابت کی۔ مقرر اور خطیب اپنی آواز کے حسن، اتار چڑھاؤ اور صوتی تاثرات سے سامعین کو مسحور کر لیتے ہیں۔ کیوں کہ انسان فطری طور پر حسنِ ادا کی طرف مائل ہوتا ہے۔ کوئی شخص تقریر کے مواد کی طرف توجہ کرے یا نہ کرے لیکن جب حسن صوت پاتا ہے تو محو ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان کوئی خوش آواز سنتا ہے تو اس کے دل و دماغ میں ایک قسم کا تموج خط نشو نما پانے لگتا ہے اور تھوڑی دیر کے لیے وہ ان تمام غموں سے الگ ہو جاتا ہے جو طبیعت پر غالب ہو رہے تھے۔

جس طرح زبان اور الفاظ میں ایک تاثیر ہے، زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں ان کا کسی نہ کسی طرح دوسروں پر اثر ہوتا ہے۔ اس طرح آوازوں اور صداؤں میں بھی ایک تاثیر ہے جو آواز ہم تک پہنچ کر ہماری سماعتوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے اس میں تاثیر فریفتگی پائی جاتی ہے۔ کسی بھی شخص کو قائل کرنے کے لیے پہلے اسے اپنی طرف مائل کرنا ضروری ہے اور جس آواز میں تاثیر فریفتگی پائی جاتی ہے وہ لوگوں کو بہت تیزی سے متکلم کی طرف مائل کرتی ہے۔ چنانچہ جس طرح خطیب کا اپنی شخصیت کو علم وادب سے بہرہ ور کرنا ضروری ہے اسی طرح موثر خطابت کے لیے اپنی آواز کو ڈھال کر خوب صورت بنانا بھی از حد ضروری ہے۔ کیونکہ لوگوں کی سماعتوں کو متوجہ کرنا خطیب کی پہلی کامیابی ہے۔

آواز اور خطیب:

انسان سارا دن شعوری اور لاشعوری طور پر بہت سی آوازیں سنتا ہے۔ انسانوں کی آوازیں، جانوروں کی آوازیں، مشینوں کے چلنے کی آوازیں، برتنوں کے بجنے کی آوازیں، چیزوں کے ٹکرانے کی آوازیں وغیرہ وغیرہ۔ ان قسما قسم آوازوں میں سے ہر آواز کا اثر سماعتوں پر مختلف ہوتا ہے۔ بعض آوازیں سننے والوں پر خوشگوار اثر ڈالتی ہیں جبکہ بعض کرخت، بعض سخت اور ناگوار گزرتی ہیں۔ یہ سب کچھ سننے کے باوجود بھی انسان اگر نہیں سنتا تو اپنی ہی آواز نہیں سنتا۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کی آواز خود اس کی سماعت پر کیا اثر ڈالتی ہے۔ جس طرح مترنم آواز کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے، بالکل اسی طرح تحت اللفظ خوانی کا بھی اپنا ایک جادو ہوتا ہے۔ جب تک آپ یہ نہیں جان لیتے کہ آپ کی آواز دوسروں کے اعصاب کو سکون پہنچاتی ہے، یا بے چینی اور تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے، آپ لوگوں کے کانوں میں رس گھولتے ہیں یا تیزاب انڈیلتے ہیں، اس وقت تک آپ ایسے خطیب نہیں بن سکتے، جنہیں لوگ گھنٹوں بیٹھ کر سنتے ہوں اور سر دھنتے ہوں۔ گویا خطابت میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ لہجے اور آواز پر مکمل کنٹرول حاصل کریں۔ لہجے اور آواز کی خامیاں اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک اپنی آواز کو غور سے سن کر خود جائزہ نہ لیا جائے۔

یاد رکھیے! آواز اگر سریلی نہ بھی ہو تو مشق سے رسیلی ضرور بنائی جا سکتی ہے۔

اپنی آواز کا جائزہ لیجیے:

آیئے! اپنی آواز کا ایک ٹیسٹ کرتے ہیں۔ ذیل میں نثر اور نظم کی صورت میں کچھ تحریری مواد دیا جا رہا ہے۔ آپ اسے تین مرتبہ دہرائیں اور پھر اپنی آواز کو ریکارڈ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ تین مرتبہ کی دہرائی کے بعد اسے اپنی معمول کی آواز میں پڑھیں اور ریکارڈ کریں۔

نثر:

"جس مغرب کی سفاکی کا عالم یہ ہے کہ ماں باپ نرسنگ ہوم میں پھینکے جا رہے ہیں۔
مرد کے خرانے لینے پر عورتیں طلاقیں لے رہی ہیں۔
بیٹے، بیٹی کی شکایت پر باپ کو عدالت میں طلب کیا جا رہا ہے۔
باپ کی شکایت پر اولاد کے خلاف پولیس مقدمات درج کر رہی ہے۔
ایک ہی گھر میں اور ایک ہی چھت کے نیچے آزادی مساوات اور ترقی کے خوبصورت نام پر متحارب فریقوں اور دشمنوں کی نسل جمع ہو۔
تو پھر گھر کا ادارہ کیسے قائم رہ سکتا ہے؟
جب محبت، اعتماد، قربانی، درگزر اور عفو و رحمت کی روایات باقی نہ رہیں،
جب تعلق قانونی ہو جائے
جب کسی بھی وقت کسی کو ایک فون کال کے ذریعے سزا اور قید کے شکنجے میں کسنا ممکن ہو،
تو وہاں رشتے ٹوٹ کر رہتے ہیں۔
خوف کے زیر اثر محبت، تعلق اور مودت پیدا نہیں ہو سکتی۔
یورپ اور امریکہ میں اسی لیے خاندان تحلیل ہو گیا۔
مغرب کی عورت آج اپنے بچوں کو فرائی پین میں تل رہی ہے۔
ڈیزی کٹر بم کے ذریعے بستیاں برباد کی جا رہی ہیں۔
کیمیائی جراثیم اور کیمیائی ہتھیاروں سے لاکھوں آدمی ہلاک ہو رہے ہیں۔
جدید صنعتوں کی تیار کردہ مصنوعات کے زہر، اس کے دھوئیں اور اس کی آلودگی سے اربوں

مخلوقات برباد ہو رہی ہیں۔

ایسے انسان کو جدید، عالم، قابل اور بہترین شعور کا حامل قرار دینا جاہلیت جدیدہ ہے۔ اس ذلیل انسان کا موازنہ خیر القرون یا سابقہ ادوار سے کرنا شرمناک ہے۔"

نظم:

ساقی نامہ

فضاؤں پہ مسلط لشکر جنات ہے ساقی
قیامت خیز طوفان ہے اندھیری رات ہے ساقی
اٹھی ہے لعنتی تہذیب تو سیلاب کی صورت
ہے جس کے حلقہ ہر موج میں گرداب کی صورت
تلاطم خیز طوفان ہے گناہوں کے تھپیڑے ہیں
الٰہی خیر ہو ایمان کے کمزور بیڑے ہیں
ہوائے شیطنت کمزور بیڑوں کو ڈبوتی ہے
مگر اولاد آدم تختہ غفلت پہ سوتی ہے
میں انسانوں کو اس طوفانِ ذلت سے بچاؤں گا
میں ان سوئے ہوئے شیروں کی غیرت کو جگاؤں گا
وہ ضیغم جو تیرہ سو برس پہلے دہاڑے تھے
وہی پنجے جو حق نے سینہ باطل میں گاڑے تھے
مجھے ان کو اٹھانا ہے مجھے ان کو جگانا ہے
پرانی گونج سے غوغائے باطل کو مٹانا ہے
پلا ساقی پلا وہ شعلہ صہبائے ایمانی
کہ اڑ جائیں دھواں بن کر وساوس ہائے شیطانی

زبانِ خامہ میں ٹپکا وہ بادہ اپنے ساغر سے
کہ جس کا قطرہ قطرہ تازیانوں کی طرح برسے
شراب معرفت کا از سرِ نو جام بھر ساقی
رگوں میں پھر پرانا آتشیں اسلام بھر ساقی
پلا مجھ کو پلا ساغر اسی صہبائے وحدت کا
کہ جس کی موج سے منہ پھیر دوں ہر فوجِ کثرت کا
مئے توحید مکینہ کا اٹھا سر بستہ خم ساقی
سنا مُردہ دلوں کو پھر وہی آوازِ قم ساقی
مری فطرت کو ساقی بے نیازِ دو جہاں کر دے
پیالہ سامنے دھر دے قلم میں زندگی بھر دے
زمانے میں نہیں مقصود میرا بجز خدا کچھ بھی
مرے منہ سے نہ نکلے صداقت کے سوا کچھ بھی

آپ نے یقیناً اپنی آواز ریکارڈ کر لی ہوگی۔ اب کاغذ قلم لے کر درج ذیل سوالات کے جوابات دیں:

آپ کو اپنی آواز کیسی لگی؟	اچھی / بری / مناسب
آپ کی آواز کی کوالٹی کیسی ہے؟	کمزور، پتلی / موٹی، بھاری / بھدی، مترنم / شیریں، خوش گوار / صاف یا پھنسی ہوئی
جملوں کے درمیان وقفے کیسے تھے؟	کم / زیادہ / مناسب
لہجہ کیسا تھا؟	خالص اردو / مادری زبان کا رنگ غالب ہے / مادری زبان کی ہلکی سی جھلک ہے۔
آواز کا اتار چڑھاؤ کیسا تھا؟	کم / زیادہ / مناسب

لفظوں کی ادائیگی کی رفتار کتنی تھی؟	تیز/سست/مناسب
کیا ادائیگی کے دوران لفظ کھائے تو نہیں جاتے؟	جی ہاں/جی نہیں
صوتی تاثرات اور تلفظ کیسا تھا؟	اطمینان بخش/غیر اطمینان بخش
آواز کا سُر/پچ کیسی ہے؟	نچلی/درمیانی/بلند آہنگ
کیا آپ نے پورا پیراگراف ایک ہی صوتی آہنگ میں پڑھا، یا آواز کے اتار چڑھاؤ کا بھی خیال رکھا؟	

آواز کو جانچ لینے کے بعد آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟

اگر آپ کی آواز خوشگوار اور دل پذیر ہے۔ سننے پر اچھا اثر ڈالتی ہے۔ اس میں پہلے سے کچھ بھاری پن اور کرارہ پن یعنی" بیس" موجود ہے۔ اس پر خدا کا شکر ادا کیجیے کہ فن خطابت کے لیے آپ کی آواز میں قدرتی لوچ موجود ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی آواز کمزور ہے۔ سامعین پر کوئی اثر چھوڑتی ہے اور نہ ہی ان کی سماعتوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے، تو گھبرانے یا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا حل موجود ہے۔ ذیل میں آواز کی کچھ ایسی مشقیں پیش کی جارہی ہیں جن کو معمول بنا کر کرنے سے آواز پراثر، خوبصورت، توانا اور رسیلی بنائی جاسکتی ہے۔

آواز کو مؤثر اور بہتر بنانے کی مشقیں:

مشق نمبر ۱:

قرآن پاک لے کر چند آیات منتخب کریں اور انہیں تحت اللفظ تجوید کا خیال کرتے ہوئے تلاوت کریں۔ دوران تلاوت ان کے ترجمے پر غور کر کے معنوی تقاضے کے مطابق لفظ کو بھرپور صوتی آہنگ کے ساتھ ادا کریں۔ کچھ آیات کو دھیمی آواز میں، کچھ کو درمیانی آواز میں اور کچھ کو بلند آواز میں قرآن پاک کے تقدس اور احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے صوتی تاثرات اور مختلف لہجوں کے ساتھ تلاوت کریں۔ چند ہی دن میں آپ کی آواز میں خوبصورتی اور نکھار پیدا ہو جائے گا۔ آپ

بولنا شروع کریں گے، لوگوں کی سماعتیں فوراً آپ کی طرف متوجہ ہو جائیں گی۔

مشق نمبر ۲:

ترجمے والا قرآن پاک لے کر نہ کورہ طریقے سے صرف ترجمہ پڑھنے کی مشق کریں۔ ہر آیت کے مضمون کے مطابق لہجہ بدلتے رہیں۔ اور قرآن پاک کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر لفظ کو اس کے معنی کے مطابق صوتی تاثر دیتے رہیں۔ روزانہ کم از کم پندرہ منٹ یہ مشق ضرور کریں۔

مشق نمبر ۳:

اخبار لے کر اس کی سرخیوں اور خبروں کو بالکل اسی انداز میں پڑھنے کی کوشش کریں جس طرح خبر خواں پڑھتے ہیں۔ اسی طرح آپ اخبار میں سے کسی کالم، مضمون، فیچر یا رپورٹ کا انتخاب بھی کر سکتے ہیں، لیکن جو چیز بھی پڑھیں اس کے موضوعاتی مزاج کو سامنے رکھ کر اپنے لب و لہجے کو ترتیب دیں۔

مشق نمبر ۴:

مختلف شعراء کے کلام سے انقلابی اور اصلاحی شاعری کے کچھ نمونے جمع کریں۔ اصلاحی کلام کو دھیمے اور پرسوز آہنگ میں جبکہ انقلابی نظموں کو بلند آہنگ اور جذباتی انداز میں تحت اللفظ لہجہ بنا بنا کر پڑھنے کی مشق کریں۔

مشق نمبر ۵:

آواز کو مؤثر اور بہتر بنانے کے لیے ایک خاص مشق انگریزی کے واول حروف یعنی "a,e,i,o,u" کی خاص طریقے سے ادائیگی ہے۔ یہ مشق گلے میں موجود صوتی لبوں (ووکل کارڈز) کو صاف ستھرا اور صحت مند رکھتی ہے۔ اور اس کی مسلسل مشق سے آواز میں وہ خاص لوچ پیدا ہو جاتی ہے جو سماعتوں کو نہ صرف اپنی طرف متوجہ کرتی ہے، بلکہ ایک خاص اطمینان، آسودگی اور خوشی بھی فراہم کرتی ہے۔ صوتیات کے شعبے سے وابستہ افراد اپنی آواز کو درست کرنے، ڈھالنے اور موزوں بنانے کے لیے عموماً یہی مشق کرتے ہیں۔

واول (Vowel) حروف کی مشق کا طریقہ:

سب سے پہلے لفظ 'a' کی مشق کی جائے۔

ناک سے طویل سانس کھینچیں۔ سر کو کچھ اوپر اٹھائیں، اور سانس کو آہستہ آہستہ منہ سے خارج کرنا شروع کریں۔ جب تک سانس چلتا ہے لفظ "a" کو ایک سانس میں ادا کریں۔

سانس بھی ختم ہو جائے اور لفظ "a" کی ادائیگی بھی مکمل ہو جائے۔ اگر اس کو لکھا جائے تو ادائیگی کچھ اس طرح ہوگی:

"a" "ایے یے یے یے یے یے یے یے یے یے"

اب اس طرح "e" کو ادا کریں:

"ای ی ی ی ی ی ی ی ی ی ی ی ی ی ی ی"

اسی طرح "i" کو:

"آآآآآآآی ی ی ی ی ی ی ی ی ی ی"

اسی طرح "o" کو:

"اوووووووووووووووووووووووووووووووو"

اسی طرح "u" کو:

"یووووووووووووووووووووووووووووووو"

اس مشق کو پانچ مرتبہ کریں۔ اس سے آپ کو اپنا گلا صاف ہوتا محسوس ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنی آواز کی کوالٹی میں بہتری کا احساس بھی پائیں گے۔

اب "ہا، ہے، ہو (مجہول)" کو پڑھنا ہے۔

"ہااااااااااااااااااااا"

"ہے یے یے یے یے یے یے"

"ہوووووووووووووووووووو"

اس کو بھی پانچ مرتبہ کریں۔ یہ مشق روزانہ کریں۔ جس قدر زیادہ کریں گے اتنا ہی آواز میں نکھار، خوب صورتی اور بہتری آئے گی۔ یہ مشق کرنے کے بعد چیخ کر مت بولیں، بلکہ نارمل انداز میں

بغیر زور لگائے کسی کتاب کا ایک صفحہ لے کر اس کو پڑھیں۔ ایک ماہ کی مسلسل مشق سے آپ کو اپنی آواز میں واضح تبدیلی اور بہتری محسوس ہوگی۔ لیکن اگر آپ چیخ کر بولیں گے تو پھر آپ کی آواز کی یہ "صورت" اور "سطح" ٹوٹ جائے گی۔

درس کے لیے لب ولہجہ بہتر بنانے کی خاص مشق:

کامیاب درس کے لیے بدن بولی کی ضرورت کم ہوتی ہے۔ جبکہ صوتی تاثرات اور چہرے کے احساسات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اگر آپ کی آواز سادہ اور سپاٹ ہے اور اس میں "جیں" یعنی بھاری پن کی کچھ کمی ہے۔ تو اس کے لیے ایک خاص مشق ذکر کی جارہی ہے۔

بی اے کی اردو کی نصابی کتاب مخزن ادب لے کر اس کے حصہ نثر اور حصہ نظم میں سے کچھ مقدار منتخب کر کے بند کمرے میں کونجیلی آواز سے پڑھیں۔ پڑھنے کے دوران صرف غور سے پڑھیں ہی نہیں بلکہ اپنی آواز کو بھی غور سے سنیں۔ ہر لفظ کو اس کا مطلوبہ صوتی تاثر دینے کی بھرپور کوشش کریں۔ ایک ایک جملے میں کئی طرح سے Expressions شامل کریں۔ اس سے آپ کی آواز میں زیر و بم پیدا ہوگا۔ بدلتے ہوئے جملوں یا اشعار کے ساتھ ساتھ لہجے کو بھی تبدیل کرنے کی کوشش کرتے رہیں، اور چند سطروں کے بعد کھرج بھی تبدیل کرلیں، یعنی: جس سطح سے آواز پیدا ہورہی ہے۔ اب اس سے اوپر والی سطح پر چلے جائیں یا نیچے والی سطح پر آجائیں مثلاً: آپ نے دس سطروں پر مشتمل ایک پیراگراف منتخب کیا۔ اس کی پہلی تین سطروں کو "طلوع" کا نام دیں۔ اگلی دو سطروں کو "عروج"، اس سے اگلی دو سطروں کو "انتہا"، اور اس سے اگلی دو سطروں کو "زوال" قرار دیں جبکہ آخری سطر کو "اختتام" قرار دیں۔ ابتدا کی تین سطروں کو قدرے پست لیکن قابل سماعت آواز میں جملوں کو "کس" کر ادا کریں۔ ... پہلی سطر پڑھیں، ...... اس کے بعد دوسری سطر کو قدرے بلند آواز سے پڑھیں ... اس کے بعد تیسری سطر میں آواز کو تھوڑا سا مزید اٹھائیں۔ تلفظ اور لہجے کو ڈھیلا مت ہونے دیں، وقف مضبوط رکھیں۔ اس سے آپ کی صورت بالکل ایسی ہوگی جیسے سمندر میں دھیرے دھیرے لہر کے اوپر بلند ہوتی ہے اور ساحل پر ایک کے بعد دوسری لہر اٹھتی ہوئی آٹکراتی ہے۔

(طلوع میں موجود پہلی تین سطروں کی ادائیگی مکمل ہو چکی)

اب عروج کی دو سطروں کی ادائیگی کو مکمل کرنا ہے۔ نچلے کھرج سے دو قدم اوپر کی سیڑھی پر یہ دو سطریں پڑھیں اور لہجے میں ہلکی سی جذباتیت کی آمیزش کیجیے۔ عروج کی دو سطروں کی مشق کے بعد انتہا پر آ جائیے۔ آپ کو یقیناً اندازہ ہوگا کہ کس مقام پر جا کر آپ کی آواز پھٹنا شروع ہو جاتی ہے اور گلا ساتھ چھوڑنے لگتا ہے۔ (سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے) اس سے قدم دو قدم نیچے کی سیڑھی میں انتہا کی سطروں کو ادا کیجیے۔ انتہاء میں آپ کی آواز اتنی بلند ہے کہ اس سے تھوڑی سی زیادہ بلند کرنے پر گلے میں کھانس پڑ سکتی ہے۔ یہ آپ کی آواز کی انتہا ہے، یہاں لہجے میں تھوڑی سی جذباتیت مزید پیدا کیجیے۔ ہر لفظ کو اس کے تقاضے کے مطابق صوتی آہنگ سے نوازیے اور تھوڑا کھل کر بولیے۔ مضمون کی مناسبت سے آپ کا لہجہ شاعرانہ، رندانہ، عالمانہ، شاہانہ، مشفقانہ، تفہیمانہ، ذمہ دارانہ، یا غیرت مندانہ ہونا چاہیے۔ ان شاء اللہ چند دن کی محنت کے بعد آپ اپنی آواز، لہجے اور صوتی تاثر کے استعمال کے حوالے سے خود کفیل ہوں گے۔ فن صوتیات کی اصطلاح میں آپ کی آواز پالش ہو چکی ہوگی، اور آپ بولتے ہوئے لوگوں کی سماعتوں میں رس گھول رہے ہوں گے۔ لیکن یاد رکھیے! یہ انداز اور مشق درس کے دھیمے لب و لہجے اور سوز و ساز سے بھرپور درمیانے آہنگ کو سیکھنے کے لیے ہے، خطابت کے جذباتی انداز اور بلند آہنگ کے لیے نہیں ہے۔

چوتھا باب

مجلسی تقریر

عوامی خطاب کا طریقہ

مجلسی تقریر
عوامی خطاب کا طریقہ

اپنی آواز کو جاننے اور جانچنے کے بعد سب سے پہلے ہم خطابت کی معروف ترین، قدیم اور اصل صنف مجلسی تقریر کے اصول، آداب اور تیاری کا طریقہ بیان کرتے ہیں۔ مجلسی تقریر سے مراد عوامی خطاب ہے۔ یعنی وہ خطاب جو عوام یا مجمع عام کے سامنے کیا جاتا ہے۔ اس فن کو آرٹ آف پبلک اسپیچ (Art of Public Speech) بھی کہا جاتا ہے۔ مجلسی تقریر کو دیگر اصناف پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس فن میں مہارت ہو جائے تو بقیہ اصناف کو نبھانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ مجلسی تقریر کی تیاری کے مراحل درج ذیل ہیں۔

ا۔ مرکزی عنوان کے مختلف پہلوؤں پر غور کریں۔

تقریر کسی نہ کسی موضوع پر ہوتی ہے۔ لہذا جب بھی موضوع سامنے آئے اور آپ تیاری کرنے بیٹھیں تو سب سے پہلے ایک کاغذ کے درمیان جلی حروف میں تقریر کا موضوع لکھیں اور یہ دیکھیں کہ وہ کون کون سے پہلو ہیں جو موضوع کو اجاگر کرتے ہیں اور اس کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

۲۔ کاغذ پر خاکہ بنائیں۔

غور کرنے پر جو پہلو آپ کے ذہن میں آرہے ہیں انہیں موضوع کے اوپر نیچے، دائیں بائیں،

اطراف میں اور سائیڈوں پر دائرہ کھینچ کر اشارات کی صورت میں لکھتے آئیں۔ اور ایک نقشہ یا خاکہ بنالیں جیسے آپ کو "عظمت قرآن" کے موضوع پر تقریر کرنی ہے تو غور کریں کہ وہ کون کون سے پہلو ہیں جن سے قرآن پاک کے عظمت پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

ان تمام پہلوؤں کو مرکزی موضوع کے آس پاس مختلف دائروں میں بند کر دیں۔ غرض یہ کہ ایک موضوع کے جس قدر پہلو آپ کے سامنے آرہے ہیں فی الوقت انہیں نوٹ کرلیں تاکہ کوئی پہلو رہ نہ جائے۔ بعد میں مجمع کی ضرورت، حالات اور وقت کے مطابق اہم اور غیر اہم پہلوؤں کی تحدید کر دی جائے گی۔

۳۔ مقامِ خطاب پر غور کریں۔

جب اس کام سے فارغ ہو جائیں تو اب یہ سوچیں کہ آپ کو تقریر کہاں کرنی ہے؟ گاؤں میں یا شہر میں؟! اگر شہر میں کرنی ہے تو پوش علاقے میں یا مضافات میں؟ جو لوگ پروگرام منعقد کروا رہے ہیں ان کا حلقہ مختصر ہے یا وسیع ہے، نیز اس حلقے میں منتظمین کا اثر ورسوخ کس قدر ہے۔ جب آپ ان سوالات پر غور کریں گے تو آپ کافی حد تک سمجھ جائیں گے کہ سامنے مجمع کس طرح کا ہوگا۔ اگر گاؤں میں تقریر ہے تو ظاہر بات ہے آپ کے سامنے ناخواندہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی عام تعلیم یافتہ کم اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بہت کم لوگ ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کوئی بھی نہ ہو، اور اگر جلسہ شہر میں ہو رہا ہے تو اس میں عام تعلیم یافتہ لوگ زیادہ ہو سکتے ہیں۔ اگر پوش علاقے میں تقریر ہے اور موضوع عصرِ حاضر سے تعلق رکھتا ہے تو اعلیٰ تعلیم یافتہ مجمع زیادہ ہوگا۔

۴۔ عوام کی نفسیات پر غور کریں۔

جب آپ کو تقریر کے موضوع اور جلسے کی جگہ اور مقام کا علم ہو جائے گا تو اس سے آپ کو مجمع کی نفسیات کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہو جائے گا۔ اب آپ یہ سوچیں کہ میرے مخاطبین کس طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں، ان کی ذہنی سطح اور اس موضوع سے متعلق سابقہ معلومات کس حد تک ہو سکتی ہیں۔ اس بات کو سامنے رکھ کر موضوع کے مختلف پہلوؤں کی تحدید کریں یعنی گاؤں کے لوگ مرکزی موضوع کے کون کون سے پہلوؤں کو دلچسپی سے سننا چاہیں گے اور سمجھ سکیں گے۔ جن

پہلوؤں پر گاؤں کے لوگوں کی ذہن سازی ہو سکتی ہے ان پہلوؤں کو تقریر کا حصہ بنائیں بقیہ پہلوؤں کو چھوڑ دیں، البتہ ایک آدھ پہلو ایسا ضرور ہو جو پڑھے لکھے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی توجہ کا متقاضی ہو۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ یہ گاؤں علماء، اساتذہ، ڈاکٹر، سیاسی شخصیات یا شہروں میں نوکری کرنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کا آبائی گاؤں ہو اور جس دن آپ کی تقریر ہو وہ چھٹی کا دن ہو، یہ پڑھے لکھے لوگ چھٹی گزارنے اپنے آبائی گاؤں آئے ہوئے ہوں اور آپ کے خطاب کا اشتہار پڑھ کر یا اپنے کسی رشتے دار کی دعوت پر آپ کا خطاب سننے کے لیے جلسہ گاہ میں پہنچ جائیں۔

چنانچہ آپ کی تقریر میں ایک دو پہلو ایسے ضرور ہوں جو گاؤں دیہات کے ناخواندہ یا عام پڑھے لکھے افراد کے مزاج سے ہٹ کر صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے ہوں اور ان کو اصلاح اور ہدایت کے راستے پر گامزن کرنے کا سبب بن سکیں۔ اسی طرح جب آپ شہر میں تقریر کرنے جا رہے ہوں تو ان پہلوؤں کو اپنی تقریر کا حصہ بنائیں جو پڑھے لکھے آدمی کی توجہ اور دلچسپی کا باعث ہوں، البتہ آپ کی گفتگو میں کوئی واقعہ یا حصہ ایسا ضرور ہو جو گاؤں دیہات کے لوگوں کی نفسیات کے مطابق ہو۔

جب آپ مجمع کی نفسیات کو سامنے رکھ کر یہ طے کر چکے ہیں کہ مرکزی موضوع کے مختلف پہلوؤں میں سے کس کو بیان کرنا ہے اور کس کو چھوڑ دینا ہے تو اب یہ دیکھیں کہ آپ کے پاس تقریر کے لیے وقت کتنا ہے اور اس وقت میں آپ اجمالاً کتنے پہلوؤں پر بات کر سکتے ہیں، تفصیلاً کتنے پہلوؤں کو بیان کر سکتے ہیں اور ایک ایک دو دو جملوں میں اشارۃً کتنے پہلوؤں کی طرف کر سکتے ہیں۔ اب ان تمام پہلوؤں کی لسٹ بنالیں جن پر آپ کی تقریر مشتمل ہوگی۔ اگر آپ معروف خطیب ہیں تو ظاہر ہے آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کا بیان کس طرح کے لوگ زیادہ سنتے اور پسند کرتے ہیں۔ یوں آپ کو تقریر کی تیاری کے لیے زیادہ پریشانی نہیں اٹھانا پڑتی۔

تقریر کے لیے مواد کا حصول:

اس فہرست کو سامنے رکھ کر تین کام کریں۔

۱۔ مطالعہ کریں/ حاصل مطالعہ محفوظ کریں

۲۔ مشاہدہ کریں/ نتائج اخذ کریں

۳۔ تبادلہ خیال کریں/ اہم پوائنٹس پر غور کریں

۱۔ مطالعہ کریں/ حاصل مطالعہ محفوظ کریں:

اگر آپ دینی موضوع پر تقریر کر رہے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ آپ کو قرآن پاک کی تفسیر، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ و تابعین اور بزرگان دین کے اقوال و احوال اور واقعات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ لہٰذا ایک ایک پہلو کو لے کر "قرآن پاک کے انڈیکس" سے اس کی مناسبت سے آیات تلاش کریں۔ حدیث شریف یا مکتبہ شاملہ وغیرہ سے یا مختلف موضوعات پر ترجمہ اور تشریح کے ساتھ جمع کی گئی احادیث کی کتابوں سے اس پہلو کی مناسبت سے احادیث منتخب کرلیں۔

آج کل مارکیٹ میں ہمارے بزرگانِ دین کے ملفوظات، حکماء کے زریں اقوال اور مختلف تاریخی سبق آموز واقعات کی کتابیں عام ملتی ہیں۔ ان کتابوں سے اپنے موضوع کی مناسبت سے وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مستند واقعات حوالہ جات کے ساتھ نوٹ کرلیں۔ مطالعے کے لیے ہمیں ایسا طرز عمل اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ جب کہیں تقریر کا موقع آئے تو موضوع کا علم ہونے کے بعد مطالعہ شروع کیا جائے۔ مطالعہ تو خطیب کی غذا اور خطابت کی زندگی اور جوانی کا راز ہے۔ لہٰذا روزانہ کی بنیاد پر مطالعہ کرنا چاہیے۔ خدارا! اپنے مطالعے کو ضائع ہونے سے بچائیے۔ اسے محض ذہنی عیاشی اور دماغ کی وقتی تفریح نہ بنائیں بلکہ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں کتاب سے، اخبار سے، رسائل و جرائد سے انٹرنیٹ وغیرہ سے، پڑھ لینے کے بعد یہ سوچیں کہ اسے اپنی تقریر یا تحریر میں استعمال کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اگر کوئی واقعہ پڑھا ہے تو اس واقعے سے کیا سبق ملتا ہے؟ اس واقعے سے استدلال کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ یا متعلقہ موضوع پر اس سے شواہد کا کام کیسے لیا جاسکتا ہے؟ اس کے ذریعے لوگوں کی ذہن سازی کیسے کی جاسکتی ہے اور پیغام کیا دیا جاسکتا ہے؟ اب جو سبق یا پیغام آپ کے ذہن میں آرہا ہے اسے ایک عنوان کی صورت میں کتاب کے بین السطور یا حاشیے میں لکھ دیں۔ واقعے پڑھتے ہوئے جو خیالات آپ کے ذہن میں آرہے ہیں انہیں بھی نکات یا

اشارات کی صورت میں لکھتے جائیں۔

کچھ عرصے کے بعد آپ جب اپنے کیے ہوئے مطالعے کو مختلف عنوانات اور موضوعات کے تحت لا چکیں تو ایک رجسٹر لے کر اس مواد کو مرتب کر لیں۔ یہ زیادہ محنت طلب یا تھکا دینے والا کام نہیں ہے بس اتنا کیجیے کہ اپنے مطالعے پر آپ نے جتنے عنوانات لگائے ہیں ایک ایک عنوان کو مرکزی عنوان کے طور پر رجسٹر میں درج کرتے جائیں اور اس کے تحت جس کتاب، رسالے یا جریدے سے جو مواد آیات، احادیث، واقعات، تاریخ، فلسفے، ادب اور شاعری کی صورت میں آپ نے جو کچھ اخذ کیا ہے اسے صرف ایک ایک سطر کی سرخی میں لکھتے جائیں اور اس سرخی کے آگے ماخذ (کتاب) کا نام اور صفحہ نمبر تحریر کرتے جائیں، اس طرح کچھ ہی عرصے میں آپ کے پاس موضوعات کا انبار لگ جائے گا اور ایک ایک موضوع کو کئی کئی پہلوؤں سے پوری جامعیت کے ساتھ بیان کرنے کے لیے بہترین اور مستند مواد آپ کی دسترس میں ہوگا۔ یہ شکوہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا کہ تقریر کی تیاری کے لیے مواد کہاں سے حاصل کریں۔

۲۔ مشاہدہ کریں/نتائج اخذ کریں:

تقریر کی تیاری کرتے ہوئے جب آپ سامعین کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر مواد جمع کرتے ہیں تو اس سے آپ کے مقصد کی کامیابی کے ساتھ پورا ہونے کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ کامیاب مقرر وہی ہوتا ہے جو اپنی تقریر میں آخر تک سامعین کو متوجہ رکھتا ہے اور ہر ہر پہلو اور زاویہ فکر و کلام سے ابلاغ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ابلاغ کو مؤثر بنانے اور سامعین کی دلچسپی و توجہ کھینچنے کے لیے جہاں دوسرے مواد کی ضرورت ہوتی ہے وہیں مقرر کے ذاتی مشاہدات اور ان سے حاصل کردہ نتائج، اسباق اور استدلالات بھی انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ بیتی ہو یا جگ بیتی، آپ پر کوئی واقعہ گزرا یا کسی اور پر، مشاہدے کا بیان سامعین کے مزاج اور نفسیات پر جلد اثر انداز ہو کر ذہن میں قبولیت پا جاتا ہے۔ لوگ کتاب سے زیادہ اپنے اردگرد سے متاثر ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب ہم اپنے اردگرد سے مثال لیتے ہیں اور لوگوں کو کوئی بات سمجھاتے ہیں تو انہیں وہ بات جلد سمجھ آ جاتی ہے۔ چنانچہ کسی بھی موضوع پر تقریر تیار کرتے ہوئے کچھ کچھ مطالعہ

کریں اور ساتھ ساتھ یہ دیکھیں کہ دوسرے لوگ اس پر کیا سوچتے ہیں؟ اس بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ حالات، واقعات اور مشاہدات کا اس طرح تجزیہ کر کے جب آپ اس پر تبصرہ کرتے ہیں یا کوئی رائے قائم کرتے ہیں تو لوگ اس بات کو خاصی سنجیدگی سے لیتے اور اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ بالخصوص معاشرتی موضوعات میں ذاتی مشاہدات کی روشنی میں سماجی حالات کا تجزیہ اور مسائل کا حل کسی بھی وعظ، بیان، درس، خطاب یا تقریر کو پوری طرح مؤثر اور کامیاب بنا دیتا ہے۔

۳۔ تبادلہ خیال کریں/ اہم پوائنٹس پر غور کریں:

آپ کے بیان کی کامیابی صرف مطالعے اور مشاہدے پر ہی موقوف نہیں بلکہ تبادلہ خیال بھی کامیاب ابلاغ کے لیے بہت ضروری ہے۔ تبادلہ خیال اگر آپ کسی عام آدمی سے بھی کرتے ہیں تو اس عمل سے اس موضوع پر ایک آدمی کی سوچ سامنے آجاتی ہے۔ یہ سیدھا سادہ زاویہ فکر اس لیے بہت اہم ہے کہ اس کی روشنی میں آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ کسی خاص موضوع پر ایک سیدھے سادے اور عام آدمی کو کیسے قائل کرتا ہے۔ اس طرح مختلف تعلیمی پس منظر رکھنے والوں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے تبادلہ خیال کے بعد عین ممکن ہے موضوع سے متعلق بہت سے ایسے حقائق سامنے آئیں جن سے آپ پہلے واقف نہ ہوں، لیکن وہ لوگوں کے لیے ضرورت اور اہمیت کا درجہ رکھتے ہوں۔ لہٰذا تبادلہ خیال کے نتائج اور اس سے معلوم ہونے والے مسائل پر غور کرنے کے بعد جب آپ سامعین سے گفتگو کریں گے تو وہ آپ کے خطاب کو وقت کی ضرورت اور اس عہد کی آواز قرار دے سکتے ہیں۔

مواد کی ترتیب اور خاکہ سازی:

مرکزی موضوع کو مختلف پہلوؤں میں تقسیم کرنے کے بعد اور موضوع پر مطالعہ، مشاہدہ اور تبادلہ خیال کے بعد جو مواد حاصل ہوا اب اسے مرتب کرنے کا مرحلہ آچکا ہے۔ مواد کو ترتیب دیتے وقت ایک تو اس بات کا خیال رکھیں کہ مرکزی موضوع کا ہر پہلو ایک مستقل تقریر ہے جس پر آپ کو اپنے مطلوبہ کل وقت میں سے کچھ نہ کچھ وقت بولنا ہے۔ جب ہر پہلو ایک مستقل چھوٹی سی تقریر ہے تو ہر پہلو کے لیے موجود مواد کو ایک تقریر ہی کی طرح تین حصوں میں تقسیم کر دیجیے یعنی۔

☆ابتدائیہ ☆وسطانیہ ☆اختتامیہ

ابتدائیہ/ غیر روایتی:

ہر پہلو کے ابتدائیے میں ذیلی پہلو کا مرکزی پہلو سے ربط اور اہمیت اجاگر کریں۔ ادائیگی کے لحاظ سے ہر پہلو کا تعارف اس انداز میں ہو کہ اس خاص پہلو کا موضوع سخن متعین ہو جائے۔ ہر پہلو کا آغاز جاندار، زوردار، دلچسپ اور غیر روایتی انداز میں کریں۔ سامعین کو ہر پہلو کی طرف الگ الگ متوجہ کرنے کے لیے لہجہ بدلتے رہیں۔ یہ ابتدائیہ پوری تقریر کا نہیں ہے بلکہ تقریر میں موجود مختلف پہلوؤں کا ہے۔

وسطانیہ/ واضح اور مدلل:

ہر پہلو کے وسطانیہ میں آپ کے پاس اس خاص پہلو کی مناسبت سے آیات مبارکہ، حدیث شریف یا کوئی واقعہ ہوگا۔ ان تینوں کو اس طرح پیش کریں کہ وہ خاص پہلو اس آیت مبارکہ حدیث شریف یا واقعہ سے نہ صرف خوب اچھی طرح واضح ہو جائے بلکہ پوری طرح ثابت بھی ہو جائے۔

اختتامیہ/ نتیجہ خیز:

ہر پہلو کے اختتامیے میں پوری بات کا نتیجہ اخذ کر کے اسے مرکزی مضمون کے ساتھ منطبق کریں اور رابطے کی کڑی کے طور پر ایسا جملہ لائیں جس سے نیا آنے والا پہلو گزرے ہوئے پہلو کے نتیجے کے طور پر سامنے آئے اور پچھلا پہلو اگلے پہلو کا مقدمہ قرار پائے۔ اگر آپ نو آموز ہیں تو مواد کو مزید بہتر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی نامور خطیب کی تقریر ٹیپ ریکارڈر پر چلائیں اور کاغذ قلم سامنے رکھیں۔ اس کے ابلاغ پر پوری توجہ دیں اور اس بات پر غور کریں کہ وہ موضوع کو کس طرح کھولتا ہے۔ ابتداء میں کیا باتیں کرتا ہے۔ کس طرح کے الفاظ معانی اور جملوں کا استعمال کرتا ہے اپنے مفاہیم کے لیے کون سے لفظوں کا انتخاب کرتا ہے۔ اپنے مؤقف پر وہ جتنی باتیں کر رہا ہے ہر بات کی وضاحت میں کیا کیا چیزیں پیش کرتا ہے اور کس ترتیب سے پیش کرتا ہے۔ آپ صرف اس ترتیب کو نوٹ کر لیں اور اس کے الفاظ، مواد اور انداز کو لینے کے بجائے اس ترتیب پر

اپنے مواد کو اپنے انداز اور اپنے الفاظ میں پیش کریں۔

اسالیب اور لہجے:

ہر پہلو کے اسلوب اور مزاج کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ پھر اس کے مطابق صرف مواد کو ہی نہیں اپنی آواز اور لہجے کو بھی ترتیب دیں۔ آپ کی تقریر مختلف پھولوں سے سجا ایک گلدستہ یا مختلف موتیوں سے پرویا ہوا ایک ہار ہے۔ آپ اپنے موضوع پر جب بھی کوئی موتی اور پھول پیش کریں تو اس کے لہجے کی خوشبو اور رنگت دوسرے پھولوں اور موتیوں سے جدا ہونی چاہیے۔ ذیل میں مختلف اسالیب کے مطابق لہجے ترتیب دینے کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے۔

تاریخی اسلوب کا لہجہ:

ہر پہلو کا اسلوب مختلف ہوتا ہے۔ جب آپ مرکزی موضوع کے مختلف پہلوؤں کو ترتیب دے رہے ہیں تو کوشش کریں کہ ہر پہلو جداگانہ اسلوب کا حامل ہو۔ کسی پہلو کو آپ شاندار ماضی اور تاریخی واقعات کے تناظر میں بیان کریں۔ اس وقت لہجہ داستانوی، انداز رزمیہ اور لفظوں کا انتخاب ایسا ہو کہ جن کے نہ صرف معانی سے بلکہ صوتی آہنگ سے بھی جلال، شکوہ، رعب، دبدبہ، طنطنہ، یلغار اور تاریخی عظمت کا احساس پیدا ہو۔ آپ کی پوری گفتگو میں ایک شاہانہ، آمرانہ یا باغیانہ رنگ غالب ہو۔

فلسفیانہ اسلوب کا لہجہ:

کسی پہلو میں آپ اپنی بات فلسفیانہ انداز میں سمجھائیں تو اس کے لیے لہجہ خالصتاً مدرسانہ ہو۔ لفظوں اور جملوں سے صغریٰ، کبریٰ، نتیجہ، دعویٰ، دلیل، استدلال، تقریب تام، غرض ایک پوری منطقی ترتیب کا اظہار ہو، اور پوری گفتگو تجزیہ و تحلیل کا رنگ لیے ہوئے ہو۔

ناصحانہ اسلوب کا لہجہ:

کسی پہلو کو آپ ناصحانہ انداز میں پیش کریں تو اس وقت لہجہ مشفقانہ ہو۔ لفظوں کا انتخاب، جملوں کی ترتیب اور صوتی تاثرات ایسے ہوں جس سے سامعین کے دل میں آپ کی طرف سے

دوستی، محبت، خیرخواہی، بھلائی اور ہمدردی کا پیغام جائے۔

ادبی، سیاسی اور صحافتی اسلوب کا لہجہ:

اسی طرح جب کسی پہلو کو آپ ادب، سیاست اور صحافت کے تناظر میں پیش کریں گے تو ظاہر ہے اس وقت آپ کا لہجہ ادبی شان کے ساتھ ساتھ موقع کے مناسبت سے کہیں قدرے شوخی، کہیں ظرافت اور کہیں شاعرانہ رنگ لیے ہوئے ہوگا۔ الفاظ کا انتخاب اور جملوں کی پیش کش حالات حاضرہ کے تناظر میں ہوگی۔ جبکہ مفاہیم کی ادائیگی کے لیے شاعرانہ نثر، تجزیے، تبصرے، طنز اور تنقید سے بھی کام لیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ست رنگا پہلو ہے جس کا بیان لہجے کی رنگین اور سنگین دونوں اداؤں کا متقاضی ہے۔

ایک اہم بات:

آپ کسی بھی پہلو کو بیان کریں لیکن پوری تقریر میں استدلال، ادبی چاشنی اور خیرخواہی کا رنگ ضرور جھلکتا ہوا دکھائی دے۔ اس کے بغیر آپ کی تقریر کبھی غیر معمولی تقریر نہیں بن سکتی۔ ایک خطیب کس طرح اس اسلوب کا حامل بن کر معمولی سے غیر معمولی خطیب کا سفر طے کر سکتا ہے؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ حق پر مبنی فلسفیانہ افکار، حالات حاضرہ پر عصر حاضر سے واقفیت، شاعری بالخصوص انقلابی شاعری اور مختلف اصناف ادب کا مطالعہ اور کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کی جائے۔

الفاظ اور تہذیب:

تحریر ہو یا تقریر الفاظ کا انتخاب ہی اسے متاثر کن بناتا ہے۔ الفاظ کے انتخاب میں کبھی بھی غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ لکھنے اور بولنے سے پہلے ہر لفظ کو سوچ سمجھ کر چنا جائے۔ کیونکہ ہر لفظ کا ایک اثر ہوتا ہے جو انسانی ذہن، روح، شعور اور لاشعور کو متاثر کرتا ہے۔ لفظ کی حقیقت صرف اس قدر نہیں کہ وہ لکھنے میں بس ایک نقش اور بولنے میں اپنے مخرج سے ادا ہونے والی کوئی خاص آواز ہوتا ہے بلکہ لفظ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اس کے پیچھے ایک معنی ہوتا ہے، وہ معنی کسی خاص تہذیب، ثقافت، مذہب، علمیت اور مابعد الطبعیاتی اساس (Meata Physical Position) سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے لفظ محض خالی خولی لفظ نہیں ہوتا، بلکہ اپنی زبان

سے جڑی روایات، اقدار اور بولنے والوں کے رویوں کا نمائندہ بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی زبان سے کوئی لفظ نکلتا ہے تو صرف ایک لفظ ہی نہیں جاتا اس کے ساتھ ایک روایت بھی رخصت ہو جاتی ہے، اور جب اس کی جگہ پر کرنے کے لیے دوسری کسی زبان کا لفظ داخل ہوتا ہے تو صرف ایک لفظ ہی نہیں آتا بلکہ اس سے جڑی ایک روایت ہی ساتھ ہی چلی آتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ "جو منہ میں آئے اسے بول دینے کا نام نہیں" بلکہ یہ ایک "ذمہ داری" ہے، جسے بولنے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ تحریر ہو یا تقریر الفاظ کے انتخاب اور ادائیگی میں ہمیشہ اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ رہنا چاہیے اور ایسے لفظوں کا چناؤ کرنا چاہیے جو ہماری اپنی تہذیب، ثقافت اور روایت کے امین ہوں۔ الفاظ خیالات کا لباس ہیں۔ لہٰذا خطابت میں اپنے خیال کو پیش کرنے کے لیے بہترین لباس کا انتخاب کیجیے۔ اگر آپ کے مقاصد اعلیٰ اور مطالب ارفع ہیں تو ان کے لیے روکھے، پھیکے، عامیانہ یا بازاری الفاظ نہ تو درست تاثر پیدا کرتے ہیں، نہ سامعین کو متوجہ کرتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کے دلوں میں اتر کر انہیں قائل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ذیل میں الفاظ کے انتخاب اور استعمال کے حوالے سے ماہرین فن کے بیان کردہ کچھ ایسے اصول پیش کیے جا رہے ہیں جو زبان و بیان کی نزاکتوں کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ا۔ ذخیرۂ الفاظ:

کسی بھی مقرر، خطیب یا واعظ کے بیانات کے لیے ذخیرہ الفاظ کا ہونا نہایت اہمیت رکھتا ہے اور انہی کے بل بوتے پر ایک خطیب اپنی تقریر کو پروان چڑھاتا۔ بسا اوقات خیالات اور جذبات تو قابلِ رشک ہوتے ہیں لیکن انہیں بیان کرنے کے لیے اگر الفاظ ہی میسر نہ ہوں تو وہ سب بے جان سے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مقرر کے لیے ہر طرح کے مستعمل الفاظ سے آگاہ ہونا بے حد ضروری ہے، نیز وہ الفاظ کو برمحل اور برجستہ ادا کرنے کی صلاحیت بھی بھرپور رکھتا ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر لفظوں کے ذخیرے کا کوئی فائدہ نہیں۔

۲۔ متروک الفاظ:

ایک کامیاب خطیب کے لیے سب سے اہم بات یہ بھی جاتی ہے کہ وہ الفاظ کے چناؤ میں مہارت رکھتا ہو بایں طور کے کس مقام پر کون سا لفظ استعمال کیا جائے اور کس لفظ کو کون سی جگہ پر

لایا جائے۔ اس کے ساتھ اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جائے کہ عربی، فارسی اور اردو کے ایسے الفاظ ہرگز زبان پر نہ لائے جائیں، جن کا استعمال متروک ہو چکا ہو یا پھر لوگ ان کا معنی و مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں۔

۳۔ الفاظ کے قبیلے:

الفاظ کے گروہوں میں آپ کو بہت سے خاندانوں سے واسطہ پڑے گا، اس لیے ان میں سے ہر ایک سے جان پہچان کا ہونا بہت ضروری ہے۔ یعنی الفاظ کی ایک پوری دنیا ہے جس میں مختلف قبیلے آباد ہیں، جیسے: مترادفات، متقاربات، متقابلات، متضاد وغیرہ۔ اگر آپ کا تعلق ان تمام قبائل سے اچھا ہوگا تو آپ کی تقریر، گفتگو اور ہر بات مؤثر ہوگی جو فوراً قبول کرلی جائے گی۔ شرط صرف اتنی ہے کہ آپ کو تعلق نبھانا یعنی الفاظ کو موقع محل کے مطابق استعمال کرنا آتا ہو۔

۴۔ جذباتی الفاظ:

بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو بذات خود ہیجانِ عظیم برپا کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ہر لفظ کے پیچھے ایک تاریخی پس منظر ہوتا ہے۔ بسا اوقات اس منظر میں ایسے دردناک، المناک اور اذیت ناک واقعات سموئے ہوئے ہوتے ہیں جو ایک زندہ روح اور جسم میں کہرام برپا کر دیتے ہیں۔ ایسے الفاظ آدمی کو حال کے دریچوں سے کھینچ کر ماضی کی ان تلخ یادوں میں لے جاتے ہیں جہاں سے اس کا تعمیری سوچ، نئے ولولے اور نئے عزم کے ساتھ نیا جذبہ لے کر لوٹتا ہے۔ جیسے یہ الفاظ "غلامی کی زنجیریں، وطن کے غدار، عصمت دری، لہو رنگ داستان، کارروانِ جنوں، سرخی خوں، شہید کا گھرانہ، آنگن، چولہا، روٹی" وغیرہ وغیرہ۔ اسی وجہ سے اکثر خطبا و مقررین اپنی تقریروں میں تشبیہات و استعارات کا استعمال کرتے ہوئے وہ خاص الفاظ و اصطلاحات ذکر کرتے ہیں جو سامعین کے دل و دماغ پر گہرے اور دیرپا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔

۵۔ صوتی جامے:

جس طرح اعلیٰ اور خوب صورت خیال کو پیش کرنے کے لیے لفظی حسن کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح وہ الفاظ جو لوگوں کے ذہن کو جلا بخشتے ہیں، فکر کی بند گرہوں کو کھولتے ہیں اور جذبات میں

طلاطم برپا کرتے ہیں ان کو پیش کرنے کے لیے خوبصورت صوتی جامے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یاد رکھیے لفظوں کی ادائیگی کا ایک اپنا معیار اور ہر لفظ کا ایک خاص پیمانہ ہوتا ہے۔ کسی بھی لفظ کو (اس کی ادائیگی کے وقت) اگر وہ مقام اور وہ سانچہ نہ دیا جائے جس کے تحت اس کی پرورش ہوئی ہے تو وہ لفظ ایک مہمل آواز بن کر صرف ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے، بلکہ سامعین کے ذہن میں انتشار بھی پیدا کرتا ہے۔ اس لیے جو لفظ جس لہجے، آواز اور آہنگ کا تقاضا کرتا ہے اسے اسی ساخت اور تقاضے کے مطابق ادا کیا جائے تو پھر وہ اپنا جادو دکھاتا ہے۔

۶۔ تصویر بنانے والے الفاظ:

تقریر کو دلچسپ بنانے کی یوں تو بے شمار تکنیکیں استعمال کی جاسکتی ہیں، البتہ ان میں سے ایک اہم یہ ہے کہ آپ الفاظ کے ذریعے تصویر کشی کریں اور اس انداز سے کریں کہ سامعین محو ہوئے بنا رہ نہ پائیں۔ جس طرح تصاویر اور نقوش بولتے ہیں اسی طرح الفاظ بھی ایک زبان رکھتے ہیں۔ اسی لیے اپنے سامعین کی تمام تر توجہ وہی خطیب اور مقرر حاصل کر پاتا ہے جو دوران گفتگو جذبات نگاری کے ساتھ ساتھ منظر نگاری پر بھی کامل دسترس رکھتا ہو۔ یعنی الفاظ کی مدد سے سامعین کی آنکھوں کے سامنے تقریر کے ہر پہلو کی تصویر پیش کر سکتا ہو۔

۷۔ لفظوں کی داستان:

خطیب کے لیے لغت کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔ کسی لفظ کے معنی معلوم کرنے کے علاوہ اس لیے بھی لغت دیکھیں کہ اس لفظ سے اور کتنے لفظ نکلتے ہیں؟ وہ لفظ کہاں سے نکلا ہے؟ کس زبان کا ہے؟ اس کی تاریخ اور صحیح استعمال کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ خیال کبھی ذہن میں نہ لائیں کہ الفاظ بے کیف اور بے جان اشیاء ہوتے ہیں۔ وہ پر رنگ ہوتے ہیں اور ان میں زندگی کی رمق ہوتی ہے۔

۸۔ لفظ کا انتخاب اور تلفظ:

اردو گفتگو اور تقریر کے فن میں مہارت حاصل کرنے کے لیے تلفظ کی درستی نہایت ضروری ہے۔ چونکہ اردو کی تشکیل میں عربی اور فارسی کو بڑا دخل ہے، اس لیے ان دونوں زبانوں سے کچھ نہ کچھ واقف ہونا ایک لازمی امر ہے۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اکثر حضرات اگرچہ زبان پر اچھا خاصا

عبور رکھتے ہیں، لیکن عام گفتگو یا کسی جلسے میں تقریر کرتے وقت ادائے تلفظ میں غلطی کر جاتے ہیں جس کی وجہ سے خطیب کی قابلیت کا سامعین پر زیادہ اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے الفاظ کے چناؤ کے ساتھ ساتھ اس کے تلفظ کی ادائیگی میں بھی نہایت احتیاط برتی چاہیے۔

فرض کریں ایک عالم دین منبر سے بہت علمی گفتگو فرما رہے ہیں لیکن ان کے لہجے پر مادری زبان کا رنگ غالب ہے اور اردو کا تلفظ بھی ٹھیک نہیں تو سامنے بیٹھا ہوا آدمی جس کی پوری تعلیم اردو اور انگریزی میں ہوئی وہ اس کو بہت بڑا عیب شمار کر سکتا ہے اور اس بنا پر کسی بھی عالم دین کی ناقدری کر سکتا ہے۔ وہ سوچ سکتا ہے کہ اس طرح کی ٹوٹی پھوٹی اردو تو محنت مزدوری کرنے والے ان پڑھ دیہاتی مزدور بولتے ہیں۔ میں تو مولانا صاحب کے مقابلے میں بہت اچھی اردو بولتا ہوں۔ انہیں کیا آتا ہے؟ یہ معاملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی دینی مدرسے میں یونیورسٹی کا کوئی بہت بڑا پروفیسر بیان کرنے آئے اور عربی عبارت پڑھتے ہوئے اعراب یا صیغے کی غلطی کر ڈالے تو درجہ اولیٰ کا طالب علم بھی پروفیسر صاحب کی غلط عبارت خوانی کے باعث ان پر اعتراض کر سکتا ہے اور یہ سوچ سکتا ہے کہ حضرت کو میرے مقابلے میں کیا آتا ہے؟ چنانچہ الفاظ کے تلفظ کا معاملہ بہت حساس ہے۔ اسے معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔

تکیہ کلام:

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ دوران گفتگو کوئی ایک جملہ یا کچھ خاص الفاظ بار بار دہراتے رہتے ہیں۔ آپ کو ضرور ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہوگا جن کے کلام میں ''جو ہے نہ'' ''مقصد یہ ہے'' ''مطلب یہ ہے کہ'' ''یعنی کہ'' ''خاص کر'' ''علیٰ ھذا القیاس'' جیسے لفظوں کا تکرار ہوتا ہے۔ اسے تکیہ کلام کہا جاتا ہے۔ تکیہ کا مطلب ہے سہارا لینا۔ گویا تکیہ کلام کے ذریعہ آدمی اپنی بات کے دوران کسی چیز کا سہارا لے کر چل رہا ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے یہ کلام پر قدرت کی نہیں کمزوری کی علامت ہے۔

کسی آدمی کا تکیہ کلام، عام طور پر اس وقت بنتا ہے جب اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ کم ہوتا ہے۔ اور تعبیرات بھی زیادہ نہیں ہوتیں۔ چنانچہ دوران کلام جہاں تعبیر میں مشکل پیش آتی ہے یا

مطلوبہ الفاظ نہیں مل رہے ہوتے تو اس کی تان اپنے مخصوص تکیہ کلام پر آ کر ٹوٹتی ہے، جو اس کے لڑ کھڑاتے ہوئے کلام کو سہارا دے کر پھر اس کو رواں کر دیتا ہے۔ یہ عادت ایسی پختہ ہو جاتی ہے کہ بعد میں اگر تعبیرات یا ذخیرہ الفاظ کا مسئلہ ختم بھی ہو جائے پھر بھی آدمی اپنے مخصوص لفظوں یا جملوں کو دوران گفتگو بار بار دہراتا رہتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا۔ سامعین پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ خطابت میں لوگ بہت صاف ستھری، اجلی، اور نکھری ہوئی گفتگو سننا چاہتے ہیں لیکن تکیہ کلام کی بھرمار انہیں اکتاہٹ میں مبتلا کر دیتی ہے۔ سامعین معنی خیز بات سننے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں جبکہ یہ بے معنی کلام خطیب کے خوبصورت ابلاغ میں بار بار آ کر رکاوٹ ڈال دیتا ہے۔ اس سے بات کا لطف خراب ہو جاتا ہے اور کلام کا حسن گہنا جاتا ہے۔

سامعین جن لفظوں کی یکسانیت سے اکتا کر انہیں سننا ہی نہیں چاہتے، ہم وہ الفاظ ایک بار نہیں، انہیں بار بار سنوار رہے ہوں، تو سننے والے کا حال کیا ہوگا؟ لہٰذا تکیہ کلام خطیب اور متکلم کا جانی دشمن ہے۔ اس سے پیچھا چھڑانا بہت ضروری ہے۔ جو آدمی تکلم کے اس عیب میں مبتلا ہو وہ اپنے دوستوں اور اہل خانہ سے کہے کہ کچھ دنوں تک اسے بار بار ٹوکتے رہیں۔ یوں اس آدمی کا ذہن بیدار رہے گا اور بولتے ہوئے وہ پھسلے گا نہیں۔ امید ہے کہ اس طرح تکیہ کلام سے چھٹکارا نصیب ہو جائے گا۔

اسٹیج:

خطابت کے ماہرین کے خیال میں اسٹیج کے حوالے سے کم از کم دو چیزوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

☆ روشنی ☆ حرکات و سکنات

روشنی:

اسٹیج پر لوگ آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں، آپ کے اعضا کی مختلف حرکتیں آپ کی شخصیت کا ایک حصہ ہیں اور ابلاغ میں آپ کی مددگار ہیں۔ بعض اوقات یہ حرکات آپ کے الفاظ سے زیادہ معنی دیتی ہیں۔ لہٰذا اگر آپ روشنی کے عین نیچے کھڑے ہوں گے تو یہ یقیناً آپ کے چہرے پر پڑے

گی۔ تقریر شروع کرنے سے پہلے ایسی جگہ کا انتخاب آپ کی عقلمندی کو ظاہر کرتا ہے اور آپ کو اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے بہتر مواقع فراہم کرتا ہے۔

حرکات وسکنات:

اسٹیج پر اپنے آپ کو ذہنی اور جسمانی طور پر کنٹرول کریں۔ جب آپ سامعین سے خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوں تو شروع کرنے میں جلدی نہ کریں۔ گہرا سانس لیں۔ ابتدا کرنے سے پہلے سامعین کی حرکات پر ایک نظر ڈالیں اور اگر ہال میں شور ہو رہا ہو یا کوئی اور گڑ بڑ ہو تو خاموشی چھا جانے کا انتظار کریں۔ سینہ چوڑا رکھیں۔ ایک اشارے کو بار بار نہ دہرائیں۔ کہنی سے چھوٹی چھوٹی حرکات نہ کریں۔ اسٹیج پر کندھے کی حرکات زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ اپنے اشارے کو بہت جلد نہ ختم کریں اگر آپ اپنی سوچ کو ذہن نشین کروانے کے لیے شہادت کی انگلی استعمال کر رہے ہیں تو اسے پورے جملے تک حرکت دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں اور اگر آپ نشست پر جلوہ افروز ہیں تو متانت اور سنجیدگی کا خیال رکھیں۔ لاشعوری طور پر بھی کوئی ایسی کوئی حرکت یا کھجلی مت کریں جو آپ کے شخصیت کے خلاف برا تاثر قائم کرے۔

مجمع کی نفسیات:

مقرر کو چاہیے کہ تقریر کرنے سے پہلے مجمع کی نفسیات کے حوالے سے مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرے کیونکہ یہ باتیں سامعین کے ذہنوں کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

لوگوں کی نفسیات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ پروگرام کیا ہے؟ کہاں ہے اور کیسے ہے؟ شہر کے مرکز میں ہے، مضافات میں ہے یا دیہات میں ہے۔ اگر شہر میں ہے، تو شہر بڑا ہے یا چھوٹا، ترقی یافتہ ہے یا پسماندہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کی نفسیات پر ان کے خطے، علاقے اور ماحول کا اثر ہوتا ہے۔

صنعتی اور جدید شہری لوگوں کی نفسیات:

اگر پروگرام کسی صنعتی اور بڑے شہر کے مرکز میں ہے یعنی بیچ شہر منعقد ہو رہا ہے تو وہاں عموماً تعلیمی ادارے، مدارس، اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں ہوتی ہیں۔ پڑھے لکھے اور جدید تعلیم یافتہ

لوگ رہتے ہیں۔ انھیں علم و ادب سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اخبارات، رسائل، جرائد، انٹرنیٹ اور کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ میڈیا کے پروگرام بھی دیکھتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ بھی ایسے ہی لوگوں کو ٹارگٹ کرتے ہیں اور انھیں مذہب پرستی کی بجائے کنزیومرازم اور مغرب پرستی کی طرف لے آتے ہیں۔ بالخصوص ٹی وی کے ٹاک شوز دیکھنے اور جدت پسند اسکالروں کی گفتگو سننے کے باعث علما اور دین کے حوالے سے جدید شہری لوگوں کے ذہن معاندانہ بلکہ کافی حد تک باغیانہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ انھیں پیار سے، معلومات سے، اعداد و شمار سے، مغربی معاشرے کی ناہمواریوں اور مذہب کو چھوڑنے کی وجہ سے وہاں پیدا ہونے والی خرابیوں اور دشواریوں کے واقعات سنائے جائیں۔ کوئی بات بلا حوالہ نہ کہی جائے۔

انھیں بتایا جائے کہ مغربی تہذیب و کلچر کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہماری معاشرتی قدریں کیسے ختم ہو رہی ہیں۔ ایسے علاقوں میں اصلاحی موضوعات مثلاً والدین کے حقوق، اولاد کی تربیت، میاں بیوی کے حقوق و فرائض، خاندان کی اہمیت، رشتوں کا احترام، حفظ مراتب وغیرہ جیسے موضوعات پر بات یا سیرت کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل جیسے عنوانات بہت توجہ اور دلچسپی سے سنے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں ایسے واقعات بیان کیے جائیں مثلاً مغرب میں نکاح کا بندھن ٹوٹنے سے خاندان کا نظام کس طرح تباہ ہو رہا ہے۔ والدین کے حقوق ادا کرنے کے بجائے انھیں اولڈ ہوم میں داخل کروانے کے نتیجے میں وہ کس طرح کی زیادتیوں اور مظالم کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کی تربیت کے حوالے سے مغرب کی نقالی کر رہے ہیں لیکن وہاں تعلیمی اداروں میں بڑھتے ہوئے تشدد کے رجحان اور قتل و غارت نے معاشرے کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔

جدید شہروں کی مادہ پرست ذہنیت اور میڈیا سے متاثر سیکولر سوچ کے لیے لب و لہجہ، قوت استدلال، صاف ستھری شائستہ اور ادبی زبان، جاندار معلومات، اعداد و شمار اور ہر بات کے درمیان تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے رابطے کی کڑی لانا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نتیجہ خیز اختتام اور معنی خیز پیغام کا خیال کرنا از حد ضروری ہے۔

دیہات کے لوگوں کی نفسیات:

پروگرام اگر دیہات میں ہے تو ایسے لوگ سادہ طرزِ زندگی حامل ہوتے ہیں۔ فطرت کے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ لوگ مذہبی رجحان رکھتے ہیں۔ انہیں لَے کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت، صوفیانہ شاعری، لوک کہانیاں، داستانیں، حکایتیں اور لطائف سننے کا شوق ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے علاقوں میں ترنم سے خطاب کرنے اور واقعات سنانے والے خطیب زیادہ کامیاب ہوتے ہیں یا پُر تسلسل کے ساتھ گرجدار آواز میں رنگ جمانے والا خطیب میدان مار لیتا ہے۔

مضافات کے لوگوں کی نفسیات:

اگر پروگرام بڑے شہر کے مضافات یا کسی چھوٹے شہر میں ہو تو ایسی جگہ ملا جلا مجمع ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کی تقریر کو گلدستہ ہونا چاہیے جس میں شہر اور دیہات، پڑھے لکھے، نیم خواندہ اور نا خواندہ، معاشرے کے تمام افراد کی ذہنی سطح کے مطابق مواد ترتیب دیا ہوا ہو۔

بدن بولی:

سامعین مقرر کی کہی ہوئی بات کا مفہوم صرف الفاظ سے نہیں، اس کی حرکات و سکنات سے بھی اخذ کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ خطابت کرتے ہوئے آپ کی بدن بولی آپ کی گفتگو کے مفہوم اور مزاج کو نہ صرف منعکس کر رہی ہو بلکہ خوب واضح بھی کر رہی ہو۔ وگرنہ آپ کچھ کہنا چاہیں گے اور آپ کا وجود کچھ اور کہہ رہا ہوگا۔ لہٰذا خطابت اور گفتگو میں باڈی لینگویج کا ضرور خیال رکھیں۔ باڈی لینگویج میں مندرجہ ذیل اعضاء کا کردار نمایاں ہوتا ہے۔

☆ چہرہ:

خطابت کے دوران اپنی تقریر میں جان ڈالنے اور لوگوں کو اپنے موقف کی طاقت سے آگاہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے احساسات کو چہرے پر منعکس کرتے رہیں۔ اس کے لیے اداکاری کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے موضوع کو اپنے اوپر طاری کر لیں اور اپنے سامعین کے حوالے سے مخلصانہ سوچ رکھیں۔ ان کے درد کو اپنا درد سمجھ کر پوری ہمدردی، خلوص اور سوزِ دل کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ آپ کا چہرہ خود بخود آپ کے اندر کی تصویر بن کر آپ کے

احساسات کے رنگ لوگوں کے دل و دماغ پر چھوڑنا شروع کردے گا۔

ہاتھ:

اپنے ہاتھوں کو غیر شعوری طور پر استعمال کریں۔ اس طرح آپ کی حرکات و سکنات فطری رنگ لے آئیں گی۔ البتہ اگر آپ نوآموز ہیں اور خطابت کے سفر کا آغاز کرنا چاہتے ہیں تو پھر لفظوں اور جملوں کے موافق ہاتھوں کی حرکات کی مشق کرتے رہیں تاکہ آپ کے ہاتھ کھل جائیں۔ جب آپ بے تکلف اپنی گفتگو میں ہاتھوں کو حرکت دے سکتے ہیں تو پھر مخصوص اشاروں اور حرکات و سکنات سے ہاتھوں کو آزاد کردیں اور دوران گفتگو لاشعوری طور پر انہیں متحرک ہونے دیں۔

یاد رکھیے! ہمارا دماغ ہاتھوں پر امتیازی توجہ مرکوز رکھتا ہے، لہٰذا دنیا بھر کے کرتب بازوں، جادوگروں اور عظیم مقرروں نے ہاتھوں کی حرکات کے ذریعے اپنے فن کے مظاہرے کو زیادہ پُر جوش اور دلچسپ بنا کر بے پناہ کامیابیاں سمیٹی ہیں۔ لوگ ہاتھوں کی مؤثر حرکات پر مثبت ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ باڈی لینگویج کے مغربی ماہرین کے مطابق اگر آپ اپنی خطابت کے فن کو زیادہ مؤثر بنانا چاہتے ہیں، یا گھر، دفتر حتیٰ کہ دوستوں کے حلقے میں بھی اپنی بات منوانا چاہتے ہیں تو اپنے موقف کے ابلاغ میں ہاتھوں کی حرکات کا استعمال زیادہ سے زیادہ بڑھائیے۔

بعض افراد اپنے ہاتھوں کے اشاروں کے ذریعے اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے ہنر میں قدرتی طور پر مہارت رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا تحفہ ہے جس کے لیے انہیں زیادہ سوچ وبچار کرنے یا سیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی، تاہم کچھ دیگر لوگوں کو اس فن میں مہارت حاصل کرنے کے لیے یکسوئی سے کوشش کرنے اور باقاعدہ تربیت حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، خواہ آپ قدرتی طور پر اپنے ہاتھوں کی زبان کے ذریعے بات کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔ یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ہم دانستہ یا نادانستہ طور پر ہر وقت اپنے ہاتھوں کے اشاروں کے ذریعے دوسروں کو پیغام دے رہے ہوتے ہیں۔

تاریخ کے مشاہدے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں زیادہ تر کامیاب مقرر اپنے خیالات اور

جذبات بھرپور انداز میں حاضرین اور ناظرین تک پہنچانے کے لیے اپنے ہاتھوں کا انتہائی مہارت سے استعمال کرتے تھے۔ نازی جرمنی کا فاشسٹ ڈکٹیٹر ایڈولف ہٹلر اپنے نظریات کے بہترین ابلاغ اور اپنی قوت اظہار کو بہتر بنانے کے لیے اپنے ہاتھوں کو مہارت سے استعمال کرنے کی سب سے نمایاں مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہٹلر کی دو تصویریں موجود ہیں جن میں وہ تقریر کے دوران ہاتھوں کے اشارے استعمال کرنے کی مشق کرتے دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی مشق کے نتیجے میں وہ بالآخر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اس کے ہاتھ کے اشارے پر لاکھوں کا مجمع جوش و جذبے سے بے قابو ہونے لگتا تھا اور پھر اپنے لیڈر کے ہاتھ کی ایک جنبش پر وہ سب پتھر کے مجسموں کی طرح خاموش اور ساکت ہو جاتے تھے۔ پھر ایسے ہی ایک مجمع میں جب اس نے ایک غضبناک انداز میں ہاتھ جھٹکتے ہوئے تقریباً پوری دنیا کے خلاف اعلان جنگ کیا تو سب نے ذرا بھی چوں چراں کیے بغیر اس کی تائید کر دی۔

آنکھیں:

آنکھیں ابلاغ کا اہم ترین ذریعہ اور معاون ہیں۔ اس لیے براہ راست سامعین کے چہروں کو اپنی نظروں سے نوازیں۔ ایک ہی جگہ یا ایک ہی شخص کو مسلسل اپنی نظروں کا مرکز مت بنائیں بلکہ نظروں کا رخ اور زاویہ بدلتے رہیں۔ ہر تین چار سیکنڈ کے بعد ایک شخص سے دوسرے شخص کو دیکھیں۔ اس سے سامعین اور خطیب کے درمیان ایک دوستانہ تعلق پیدا ہوتا ہے۔ سامع یہ جان کر خوشی محسوس کرتا ہے کہ آپ اسے توجہ دے رہے ہیں اور اسے اپنے مخاطبین میں سے سمجھتے ہیں لیکن اگر آپ نو آموز ہیں تو سامعین سے آنکھیں چار کرنے کی ضرورت نہیں عین ممکن ہے مجمع کی آنکھوں سے آنے والا جوابی پیغام آپ کے اعتماد متزلزل کر دے اور آپ تقریر ہی بھول جائیں۔

بازو اور دھڑ:

بازو اور دھڑ کی حرکات برمحل خفیف بے تکلفانہ اور فطری ہونی چاہیں۔ آپ کا سر اور سینہ دائیں بائیں مجمع کی طرف 25 فی صد گھومے اور سامنے کی جانب 50 فی صد رہنا چاہیے۔ لیکن اس میں بے تکلفی اور بے ساختگی ہو۔ بدن بولی اس وقت اپنا اثر دکھاتی ہے جب مقرر اپنے احساسات میں

اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس کی حرکات و سکنات کیا رخ اختیار کر رہی ہیں۔ یہی بے ساختگی کی حامل بدن بولی الفاظ کے ساتھ ساتھ سامعین تک مفاہیم کے ابلاغ کو معاون کے طور پر ممکن بنا رہی ہوتی ہے۔

دوران تقریر سانس پر گرفت مضبوط رکھیے!

کوئی بھی خطیب اس وقت تک مجمع پر سحر طاری کر کے اپنے فن کے جوہر نہیں دکھا سکتا جب تک اسے اپنے سانس پر مکمل کنٹرول نہ ہو۔ تقریر کا سارا حسن، روانی اور زور اسی سے وابستہ ہے۔ تقریر کی مثال ایک جنگ کی سی ہے۔ خطیب اس جنگ کا وہ مجاہد ہے جسے صرف پیچھے ہٹ کر دفاع ہی نہیں کرنا، بلکہ آگے بڑھ بڑھ کر وار بھی کرنے ہیں۔

چنانچہ لفظوں کی جنگ میں آگے بڑھنے اور باطل پر چڑھ کر حملہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مقرر کا دم پہلے سے پکا ہوا ہو۔ بالکل اس پہلوان کی طرح جو 'رستم کا ٹائٹل' جیتنے کے لیے مقابلے سے پہلے شب و روز محنت کر کے اکھاڑے میں ورزش کرتا ہے اور اپنا دم پکا تا ہے۔

دم کی تازگی اور پختگی کا ہی اثر تھا کہ لوگ ساری ساری رات امیر شریعت سید عطا ءاللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کا خطاب سنتے۔ خطاب کے آخری لمحات میں بھی انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے "شاہ جی" ابھی بولنے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔ مختصر یہ کہ سانس پر کنٹرول حاصل کیے بغیر ایک مقرر کی تقریر، ایک واعظ کا وعظ یا ایک خطیب کا خطاب قطعی بے تاثر، بے زار اور فنی اعتبار سے ناکام ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ بھی سانس کا مسئلہ ہے، یعنی دوران تقریر جب بھی جوش خروش کے ساتھ کچھ دیر تک مسلسل اس طرح بولنے کا موقع آتا ہے، تو عین اسی لمحے سانس آپ کے قابو میں نہیں رہتی، یا اکھڑنے لگتی ہے۔ یا آپ چند ہی لمحوں کی ادائیگی کے بعد کانپنے لگتے ہیں اور آپ کا منہ خشک ہونے لگتا ہے تو گھبرائیے مت! مشق، محنت اور تربیت سے اس خامی پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔

لیکن سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ سانس کا مسئلہ کسی جسمانی بیماری کی وجہ سے تو نہیں۔ مثلاً آپ کا وزن تو نہیں بڑھ گیا؟ کیونکہ موٹاپے سے بھی سانس پھولنے لگتا ہے، جس سے خطابت کے

چاند کو گہن لگ جاتا ہے۔ تو موٹاپے سے بچنے کے لیے دو سفید چیزوں اور ان سے بنی اشیاء سے پرہیز کریں، یعنی چینی اور میدہ۔ بڑھا ہوا پیٹ ویسے بھی آدمی کی شخصیت کو تباہ کر دیتا ہے۔ یا کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کے پھیپھڑے کمزور ہوں۔ اگر پھیپھڑوں کا مسئلہ ہے تو انہیں طاقت ور، تندرست و توانا بنانے کے لیے صبح کی سیر بہت مفید ہے۔ چلتے ہوئے یکھ دیا اگر آپ منہ بند کر کے صرف ناک سے سانس لینے کی مشق کرتے ہیں، تو اس سے بھی آپ کا دم پختہ ہونا شروع ہو جائے گا۔ روزانہ فجر کی اذان کے بعد آپ صحن یا چمن میں جا کر چند منٹ ہی سہی، لمبے لمبے سانس لینے کی مشق کرتے ہیں تو یہ طریقہ بھی مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس دوران سانس اندر لیتے ہوئے بازوؤں کو بھی اوپر اٹھائیں، یہاں تک کہ بازو بھی کندھوں کے برابر سیدھ میں آجائیں اور پھر سانس باہر نکالتے ہوئے آہستہ آہستہ دوبارہ رانوں کے ساتھ آلگیں۔

سانس پر کنٹرول مگر کیسے؟

ذیل میں کچھ ایسے طریقے بیان کیے جا رہے ہیں جنہیں اپنا کر سانس کے مسئلے پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

☆ تقریر کے دوران اگر آپ اپنی چھاتی کو ابھار کر رکھتے ہیں تو اس سے نہ صرف آپ پر اعتماد دکھائی دیں گے، بلکہ سانس کی آمد و رفت کا عمل بھی درست رہے گا۔

☆ دوران تقریر سانس خارج کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھیے کہ جملے کے اختتام پر بھی آپ کا نصف سانس بچا ہوا ہو۔ اگر آپ ایک ہی دفعہ میں پھیپھڑوں سے ساری ہوا نکال دیں گے تو پھیپھڑے سکڑ جائیں گے، اور آپ کو مخارج تکلم پر بہت زیادہ زور ڈال کر وقف کرنا پڑے گا جس کے نتیجے میں آخری الفاظ کچلے جائیں گے اور ادا کرتے ہوئے محسوس ہوں گے۔ یوں جملے کا اختتام انتہائی بھدے انداز میں ہوگا۔

☆ نہ تو بہت سارے الفاظ ایک ہی سانس میں ادا کرنے کی کوشش کریں، اور نہ ہی ایک ایک لفظ کے بعد سانس لینا شروع کر دیں۔ ابتداء مشق میں لفظوں اور جملوں کی سانس کے ساتھ ایسی بندش کریں کہ تقریر کی فطری روانی اور بہاؤ بھی برقرار رہے، ساتھ ساتھ سانس لینے کے لیے مناسب موقع بھی ملتا رہے۔

☆ تقریر کے دوران سانس لینے کا عمل قدرتی محسوس ہو۔ نہ تو سانس اس قدر کمزور ہو کہ پوری تقریر کسی منی بس کی طرح بے موقع اسٹاپ کرتی رہے، اور نہ ہی سانس پر اس درجہ کنٹرول اور تصنع ہو کہ لوگ سمجھیں شاید کوئی مشین چل رہی ہے۔

آواز کے طبی مسائل اور ان کا حل:

بعض مرتبہ خطیب کو آواز کے حوالے سے پریشان کن صورت حال کا اچانک سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس نے کہیں بیان یا خطاب کے لیے وقت دیا ہوا ہوتا ہے، مگر اچانک اس کا گلہ خراب ہو جاتا ہے اور آواز بند ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ ڈاکٹر صاحبان اور طبیب حضرات بھی اسے کئی دن کے لیے بولنے سے منع کر دیتے ہیں، ایسے میں دعوت اور تبلیغ کے کام میں رکاوٹ پیش آ جاتی ہے۔ خطیب اپنے مقام پر بیان کے لیے نہیں جا سکتا حالانکہ اس جگہ عوام الناس کی اصلاح اور ان کے عقیدے اور ایمان کی حفاظت کے لیے اس کا پہنچنا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پریشانی سے بچنے کے لیے ذیل میں چند ایسے نسخے دیے جاتے ہیں جن کے استعمال سے آواز کے ان مسائل سے نمٹا جا سکتا ہے۔ اگر مریض ہومیوپیتھک یا ایلوپیتھک علاج کر رہا ہے تو ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اسے بھی جاری رکھے اور ان نسخوں کو بھی استعمال کرتا رہے تو فوری فائدہ ہوگا اور کسی قسم کا نقصان یا ردِعمل نہ ہوگا۔

۱۔ گرم پانی میں تھوڑا سا نمک ملا کر صبح و شام غرارے کرنا مفید ہے۔ شام کو بستر پر جانے سے پہلے غرارے کرنے چاہئیں۔

۲۔ ادرک کے رس میں شہد ملا کر چاٹنے سے آواز کھل جاتی ہے۔

۳۔ اگر گلا سردی یا کھٹی چیزیں استعمال کرنے سے بیٹھ گیا ہو تو ہر آدھے گھنٹے بعد آدھی چمچی ادرک کا رس پیتے رہنے سے بیٹھا ہوا گلا ٹھیک ہو جائے گا۔

۴۔ گرم پانی میں لہسن ابال کر غرارے کرنا فائدہ مند رہتا ہے۔

۵۔ کالی مرچ پیس کر گھی میں ملا لیں ہر بار کھانا کھانے کے بعد پی لیا کریں، مؤثر رہتا ہے۔

۶۔ مولی کے بیج پیس کر نیم گرم پانی سے پھانک لینے سے گلا صاف ہو جاتا ہے، آواز کھل

جاتی ہے۔

۷۔ شلجم لے کر پانی میں ابالیں۔ چھان کر پانی میں چینی ملا کر پینے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔

۸۔ صبح سویرے 12 عدد جو چبا کر نگل لیں، آواز صاف ہو جاتی ہے

۹۔ تازہ یا گرم پانی میں لیموں نچوڑ کر تھوڑا سا نمک ملا لیں۔ صبح سویرے اور رات کو سونے سے پہلے غرارے کرنا مفید ہے۔ اس سے گلے کی سوجن، گلے کی سرخی اور بیٹھا ہوا گلا ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

گلا خشک ہونا:

☆ چھوہارے کی گٹھلی منہ میں رکھنے سے گلے کی خشکی دور ہو جاتی ہے۔

☆ گلے میں خراش آ جائے تو آم اور میٹھی استعمال کریں، فائدہ ہو گا۔

☆ گلا خشک ہو جاتا ہو تو آلو بخارا منہ میں رکھ کر چوستے رہنا چاہیے۔

مطالعے سے متعلق چند مزید ہدایات:

کامیاب خطیب وہی ہوتا ہے جو مطالعہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے۔ کیونکہ خطیب کا مطالعہ جس قدر زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس کا دماغ روشن افکار اور سنہرے خیالات سے لبریز ہوتا ہے۔ وہ اپنی بات کو کئی رخوں، اسلوبوں اور پہلوؤں سے سامعین تک پہنچا کر انہیں اپنا ہم نوا بنا سکتا ہے۔ مطالعہ خطیب کی بات میں نہ صرف وزن پیدا کرتا ہے بلکہ اسے استدلال کا جوہر اور تجربے کا عطر بھی عطا کرتا ہے۔ یقیناً جو پڑھتا ہے وہی آگے بڑھتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مطالعہ کی عادت کیسے بنائی جائے؟ اور مطالعہ کس طرح کیا جائے؟ اس سوال کے جواب میں تعلیمی نفسیات کے ماہرین کے بیان کردہ مطالعہ کے اصول اور آداب بیان کیے جا رہے ہیں۔ یہ اصول نہ صرف خطباء بلکہ طلبہ کے لیے بھی انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ سب سے پہلا لازمی اصول باقاعدگی کا ہے۔ جو لوگ ہر روز باقاعدگی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں وہ ان افراد سے بدرجہا بہتر ہیں جو ایک دن تو خوب محنت کرتے ہیں لیکن

پھر اپنا وقت یوں ہی ضائع کر دیتے ہیں۔ جس کام کو شروع کیا جائے اسے باقاعدگی کے ساتھ ختم کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اکثر لوگ کام شروع کرنے کے بعد آج کا کام کل پر ڈالتے ہوئے اسے کبھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچنے دیتے۔ ایسے انسان دنیا میں شاذ و نادر ہی آگے بڑھتے ہیں۔ یاد رکھیے! کسی بھی کام میں آگے بڑھنے کے لیے اس کام میں باقاعدگی اولین شرط ہے۔

۲۔ مطالعہ کے لیے وقت، اور اگر ممکن ہو سکے تو ایک جگہ مخصوص ہونی چاہیے۔ اس معینہ وقت میں مطالعہ کے سوا اور کسی کام میں مشغول نہ ہونا چاہیے۔ اگر مطالعہ کے لیے کوئی کمرہ بھی مخصوص ہو تو اسے مطالعہ کے سوائے اور کسی کام میں نہ لانا چاہیے۔ اس طرح سے یہ فائدہ ہوگا کہ کمرے میں داخل ہوتے ہی عادت کے پختہ ہو جانے کے باعث خود مطالعے کو جی چاہے گا۔ اس کمرے میں ان تمام باتوں کا خیال رکھنا چاہیے جو مطالعہ کے کمرے کی خاص صفتیں ہیں۔ یعنی روشنی اور صفائی وغیرہ۔

مطالعہ کے بعض اہم اصول:

☆ اپنی جسمانی صحت کا خیال رکھیں۔

☆ ایسے جسمانی اسباب کے علاج کی طرف فوراً رجوع کریں جو وقتاً فوقتاً آپ کی ذہنی استعداد پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً: ضعف بصارت و سماعت دانتوں کی خرابی اور معدے کی کمزوری وغیرہ۔

☆ مطالعہ سے پیشتر خارجی اسباب مثلاً: روشنی، ہوا، بیٹھنے کی جگہ وغیرہ کی طرف بھی توجہ دینے کی کوشش کریں۔

☆ ایک جگہ جم کر اور ایک معینہ وقت پر مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیں۔ اگر ممکن ہو تو اپنے سبق سے پہلے اس کے مطالعہ کی عادت ڈالیں۔

☆ اپنا کام فوراً شروع کریں۔ پورے انہماک سے اپنے کام میں مشغول ہو جائیں۔ لیکن یہ انہماک تشویش اور واہمہ کے درجے تک نہ پہنچنے پائے۔ اپنی توجہ کو منتشر نہ کریں۔

☆ اپنا کام اس نیت سے شروع کریں کہ آپ کو اسے سیکھنا اور یاد کرنا ہے۔

☆ اپنے کام کے لیے کوئی مناسب محرک تلاش کریں۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دیں کہ آپ اپنے معلم یا کسی اور شخص کے لیے کام کر رہے ہیں۔

☆ جب تک اشد ضرورت پیش نہ آ جائے کسی سے مدد طلب نہ کریں۔ اپنے مقصد کو ہمیشہ نگاہ میں دیکھیں۔

☆ نیا سبق پڑھنے سے پیشتر پچھلے سبق پر سرسری نگاہ ضرور ڈالیں۔ سبق کے مشکل حصے کی طرف زیادہ توجہ دیں۔

☆ اپنے مقررہ کام پر شروع شروع میں ایک سرسری نگاہ ڈال لیں۔ اگر آپ کو چند ایسے کام کرنے ہوں جو مختلف ہوں تو سب سے پہلے اس کام کو شروع کریں جسے آپ بخوبی کر سکتے ہوں۔ بعض آدمی مشکل کام کو پہلے کر سکتے ہیں اور بعض آسان کام کو ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا دیکھ لیجیے کہ کون سا کام آپ پہلے کر سکتے ہیں اسی کو پہلے شروع کریں۔

☆ آپ جس چیز کو یاد کرنا چاہتے ہیں اسے اس مقصد کے لیے یاد نہ کریں کہ آپ اسے فوراً دہرا سکیں۔ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ جب بھی ضرورت پڑے آپ اسے استعمال میں لا سکیں۔

☆ ان نکات کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے جو نسبتاً بہت اہم ہوں۔ اگر کوئی نکتہ کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا بلکہ محض وقتی طور پر فائدہ کا موجب ہے تو اسے زیادہ یاد کرنے کی ضرورت نہیں۔

☆ اپنے مطالعہ کے اوقات کو طویل بنانے کی کوشش کریں تاکہ سرگرمی سے اپنے کام میں مشغول رہ سکیں۔ لیکن یہ وقت طویل بھی نہ ہونا چاہیے کہ تکان کے آثار طاری ہو جائیں۔

☆ اگر تکرار ضروری ہو تو اسے ایک ہی دن کے بجائے چند دنوں پر تقسیم کرنا چاہیے۔ جب آپ مطالعہ ختم کرنے لگیں، تو اسے کسی ایسی جگہ ختم کریں کہ آپ اس جگہ کو نہ بھول سکیں۔

☆ کسی نئے سبق کے پڑھنے کے دوران کہیں کہیں قدرے توقف کرنا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو جا سکے کہ آپ اس مضمون کے مطلب سے آگاہ ہو رہے ہیں۔

☆ اپنے کام میں مشغول رہنے کے لیے تمام مختلف ذرائع کام میں لانے چاہییں۔ تمام اصولوں کی تطبیق کے لیے اپنی طرف سے مثالیں تلاش کرنی چاہییں۔

☆ایک پیراگراف ختم ہونے کے بعد اس کے مطلب کو زبانی دہرانا چاہیے۔ کسی ضروری مقام پر اپنی کتاب پر پنسل سے نشان لگالیں۔ لیکن یہ اصول صرف اپنی کتاب کے لیے ہے۔ کسی دوسرے کی کتاب پر نشان نہ لگائیں۔

☆اگر کوئی فقرہ طویل ہو اور اس کا مطلب اخذ کرنا مشکل ہو تو اس کا تجزیہ کرنے کے بعد ان تمام خیالات کو علیحدہ کاغذ پر لکھ لیں اور اگر ضرورت ہو تو تجزیہ شدہ خیالات کو حفظ کرلیں۔

☆جب بھی موقع ملے اپنے حاصل شدہ علم کو استعمال میں لائیں۔ اصطلاحات اور تعریفوں وغیرہ کو حفظ کرنے میں غفلت سے کام نہ لیں۔

☆کسی چیز کے حفظ کرنے کے لیے مناسب خیالات تلاش کریں۔ کسی چیز کو حفظ کرنے کی خاطر اسے چند حصوں میں تقسیم نہ کریں بلکہ اسے بطور مکمل یاد کرنے کی کوشش کریں۔ کسی چیز کو یاد کرنے کی خاطر اسے بلند آواز سے پڑھیں۔

☆معلم کا لیکچر سننے کے دوران میں اگر نوٹ لینا چاہیں تو ہمیشہ اختصار سے کام لیں۔ مفصل نوٹ تحریر کرنے کی صورت میں آپ لیکچر سننے سے محروم رہ جائیں گے۔ کیونکہ آپ کی توجہ صرف لکھنے ہی کی طرف ہوگی۔

بحمد اللہ مجلسی تقریر/عوامی خطاب کے مباحث کا اختتام ہوا۔

پانچواں باب

درس قرآن

کلام اللہ سے وعظ کا طریقہ

درس قرآن/کلام اللہ سے وعظ کا طریقہ

منبر ومحراب کی خطابت میں سب سے اہم اور مقبول صنف ''درس قرآن'' ہے۔ قرآن کتاب انقلاب ہے۔ آج امت مسلمہ کی پستی کا علاج صرف اور صرف قرآن کریم کی نورانی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں ہی مضمر ہے۔ لہذا عصر حاضر میں قرآن کریم کا پیغام معاشرے میں عام کرنے کے لیے سب سے مؤثر ذریعہ درس قرآن ہے اور اس کام کے لیے رمضان کریم کا مبارک مہینہ انتہائی موزوں ہے۔ چونکہ شعبان، رمضان کے مہینے میں علماء اور طلبہ کو مدرسے سے چھٹیاں ہوتی ہیں اس دوران اگر بھرپور تیاری کر کے اپنے محلے کی مسجد، گھر کی بیٹھک یا کسی اور مناسب مقام پر درس قرآن دینے کی ترتیب بنالی جائے تو بہت بہترین دین کی خدمت سرانجام دی جاسکتی ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جب دینی مدرسے کے طلبا اور فضلا سے درس قرآن دینے کی درخواست کی جائے تو ان کے لیے سب سے بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ عصر حاضر میں مؤثر طریقے سے درس قرآن کیسے دیں؟

قرآن کریم کی خدمت کا جذبہ اور دین کا درد رکھنے والے وہ تمام نوجوان علماء اور طلباء جو اس حوالے سے رہنمائی چاہتے ہیں، ان کی خدمت میں اس فن کے ماہر اساتذہ کرام کے نکات اور ایسے رہنما اصول بیان کیے جارہے ہیں کہ اگر ان کے مطابق پورے خلوص سے درس قرآن کی تیاری کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک مؤثر، مدلل اور بہترین درس تیار نہ ہوسکے۔

درس قرآن کیسے دیں؟

سب سے پہلے تو یہ جانیے کہ درس قرآن کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔کسی مخصوص سورت یا رکوع کا درس، چاہے اس میں ایک سے زیادہ موضوع زیر بحث آئیں۔

۲۔کسی ایک موضوع یا عنوان پر مختلف مقامات سے لی گئی آیات قرآنیہ کا درس، مثلاً: مومنین کاملین کے اوصاف، منافقین کی علامات، عورتوں کے فرائض اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ۔درس قرآن کی ان دونوں قسموں کی تیاری اور پیش کش کا طریقہ کچھ اس طرح ہے۔

مخصوص سورت یا رکوع کے درس کے لیے مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھیے!

آیات کا تناظر اور پس منظر:

آیات کے تناظر اور پس منظر کو صرف اتنا ذکر کیا جائے جتنا بات سمجھانے کے لیے ضروری اور ناگزیر ہو۔زمانہ اور شان نزول پر زیادہ وقت صرف کرنے کے بجائے پیغام قرآن اور عملی سبق پر زور دیا جائے۔عصری رہنمائی کو اجاگر کرتے ہوئے حالات حاضرہ پر تطبیق کی جائے۔

مرکزی مضمون:

مرکزی مضمون دراصل وہ بنیادی موضوع ہے جس کے اردگرد پوری سورت گھومتی ہے۔اگر آپ کسی طویل سورت کے مخصوص رکوع کا درس دینا چاہتے ہیں تو اس رکوع کے مرکزی مضمون کا تعین کیجیے۔مثلاً: ''سورۃ التین'' کے سلسلے میں آپ یہ بتائیں گے کہ اس سورت کا مرکزی مضمون قیامت کے امکان کا جائزہ یا قیامت کے امکان پر دعوت فکر ہے، یا امکانِ قیامت کے عقلی اور نقلی دلائل ہیں۔چنانچہ اس سورت کا اختتام دو سوالات پر ہوا ہے تاکہ انسان اس سورت پر غور و فکر اور تدبر کے بعد ان دونوں سوالوں کا اثبات میں جواب دے سکے۔

مشکل الفاظ کی تشریح:

مشکل الفاظ کی تشریح کے لیے آسان ترجمہ قرآن دیکھ لیجیے۔

آیات کی تفسیر:

اب آپ ایک ایک آیت کی سلسلہ وار تشریح کرتے جائیں۔آیات کے باہمی ربط کی

وضاحت کیجیے۔طویل آیت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے باہمی ربط کی وضاحت کیجیے۔ فوائد ونکات اور لطائف ومعارف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ درج ذیل چار چیزوں سے استفادہ کیجیے۔

۱۔ آیات:

آیات کی وضاحت کے لیے قرآن کی دیگر آیات پیش کیجیے۔ جو اس موضوع اور مضمون سے براہ راست متعلق ہوں تا کہ تفسیر القرآن بالقرآن کا حق ادا ہو جائے۔

۲۔ احادیث:

آیات کی وضاحت کے لیے موضوع سے براہ راست متعلق صحیح اور حسن احادیث پیش کیجیے۔ ضعیف اور موضوع احادیث سے گریز کیجیے تا کہ تفسیر بالحدیث یا تفسیر بالروایہ کے فوائد بھی حاصل کر لیے جائیں۔

۳۔ سیرت صحابہ رضوان اللہ عنہم:

موضوع سے متعلق سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا سیرت صحابہ وسلف سے کوئی سچا واقعہ پیش کیجیے۔

۴۔ اسوۂ اسلاف:

آپ کے پاس اکابر امت کے سچے واقعات، تابعین کی حکایات، بزرگانِ دین سے منقول لطائف ومعارف اور اقوال وقصص پر مشتمل مواد موجود ہونا چاہیے۔ جسے آپ وقتاً فوقتاً اپنے دروس میں استعمال کر سکتے ہیں۔

موضوع سے وابستگی:

دورانِ درس آیت کے آس پاس ہی رہیے۔ کسی نکتے کی وضاحت کے لیے اگر دور جانا پڑے تو فوراً لوٹ کر آیت کے اصل مضمون کی طرف آ جائیے۔ علمی ابحاث اور صرفی نحوی تحقیقات کو صرف مدارس کے طلبہ کے لیے جمع رکھیے۔ عوام الناس کے سامنے صرف دعوتی پہلو نمایاں رہنا چاہیے۔ جس کے نتیجے میں لوگوں کے عقائد واخلاق اور عملی زندگی میں انقلاب برپا ہو جائے۔

خلاصہ اور پیغام:

آخر میں دومنٹ کے اندر پورے مضمون کا خلاصہ یا حاصلِ مضمون سمیٹ کر لوگوں کے سامنے رکھیے۔ خلاصے کے بعد لوگوں کو بتائیے کہ اس مضمون میں میرے اور آپ کے لیے کون سا پیغام ہے جو ہمیں آج کے درس سے حاصل ہوا، اور جس پر عمل کر کے ہم زوال کی اس دلدل سے نکل سکتے ہیں۔

وقت کی پابندی:

وقت مقررہ میں منتخب آیات کی یا سورت کی آخری آیت تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ کسی نکتے کو اس قدر طول مت دیجیے کہ بعد میں آپ کو وقت کی کمی کا احساس ہو اور آپ افسوس کرتے رہیں کہ اصل بات تو کہی نہیں جا سکی۔

موضوعاتی درس کی تیاری:

موضوعاتی درسِ قرآن کی تیاری کسی مخصوص سورت کے درس کی تیاری سے ایک مختلف اور نسبتاً مشکل مرحلہ ہے۔ موضوعاتی درس کی تیاری کے لیے مرحلہ وار ترتیب کچھ اس طرح سے ہے۔

پہلا مرحلہ: موضوع کا انتخاب:

موضوع کے انتخاب میں وقت، حالات، جگہ اور سامعین کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے۔ موضوع کے لیے ضروری ہے کہ زندہ ہو، مردہ نہ ہو۔ مثلاً: "عصرِ حاضر کے طاغوت" ایک زندہ موضوع ہے، لیکن یونانی فلسفہ اور اس کی تردید سے آج لوگوں کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ اسی طرح موضوع عملی افادیت کا بھی حامل ہو، مثلاً: عفو و درگزر، صلہ رحمی، غیبت سے اجتناب اور حسنِ معاشرت وغیرہ۔ یہ بات بھی مدنظر ہو کہ موضوع تعمیری اور اصلاحی ہو، تخریبی نہ ہو۔ سدا بہار ہو۔ جیسے: حسنِ اخلاق اور خدمتِ خلق وغیرہ۔ اس کے ساتھ ساتھ موضوع نیا بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً: میڈیا کی تباہ کاریاں۔ قصص و امثال قدیم موضوعات ہیں، لیکن قرآنی جغرافیہ کے ذریعے ہمیشہ جدید معلوم ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ عوامی درسِ قرآن میں متشابہات یا غیر ضروری اختلافات کو موضوع نہ بنائیے!

دوسرا مرحلہ : مناسب آیات، احادیث اور آثار کی تلاش:

موضوع کا انتخاب کرنے کے بعد آپ اس موضوع پر لکھی گئی مختلف نئی اور پرانی کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں، لیکن ہر کتاب کی ہر بات اور ہر مصنف کا ہر نکتہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، اور جو بات بلا حوالہ ہو اس کو بھی نہیں لینا چاہیے۔ آیات کو قرآن کریم کی معیاری سی ڈی سے بھی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ مختلف تفاسیر بالخصوص بیان القرآن دیکھیے کہ کیا آپ کے انتخاب کردہ موضوع سے متعلق اس میں عنوان ہے یا نہیں؟ ہر مدرس کے پاس المعجم المفہرس کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔ ''مفردات القرآن'' امام راغب سے منتخب موضوع کے الفاظ کے معنی نوٹ کر لیجیے۔ احادیث کے کسی مستند مجموعے سے اپنے موضوع پر صحیح روایات کا انتخاب کر کے الگ الگ لکھتے جائیے۔ اب ان آیات واحادیث پر غور وفکر کر کے ان کو مناسب عنوان اور ترتیب دیجیے۔ اسی موضوع سے متعلق سیرت صحابہؓ وسلف سے کوئی سچا اور مستند واقعہ تلاش کیجیے۔

تیسرا مرحلہ : مختلف تفاسیر سے مراجعت:

موضوع کے انتخاب، متعلقہ آیات اور صحیح احادیث کی تلاش کے بعد عنوان سازی بھی ہو گئی۔ اب آپ متعلقہ آیات کی تفسیر اور تشریح کے لیے مختلف تفاسیر سے رجوع کریں گے۔ موضوع کی اصل آیات اور ان سے متعلقہ حوالہ جاتی آیات کے ترجمے اور مفہوم پر غور کرنے کے بعد انہیں ترتیب دیجیے۔

چوتھا مرحلہ: ترتیب:

عنوانات کی تنقیح کے بعد اگلا مرحلہ مناسب ترتیب کا ہے۔ کون سی بات پہلے ہو، کون سی بعد میں اور ان میں منطقی ربط کیسے پیدا ہو؟

پانچواں مرحلہ: نظر ثانی اور اہل علم سے مراجعت:

اگر آپ کو احساس ہو کہ پورے مواد میں کوئی بات آپ پر واضح نہیں ہوئی تو اہل علم سے مراجعت کیجیے اور حتمی خاکہ ترتیب دیتے وقت چند چیزوں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

☆ یہ درس کس لیے ہے؟

☆ سامعین کون ہیں؟

☆ یہ درس کہاں ہوگا، کب ہوگا؟

☆ درس کا دورانیہ کیا ہوگا؟

☆ مطلوب کیا ہے؟

ان باتوں کا جائزہ لینے کے بعد تکرار کو حذف کر دیجیے۔ غیر اہم بات کا وقت کم کیجیے۔ ہر نکتے کے لیے ماقبل اور مابعد سے ربط تلاش کیجیے۔

آخری مرحلہ: حتمی خاکہ سازی:

آپ نے حذف و اضافے اور ترتیب کا کام مکمل کر لیا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کیجیے، اور خدا کا نام لے کر حتمی خاکے کو لکھ لیجیے۔ اور دیکھیے کہ آپ اس طرز پر محنت کرنے کے بعد کس قدر جاندار، مضبوط و مربوط اور موثر درس تیار کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ حتمی خاکہ کچھ اس طرح سے ہوگا۔

☆ تلاوت

☆ ترجمہ

☆ تمہید (جن پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کرنی ہے انہیں پوائنٹس کی صورت میں بیان کر دیں)

☆ اصل موضوع پر گفتگو مع تفصیل، تشریح اور عصری تطبیق

☆ خلاصہ اور پیغام

☆ دعائیہ کلمات: سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر

انداز بیاں اور پیش کش کے آداب:

دونوں قسموں کی تیاری کے بعد اب درس قرآن کے لیے انداز بیاں اور پیش کش کے آداب کو جانتے ہیں۔

ا۔ تصحیح نیت، تلاوت اور دعا:

درس دینے سے پہلے نوافل پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ سے برکت اور قلب کی رقت کے لیے دعا

مانگیں۔ رقت قلب اور دل کا زنگ اتارنے کے لیے درس سے پہلے قرآن پاک کی جس قدر ہو سکے زیادہ سے زیادہ تلاوت کریں۔ اس عمل سے ان شاء اللہ ایک خاص روحانیت اور اللہ کی رحمت آپ کا احاطہ کرلے گی۔ درس دینے سے پہلے اپنی نیت ٹھیک کرلیں۔ اچھی نیت ایک خوشگوار احساس بن کر آپ کے باطن کو معطر کردے گی۔ پھر کوئی غلط بول آپ کے اندر سے باہر نہیں آئے گا۔ درس کے مضمون کو اپنی روح پر طاری کرلیں اور یہ خیال کریں کہ اس بات کے سب سے زیادہ محتاج آپ خود ہیں۔

۲۔ تازہ دم طبیعت، پراعتماد شخصیت:

درس دینے سے پہلے آپ کی نیند پوری ہونی چاہیے۔ گلا اور معدہ ٹھیک ہونا چاہیے۔ اگر آپ کی نیند پوری ہے، چہرہ ہشاش بشاش ہے۔ آپ خود کو تازہ دم محسوس کررہے ہیں تو اس سے آپ کی طبیعت کھل جائے گی اور اس کا اثر پورے درس پر پڑے گا۔ آپ کا لب ولہجہ، انداز بیان، نکتہ آفرینی اور بات سے بات پیدا کرنے کی صلاحیت، قوت استدلال، زبان وبیان، روانی، ذخیرہ الفاظ، ادبیت، چہرے کے تاثرات، بدن بولی، آواز کی گھن گرج غرض ہر چیز میں ایک تازگی چنچلی، شگفتگی، نکھار اور قدرتی پن محسوس ہوگا۔ اس سے آپ کی صلاحیت، علمیت، اعتماد اور شخصیت کو چار چاند لگ جائیں گے اور آپ اپنے سامعین پر زبردست اور بھرپور تاثر قائم کرنے میں کامیاب رہیں گے۔ لیکن اگر آپ کی نیند پوری نہیں یا خود کو تھکا ہوا محسوس کررہے ہیں تو پھر آپ کا بیان بھی آپ کی طبیعت کی طرح پژمردگی کا شکار ہوجائے گا۔ آپ کا ابلاغ نامکمل، ادھورا اور سامعین کے لیے بیزاری کا باعث ہوگا۔ لہٰذا اگر آپ کامیاب درس قرآن کا سلسلہ شروع کرنا چاہتے ہیں تو پہلے درجے میں اپنی غذا، نیند اور گلے کا ضرور خیال کیجیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی سنت اور اسلاف کے طریقے پر گزارنے کی کوشش کیجیے۔

۳۔ لباس اور چال ڈھال کا خیال رکھیے:

مدرس کا لباس، وضع قطع اور بال سنت کے مطابق ہونے چاہییں۔ کپڑے گہرے رنگ

کے نہ ہوں۔ سفید ہیں تو سب سے اچھی بات ہے، سر پر سفید پگڑی باندھیں۔ اگر ٹوپی ہی پہنی ہے تو وہ مختلف رنگوں کے دھاگوں سے بنی ہوئی یا چمکیلے موتیوں سے مرصع نہ ہو۔ بلکہ سادہ اور پروقار ہو۔ کندھے پر یا ہاتھ میں اگر رومال رکھنا ضروری ہے تو وہ بھی بھڑکیلے یا شوخ رنگوں کا نہ ہو۔ مونچھیں پست اور ہاتھ پاؤں کے ناخن تراشے ہوئے ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ پاؤں میں کالی یا سفید موسم کے مطابق سادہ بغیر ڈیزائن والی جرابیں پہنیں۔ نیچے بازوؤں والی بنیان پہنیں۔ شلوار کا ازار بند سادہ سفید اور باریک ہونا چاہیے۔ زیادہ موٹا ازار بند دور سے برا نظر آتا ہے۔ اور یوں دکھائی دیتا ہے جیسے خطیب صاحب کے پیٹ کے برابر رسیوں کا گچھا ساتھ چلا آرہا ہے۔ یہ چیز پروقار شخصیت کو مضحکہ خیز بنا دیتی ہے۔ اسی طرح دونوں پائنچے ٹخنوں کے اوپر اور ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ اگر ایک پائنچہ اوپر اور دوسرا نیچے ہو تو اس سے چال میں اعتدال بھی نہیں رہتا اور وہ مضحکہ خیز بھی لگتی ہے۔

یاد رکھیے! مقرر، خطیب یا مدرس سامعین کے سامنے اپنا پہلا تاثر اپنی چال سے دیتا ہے۔ لوگ اس وقت خطیب کو بہت غور سے دیکھ رہے ہوتے ہیں جب وہ چلتے ہوئے اسٹیج تک آتا ہے اور اپنی نشست پر براجمان ہوتا ہے۔ مجمع میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ خطیب کی چال اور وضع قطع کو دیکھ کر اس کا مزاج تاڑ لیتے ہیں۔ پھر یا تو اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں یا اس سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خطیب، مقرر یا مدرس کو اپنی وضع قطع اور چال ڈھال سے سنت رسول کا ترجمان نظر آنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ اسے دیکھ کر کسی فیشن ڈیزائنر کے تیار کردہ ملبوسات کا چلتا پھرتا اشتہار قرار دے دیں۔ چنانچہ ابھرا اری اور کڑھائی والے کرتے، کام والے جوتے، انگریزی طرز کے تراشیدہ بال اور پینٹ کے اوپر پہنے جانے والے کوٹ سے گریز کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے اپنی وضع قطع میں سادگی اختیار کریں۔ خوشبو کا استعمال بھی کریں۔ سادہ اور صاف ستھرے لباس کے ساتھ زینت کے لیے اگر مناسب واسکٹ میسر ہو تو پہن لیں لیکن موسم کا خیال رکھیں۔ یہ خوبصورت بھی دکھائی دیتی ہے اور وقار کے ساتھ ساتھ اس کے مذہبی، مشرقی اور پاکستانی رنگ کو نمایاں کرتی ہے۔

۴۔ انداز بیان کے فرق کو ملحوظ رکھیں:

درس اور خطابت کے انداز بیان میں بہت فرق ہے۔ درس دیتے ہوئے اس فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ خطابت لیکچر اور افسانے کی طرح کئی رنگ لیے ہوئے ہوتی ہے، جبکہ درس مضمون یا مقالے کی طرح ہے۔ اس پر ایک ہی رنگ نمایاں ہوتا ہے اور وہ ہے تقدس کا رنگ، علم کا رنگ۔ چنانچہ درس کے لیے آپ جو بھی مواد منتخب کریں خواہ بقدر ضرورت اس میں خوش طبعی کا عنصر بھی ہو لیکن اسے شامل کرنے سے پہلے دیکھا جائے کہ یہ آپ کے موضوع کے تقدس کو پامال تو نہیں کر رہا؟ خطابت میں عموماً الفاظ کے شکوہ، زبان کے چٹخارے، بذلہ سنجی، طنز، ظرافت، جذبات، اشعار، مقرر اور لوکیلے جملے کے بیان سے تصویر کشی کر کے کلام میں زور پیدا کیا جاتا ہے۔ جبکہ کامیاب درس کے لیے عموماً افہام و تفہیم، اجمال سے تفصیل، استدلال، عصر حاضر اور زبان کی ادبی چاشنی سے سامعین کو قائل کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا خطابت میں بعض دفعہ ایسا ہو جاتا ہے کہ خطیب وہ بات بھی کر جاتا ہے جو برسر عام تو کہی جا سکتی ہے لیکن برسر منبر نہیں، چنانچہ مدرس کو انتہائی احتیاط کرنا چاہیے اور ہرگز منہ سے کوئی بات ایسی نہیں نکالنی چاہیے جو برسر منبر کہنے کی نہ ہو۔

۵۔ بدن بولی کا فرق:

تقریر میں باڈی لینگویج کا کردار زیادہ ہوتا ہے کیونکہ مقرر یا خطیب مجمع میں جذباتی فضا قائم کر کے لوگوں کی رائے کو اپنے حق میں ہموار کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اسے مواد سے زیادہ انداز پر زور دینا پڑتا ہے اور جب لوگوں کے جذبات بھڑکنے لگتے ہیں تو پھر مواد کی اہمیت 30 فی صد اور انداز کی اہمیت 70 فی صد تک بڑھ جاتی ہے۔ مواد کچھ بھی نہ ہو، خطیب لایعنی گفتگو ہی کیوں نہ کر رہا ہو لوگ پھر بھی نعرے لگا رہے ہوتے ہیں۔ یہ انداز کا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ تقریر میں مقرر کا زیادہ زور انداز پر ہوتا ہے اور انداز کو زیادہ سے زیادہ متاثر کن بنانے کے لیے اسے باڈی لینگویج کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جب کہ درس میں جذباتی فضا بنانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ قرآن پاک کی اپنی تاثیر پورے ماحول کو روحانیت، نورانیت، وقار اور محبت سے بھر دیتی ہے اور یہاں مقرر بھی آیات کی تعلیمات اور تشریحات کا پابند ہوتا ہے، تقریر کی طرح آزاد نہیں ہوتا۔ چونکہ قرآن کا تقدس

خود بخود لوگوں کے دل و دماغ اور قلب و روح کو جلا بخش رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ درس قرآن میں تقریر کے مقابلے میں بدن بولی کی ضرورت کم ہوتی ہے البتہ مدرس کے اعمال کی خوشبو اور لہجے کا سوز و ساز زیادہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۶۔ حسن ادا:

درس میں حسن ادا کا خیال رکھیں۔ صوتی تاثرات چہرے کے احساسات کے تابع ہوتے ہیں۔ آپ جب بھی اپنی آواز سے کوئی تاثر قائم کرنا چاہیں گے تو آپ کے چہرے پر بھی اس کا کوئی نہ کوئی اثر ضرور ظاہر ہوگا۔ لہذا حسن ادا کا خاص خیال رکھیں۔ ایسی ادائیگی سے پرہیز کیجیے جس سے خواہ مخواہ منہ ٹیڑھا ہو جائے۔ تکلف کرنا پڑے، منہ زیادہ کھلنے لگے یا رخساروں، آنکھوں یا ہونٹوں اور دانتوں میں غیر ضروری دباؤ یا کھینچاؤ محسوس ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش الحانی کی دولت سے نوازا ہے تو خطبہ اور تلاوت خوش الحانی سے کریں لیکن خیال رہے کہ انداز ''دوہڑے'' اور ''ماہیے'' کا نہ ہو۔ آپ خوش الحان نہیں ہیں اور ترنم پر قدرت نہیں رکھتے تو تحت اللفظ انداز کی خوب مشق کریں۔ خطبہ پڑھتے ہوئے تجوید کا خیال رکھیں۔ لہجہ انتہائی مؤدب مگر واضح ہو، جبکہ آواز کا آہنگ بیان کی نسبت قدرے دھیما مگر قابل سماعت اور پرجلال ہونا چاہیے۔

۷۔ مائیک سینس / ردھم:

مائیک اور ساؤنڈ سسٹم کے ساتھ آواز کا تناسب طے کریں۔ درس کے آغاز میں ہی ساؤنڈ سسٹم کے ساتھ آواز کی مقدار طے کر لیں کہ کس پچ پر آپ کی آواز لوگوں کی سماعتوں پر خوشگوار تاثر چھوڑے گی، اور کہاں جا کر ان کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ ساؤنڈ سسٹم میں بولتے ہوئے رفتار اتنی رکھیں جس سے ہر لفظ صاف سنائی دے۔ اگر ساؤنڈ سسٹم میں ''ایکو'' کھلا ہوا ہے، آپ کی رفتار بھی تیز ہے اور لب و لہجے پر بھی مادری زبان کا رنگ غالب ہے تو سامعین کے لیے مسئلہ ہو جائے گا۔ زیادہ رفتار سے بولنے کے باعث ایک تو اصل آواز بازگشت میں مکس ہونا شروع ہو جائے گی، دوسرا لہجہ معیاری نہ ہونے کی وجہ سے ابلاغ مزید مشکل ہو جائے گا اور لوگ پریشان ہو کر ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے کہ خطیب صاحب نے ابھی کیا کہا ہے؟ اسی طرح

مائیک میں بولتے ہوئے خیال رہے کہ آپ کا رشتہ اس سے کٹ تو نہیں رہا۔ ایسا نہ ہو کہ چہرہ اور سینہ پھیر کر جب آپ مجمع میں دائیں بائیں متوجہ ہوں تو آپ کی آواز مائیک تک نہ پہنچ رہی ہو یا گھومتے ہوئے آدھی بات تو مائیک سے بلند آواز میں سنائی دے رہی ہو اور بقیہ آدھی بات مائیک سے ہٹ جانے کی وجہ سے لوگوں تک پہنچ ہی نہ رہی ہو۔ اس طرح تو سامعین کو پتہ ہی نہ چلے گا کہ آپ نے کیا کہا ہے۔ لہذا اسٹیج پر دوران تقریر حرکات وسکنات کے باوجود آپ کا چہرہ مائیک کے سامنے رہنا چاہیے تاکہ لوگوں تک آپ کی آواز پورے تسلسل سے پہنچتی رہے۔

اگر سامنے روسٹرم ہے اور آپ کھڑے ہو کر درس دے رہے ہیں تو روسٹرم سے پیچھے ہٹ کر ناف یا سینے پر ہاتھ باندھ کر نہ کھڑے ہوں۔ اور نہ ہی یہ طریقہ اختیار کریں کہ اپنے آپ کو روسٹرم پر گرا کر پورا وزن ڈال کر کھڑے ہوں۔ اگر بیٹھ کر درس دے رہے ہیں تو کرسی کے ساتھ ٹیک مت لگائیں۔ اور اگر منبر پر بیٹھے ہوں تو دوران درس اپنے پاؤں کی حرکات وسکنات پر قابو رکھیں اور انہیں مضحکہ خیز ہونے سے بچائیں۔ ورنہ لوگ کہتے ہیں۔ "مولوی صاحب تو ہاتھوں ایڑیوں سے تقریر کرتے ہیں۔"

۸۔ تلاوت وترجمہ کے آداب:

مدرس درس کا آغاز مختصر خطبے اور تلاوت سے کرے۔ تجوید و ترتیل اور ممکنہ حد تک حسن صوت کے ساتھ تلاوت کرے۔

ترجمے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیے۔

☆ ترجمہ بامحاورہ اور معیاری ہو لفظی نہ ہو۔ مثلاً: قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِہٖ' کا ترجمہ یوں نہ کیجیے" کہا موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے اپنی" بلکہ ترجمہ اس طرح کیجیے "موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔"

☆ ترجمہ بآواز بلند پڑھا جائے تاکہ سامعین پر کلام کا جلال اور دبدبہ طاری ہو جائے۔ رواں، صاف اور ادبی ترجمہ کریں۔

☆ آیات اور ترجمہ پہلے سے اچھی طرح یاد ہونا چاہیے اور صوتی تاثرات دیتے ہوئے تسلسل کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ درمیان میں اٹکیں نہیں۔ وقفے نہ دیں۔

☆ جملے کو توڑیں نہیں، وقف، وصل اور آواز کے اتار چڑھاؤ کی سب سے زیادہ ضرورت تحت اللفظ تلاوت اور ترجمے میں ہوتی ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں سامعین آپ کی آواز اور انداز کی گرفت میں آتے ہیں۔ لہذا درس کا پہلا بھرپور تاثر تلاوت اور ترجمے سے قائم ہوتا ہے۔ اگر کوئی مدرس اس مرحلے کو خوبصورتی سے نبھا جائے تو بقیہ درس کو بہترین انداز میں لے کر چلنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

☆ تلاوت اور ترجمہ کے بعد براہ راست تمہید شروع نہ کریں بلکہ بات کا آغاز سامعین کو مخاطب کر کے کریں۔ جیسے: سامعین گرامی! حضرات محترم! برادران اسلام! حاضرین مجلس! آپ کے سامنے سورۃ البقرہ کی ابتدائی پانچ آیات تلاوت کی گئیں ہیں۔

۹۔ تمہید کا انداز:

درس کی تمہید آیت کے مضمون سے مربوط، منطقی، استدلالی اور موضوع کے تعارف پر مشتمل ہونی چاہیے۔ چنانچہ تمہید بیان کرتے ہوئے مدرس کا انداز الہام و تفہیم والا ہو لیکن آواز کے آہنگ کا یہاں بھی خیال رہے۔ ایسا مت کیجیے کہ خطبہ پڑھتے ہی آواز کو اتنا اٹھا دیں کہ جیسے ہی تمہید ختم ہو آپ کا گلا بھی جواب دے جائے اور کھانس کھانس کر برا حال ہو جائے۔

۱۰۔ تشریح کا انداز:

تشریح کے دوران بھرپور صوتی تاثرات کے ساتھ آواز کو آہستہ آہستہ کھلنے کا موقع دیں لیکن انداز میں تصنع نہیں ہونا چاہیے۔ چہرے کے احساسات اور نظروں کے تاثر سے سامعین کو اپنی گفتگو کے ساتھ جوڑتے چلے جائیں۔ مگر آواز کا آہنگ یہاں بھی مکمل طور پر آپ کے کنٹرول میں ہونا چاہیے۔ یاد رکھیے! خطابت چیخ و پکار سے نہیں ہوتی بلکہ سانس، آواز اور الفاظ پر گرفت سے ہوتی ہے۔ جب آپ آواز پر اپنا کنٹرول کھو بیٹھتے ہیں تو آپ کا لہجہ بالکل سپاٹ اور بے ڈھنگا ہو جاتا ہے۔ جس سے بیان بے جان اور متفرنا کام ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ واقعہ بیان کرنے کا انداز:

درس میں جب کوئی واقعہ بیان کریں تو لہجے میں ہلکا سا داستانوی رنگ ہونا چاہیے۔ لیکن تقریر

میں واقعہ بیان کرتے ہوئے بھرپور داستانوی لہجہ اختیار کریں۔ گویا پوری تاریخ لوگوں کے ذہن کی اسکرین پر ایک تمثیل کی صورت میں چل رہی ہے۔

۱۲۔ دلیل دینے اور سوال اٹھانے کا انداز:

دوران درس جب دلیل دیں، کوئی نتیجہ اخذ کریں یا کوئی سوال اٹھائیں تو درس کی تیاری کے دوران ہی صورت استدلال یعنی صغریٰ اور کبریٰ کے الفاظ اور نتیجے کا جملہ لکھ لیں۔ پوری دلیل اور اس کا نتیجہ موثر اور گلے بندھے الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیے۔ درس دینے سے پہلے ہر دلیل اور نتیجے کو بار بار دہراتے رہیں۔ خوب یاد کرلیں اور دوران درس جب استدلال کریں یا نتیجہ اخذ کریں تو فیصلہ کن لہجہ اختیار کریں۔ اس دوران اٹکیں نہیں، جملہ توڑیں نہیں، الفاظ کی ادائیگی صاف اور واضح ہو۔ جب کہ سوال اٹھاتے ہوئے سوالیہ الفاظ مثلاً کیوں، کیا، کیسے وغیرہ پر زور دے کر بات کریں۔ سوال اٹھانے کے لیے پہلے سے منتخب اور طے شدہ الفاظ کو تبدیل نہ کریں۔ ان سے نہیں نہیں اور نہ آگے پیچھے ہوں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی دلیل تو وزنی ہو لیکن دلیل کے الفاظ اور پیش کرنے کا انداز کمزور ہو۔ اس سے نتیجہ بے وزن اور کمزور ہو کر اپنا اثر کھو بیٹھتا ہے۔ نتائج اگر بے وزن ہو جائیں تو استدلال کمزور ہو جاتا ہے اور اگر استدلال کمزور ہو تو آپ کا موقف کمزور ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جملے جو ایک بات کو دوسری بات سے اور ایک پیراگراف کو دوسرے پیراگراف سے مربوط کرتے ہیں ان کے لیے بھی گلے بندھے الفاظ پہلے سے منتخب کرلیں اور بار بار مشق کر کے خوب یاد کرلیں۔ درس اور خطابت میں رواں استدلال اور مربوط گفتگو کا یہی راز ہے۔

۱۳۔ عصری تطبیق اور اعداد و شمار پیش کرنے کا انداز:

دوران درس عصری تطبیق دیتے ہوئے جب اعداد و شمار بیان کریں تو اعداد بالکل واضح سنائی دینے چاہئیں۔ اسی طرح کوئی رپورٹ پڑھیں، کسی کتاب کا حوالہ دیں یا حالات حاضرہ پر اپنی بات کو منطبق کریں تو تطبیق دینے والا جملہ پہلے سے اپنے متعین الفاظ کے ساتھ آپ کو یاد ہونا چاہیے۔ حوالے میں انگریزی کے الفاظ آگئے ہوں تو انگریزی الفاظ کا تلفظ بالکل درست، واضح

اور صاف ہونا چاہیے۔ غرض یہ کہ عصری تطبیق دیتے ہوئے خواہ اعداد و شمار ہوں، رپورٹ ہو یا حوالہ ہو آپ کا لہجہ پر اعتماد ہونا چاہیے۔ اگر آپ کے انداز میں اعتماد کی کمی ہوگی یعنی کچھ الفاظ زبان پر چڑھ رہے ہوں گے، کچھ بھول رہے ہوں گے، کچھ اٹک رہے ہوں گے اور کچھ رواں ہوں گے تو لوگوں پر اس انداز کا برا اثر پڑے گا۔ وہ خیال کریں گے کہ حضرت والا اپنی تحقیق کا رعب ڈالنے کے لیے غلط سلط معلومات پیش کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ذرائع ابلاغ پر بہت سے نام نہاد دانشور غلط سلط مسائل اور معلومات پیش کر رہے ہوتے ہیں مگر وہ اس قدر پر اعتماد ہوتے ہیں کہ لوگ ان کے پروپیگنڈے کو بالکل سچ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔

۱۴۔ اختتام کرنے کا انداز:

اختتام خواہ آپ کے درس کا ہو یا درس میں موجود کسی بات، واقعے یا پیراگراف کا ہو، اختتامی کلمات کی ادائیگی ایسی ہو کہ صوتی تاثر سے سننے والے کو یہ پیغام ملے کہ اب اس جملے، بات، واقعے یا درس کا اختتام ہو رہا ہے۔ ایسا انداز بالکل اختیار نہ کریں جس میں آپ جملے کے اختتامی الفاظ کھانا شروع کر دیں یا سننے والے کو آپ کے لہجے سے یوں محسوس ہو شاید آپ آگے ابھی اور بھی کچھ ارشاد فرمائیں گے، لیکن آپ بات ختم کر کے اگلی بات کی طرف جا چکے ہوں۔

ایسی صورت میں سامعین کو بہت زیادہ ذہنی کوفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ آئندہ آپ کا درس سننے کے لیے بمشکل ہی تیار ہوں گے۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ اگر امام صاحب نماز پڑھاتے ہوئے دوران تکبیر اپنے صوتی تاثر کو تبدیل کر لیں اور سجدے سے قیام میں جانے کے لیے اللہ اکبر کو طول دے کر بولنے کے بجائے تصر (چھوٹا) کر کے بول دیں تو پوری نماز میں گڑبڑ ہو جائے گی۔ نصف نمازی قیام کی طرف جا رہے ہوں گے اور نصف تعداد قعدے میں بیٹھی ہوگی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ تمہید اور اختتام بھی ہمیشہ لکھ کر تیار کرنا چاہیے۔ اس کے لیے بھی جملے پہلے سے طے شدہ اور الفاظ لگے بندھے ہوں۔ یہ ایک اہم اصول ہے کہ درس دینے سے پہلے مدرس کو اپنے درس کا ابتدائیہ اور اختتامیہ ازبر یاد ہونا چاہیے تاکہ درس کی ابتداء زوردار اور اختتام نتیجہ خیز ہو۔

☆...... چند مزید آداب:

جب آپ درس دینے کے لیے تشریف لائیں اور قرآن پاک کو سامنے رکھیں تو خوامخواہ کا تکلف نہ کریں۔ بازو چڑھانا، جیب سے رومال نکالنا، چند جملوں کے بعد نکلنا رومال سے منہ صاف کرنا، ایسے مصنوعی نخروں اور نامناسب انداز اختیار کرنے سے گریز کریں۔ ہر ایسے پہلو سے بچیں جو قرآن پاک کے تقدس اور آپ کی تواضع کے خلاف ہو۔ درس دیتے ہوئے کرسی سے ٹیک بھی نہ لگائیں اور قرآن پاک پر اپنا وزن بھی نہ ڈالیں۔ قرآن پاک کو انتہائی ادب واحترام سے کھولیں اور درس کے اختتام پر انتہائی عقیدت ومحبت سے بند کریں۔ اس معاملے میں لاپرواہی بالکل نہ کریں، ورنہ لوگ آپ سے متنفر ہو جائیں گے اور مخالفین کو پروپیگنڈے کا موقع مل جائے گا۔ دوران درس اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین، ازواج مطہرات و اہل بیت رضی اللہ عنھن و عنھم اور اسلاف امت کا نام آئے تو ہمیشہ پورے ادب، احترام، القاب، اعزاز اور محبت سے لیں۔

☆ پانچ اہم ہدایات:

۱۔ درس قرآن کا مقصد متعین کر لیجیے۔ اللہ کے بندوں کو اللہ کے کلام کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑنا۔

۲۔ اپنی حیثیت کا تعین کر لیجیے۔ مدرس کو یہ خیال ہو کہ بنیادی طور پر وہ ایک داعی، ایک مبلغ ہے اور ایک طالب علم ہے۔ وہ مفسر قرآن، فقیہ اور مجتہد نہیں۔ اپنی حیثیت کا صحیح احساس وشعور مدرس کو بے شمار فکری اور عملی غلطیوں سے محفوظ رکھے گا۔

۳۔ گفتگو کو نکات میں تقسیم کر لیجیے۔ درس کا خاکہ بنا کر پوائنٹس میں تقسیم کر لیجیے۔ پھر باری باری تمام نکات کو ان کی اہمیت کے مطابق ترتیب سے بیان کرتے جائیے۔

۴۔ جملہ معترضہ طویل نہ ہونے پائے۔ مثلاً: دوران درس واقعہ فرعون وموسیٰ علیہ السلام میں آپ مصر کے بعد قاہرہ، جامعہ الازہر، اہرام مصر اور اس سے بھی آگے کی باتیں شروع کر دیں، ایسا مت کیجیے۔ ضمنی بات کرنے کے بعد فوراً اپنے موضوع پر آ جائیے۔

۵۔ مقصدیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیے۔ مکی سورتوں کا درس دیتے وقت اس بات کا خاص خیال رہے کہ اس کے ذریعے عقیدۂ توحید، رسالت، آخرت، اللہ کی ذات وصفات اور صبر واستقامت کی تلقین کرنی ہے۔ اور مدنی سورتوں کا درس معاشرت، معاملات اور نظم وعدل اجتماعی وغیرہ کے احکام کو آخرت کے عذاب وثواب کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے دینا چاہیے۔

چھٹا باب

درس حدیث

مختصر اصلاحی خطاب کا طریقہ

درس حدیث

مختصر اصلاحی خطاب کا طریقہ

درس قرآن کے بعد اہمیت، افادیت، اثرات اور تقدس کے اعتبار سے آپ علیہ السلام کی حدیث شریف کا درس انتہائی نافع ہے۔ عوام الناس میں درس حدیث کی سب سے مقبول صورت فجر یا عصر کی نماز کے بعد دیے جانے والے مختصر درس کی ہے۔ نماز کا سلام پھیر کر دعا سے پہلے اگر ائمہ کرام چار سے چھ منٹ مستقل درس حدیث ارشاد فرمانے کی ترتیب بنالیں تو ان شاء اللہ اس کی مہک سے نہ صرف پورا علاقہ معطر ہو سکتا ہے بلکہ جائے نماز پر بیٹھ کر امام صاحب اپنے محلے میں زبردست دینی اور روحانی ماحول بنا سکتے ہیں۔ مسجد کے ماحول، باجماعت نماز اور مصلی رسول کی برکات کے ساتھ مولوی صاحب جب لوگوں کو فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑتے ہیں تو اس کا اپنا ہی ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ بالخصوص رمضان کریم کے مقدس ساعتوں میں اگر فجر کی نماز کے بعد دعا سے پہلے مکمل تیس دن تک اس درس کا معمول رکھا جائے تو پورے علاقے میں بہت بابرکت ماحول بن جاتا ہے۔ چنانچہ وہ علمائے دین جو مسجدوں میں امامت کا مبارک فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اگر اس درس کو ایک تحریک کی صورت میں برپا کر دیں تو ان شاء اللہ اس کے بہترین فوائد و ثمرات سامنے آئیں گے۔

مختصر درس حدیث کی تیاری:

اس حوالے سے ریاض الصالحین، معارف الحدیث یا ترجمان السنہ کو درس حدیث کا ماخذ بنایا جاسکتا ہے۔

۱۔ شروع شروع میں کتاب کی فہرست سے کسی معاشرتی موضوع کو لے کر ایک مختصر حدیث شریف کا انتخاب کریں۔

۲۔ اصل حوالہ اور حدیث نمبر نوٹ کرلیں۔

۳۔ راوی کا نام دیکھیں۔ اگر ممکن ہو تو دو تین جملوں میں اس کا تعارف، کوئی خصوصیت یا وجہ امتیاز نوٹ کرلیں۔

۴۔ متن حدیث پڑھنے کے بعد جب آپ ترجمہ کرنے لگیں تو براہ راست نہ کریں بلکہ اسے ایک خاص انداز میں پیش کریں۔ پہلے الفاظ تخاطب، اصل حوالہ، حدیث نمبر، راوی کا مختصر تعارف اور موضوع کا تعارف کروائیں۔

۵۔ حدیث کا ترجمہ اور تشریح پڑھ کر جو موضوع اور مرکزی مضمون اخذ ہو رہا ہے اسے ایک جملے میں بند کریں۔ آسان اور عام فہم انداز میں یہی وہ جملہ ہے جو موضوع کا تعارف کروائے گا۔ جیسے "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک فرمان میں دنیا کی محبت کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔"

۶۔ تشریح سے اگر ایک سے زیادہ نکات مل رہے ہوں تو انہیں نمبروار اشارات کی صورت میں لکھ لیں۔

۷۔ آخر میں تشریح کے تمام پہلوؤں کو ایک خاص نکتے پر لے آئیں۔ یہ خاص نکتہ آپ کے درس سے حاصل ہونے والا سبق اور پیغام ہوگا۔

☆ ادائیگی کا طریقہ:

۱۔ متن:

متن حدیث اگر مختصر ہے تو اسے زبانی یاد کرلیں۔ زبانی یاد کرنے سے آپ کو حدیث شریف کی مستقل نورانیت حاصل ہوجائے گی۔ اگر کوئی اس سلسلے کو مستقل جاری رکھے تو اسے نہ صرف بہت

ساری احادیث زبانی یاد ہو جائیں گی بلکہ وہ شخص بہت بڑی فضیلت کا بھی مستحق قرار پائے گا اور درس قرآن اور خطابت میں بھی مواد کے حوالے سے اسے بہت فائدہ ہوگا۔ حفظ حدیث کی بناء پر جب کوئی خطیب، مقرر یا مدرس "بیان" کرتا ہے تو اس کا مواد انتہائی عمدہ، علمی، شاندار اور جاندار شمار ہوتا ہے۔ جب کوئی خطیب ایک کے بعد دوسری حدیث شریف پڑھتا جاتا ہے تو لوگ اس کی علم دوستی، قابلیت اور آقا علیہ السلام کے ساتھ محبت پر بہت خوش ہوتے ہیں۔ یوں اس کے سامعین اور اس سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

☆ حدیث شریف کو زبانی یاد کر لینے کے بعد اب خوب صورت اور باوقار انداز میں تحت اللفظ پڑھنے کی مشق کریں۔ خوش الحانی سے اگر آپ پڑھیں گے تو ممکن ہے اس میں وقت کچھ زیادہ لگے۔

۲۔ ترجمہ:

جب آپ نے حدیث شریف کو یاد کر کے پڑھنے کی مشق کر لی تو اب ہم ترجمے کی طرف چلتے ہیں۔ ترجمہ کرتے ہوئے اس بات کا خیال رہے کہ ترجمہ با محاورہ، سلیس، سادہ اور عام فہم ہو۔ جو بات کو اچھی طرح واضح کر دے۔ اس حوالے سے آپ کی آواز کا اتار چڑھاؤ اور وقف وصل بہت اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ترجمہ بھی زبانی یاد کر کے باوقار اور صاف ستھرے انداز میں پڑھنے کی مشق کریں۔ ترجمے کے حوالے سے یہ بات یاد رہے کہ متن حدیث پڑھ لینے کے بعد براہ راست ترجمے کے الفاظ کی طرف مت آئیں بلکہ اس سے پہلے سامعین کو مخاطب کریں۔ حدیث شریف کا اصل حوالہ اور حدیث نمبر بتائیں۔ دو تین سطروں میں راوی کا تعارف کروائیں اور موضوع کا تعارفی جملہ بولیں۔ اس کے بعد ترجمہ کریں۔ یہ درس حدیث کا ابتدائیہ ہے۔

۳۔ تشریح:

تشریح کو انتہائی جامع انداز میں پیش کریں۔ صرف مرکزی نکتے پر یعنی ٹو دی پوائنٹ بات کریں۔ موضوع سے بالکل نہیں ہٹیں۔ لہجہ، خطیبانہ نہ ہو بلکہ مدرسانہ اور ناصحانہ ہو۔ ترجمے اور تشریح کی روشنی میں حدیث شریف کو ایک ایسے آئینے یا میزان کے طور پر پیش کریں جس میں

امت، حدیث شریف کے بیان کردہ اس خاص پہلو کی روشنی میں اپنے سماجی رویوں، قول، فعل اور عملی زندگی کا جائزہ لے کر پیغمبر علیہ السلام کے مبارک فرمان سے اپنے لیے ایک واضح پیغام اور رہنمائی حاصل کرے۔ درس حدیث کے دوران اس شعور کو بیدار کرنے اور پیغام کو مضبوط انداز میں پیش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جب آپ تشریح سے پیغام کی طرف آئیں تو گفتگو میں سوالیہ اسلوب اختیار کریں۔ یعنی آخر میں موضوع کی مناسبت سے ایسے سوالات اٹھائے جائیں جس کے نتیجے میں لوگ اپنے قول و فعل کا جائزہ لینے پر مجبور ہو جائیں۔ یاد رکھیں! درس حدیث کا پیغام دیتے ہوئے یا سوالات اٹھاتے ہوئے آپ کا لہجہ دوستانہ اور شگفتہ ہو۔ غیظ و غضب، غصے، مخالفانہ اور معترضانہ انداز سے گریز کریں۔

۴۔ادائیگی کا خاکہ:

☆سب سے پہلے درود شریف پڑھنے کا کہیں۔

☆متن حدیث زبانی تلاوت کریں۔

☆اصل حوالہ دیں۔ حدیث نمبر بتائیں۔ راوی کا تعارف کرائیں۔ موضوع کا تعارف کروائیں۔ ترجمہ کریں۔

مثال:

عن ام سلمة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : كم من كاسية في الدنيا عارية يوم القيامة.

سامعین کرام! آپ کے سامنے صحیح بخاری، کتاب اللباس سے حدیث نمبر 5844 تلاوت کی گئی ہے جو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ آپ کا اصل نام ہند بنت ابی امیہ ہے، ام سلمہ کنیت ہے۔ اسلام کی پہلی مہاجر خاتون ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہے۔ جنگ احد میں آپ کے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ سن 3 ہجری میں آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔

تلاوت کردہ روایت میں خواتین کو ایسے لباس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے جو تہذیب جدید یا

فیشن کے نام پر انہیں جوہر نسوانیت اور شرم وحیاء سے محروم کر رہا ہے۔

چنانچہ ام المومنین کا بیان ہے، دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کتنی ہی عورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں کپڑوں میں ملبوس رہتی ہیں لیکن قیامت کے دن برہنہ ہوں گی۔"

☆ اب نکات کی صورت میں مختصر تشریح کریں۔

☆ آخر میں آپ علیہ السلام کے مبارک فرمان سے حاصل ہونے والا پیغام دیں۔

الفاظ تخاطب کا استعمال:

الفاظ تخاطب تین مقامات پر لائے جائیں گے۔

ا۔ ابتدائیہ میں یعنی متن حدیث کے بعد، جیسے:

سامعین کرام!

ذخیرہ احادیث میں سے بخاری شریف کتاب الادب کی ایک روایت آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے۔

۲۔ تشریح کا آغاز کرتے ہوئے۔

۳۔ سبق یا پیغام دیتے ہوئے، جیسے:

حضرات گرامی! آقا علیہ السلام کے اس مبارک فرمان سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔۔۔۔

وقت کی ترتیب:

متن حدیث، حوالہ، مرکزی مضمون کا تعارف، راوی کا تعارف اور ترجمہ (ایک سے دو منٹ)

(مختصر درس حدیث میں یہ تمام چیزیں آٹھ سے دس سطروں میں مکمل ہو جاتی ہیں۔)

تشریح و پیغام (چار منٹ):

کوشش کریں 4 سے 6 منٹ کا درس ہو اس سے زیادہ نہ ہو۔ اگر رمضان میں فجر کی نماز کے بعد ہو تو سات سے آٹھ منٹ تک لے جایا جا سکتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ نہیں۔

ساتواں باب

لیکچر

سیمینار سے علمی وفکری خطاب کا طریقہ

پریزینٹیشن

تربیتی خطاب کا طریقہ بذریعہ ملٹی میڈیا

لیکچر
سیمینار سے علمی وفکری خطاب کا طریقہ

ایسے پروگرام عموماً آڈیٹوریم یا سیمینار ہال میں منعقد ہوتے ہیں۔ علمی وفکری خطاب کسی دینی ادارے، تنظیم یا درس گاہ کی طرف سے بھی منعقد کروایا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں شرکاء عموماً دیندار ذہن رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ جو دینی حوالے سے کی جانے والی علمی وفکری گفتگو کو خالصتاً روحانی اور نورانی ماحول میں سننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایسی فکر رکھنے والے حضرات کوشش کرتے ہیں کہ یہ پروگرام مسجد یا مدرسے کے ہال میں منعقد ہو۔ کیونکہ مسجد اور مدرسے کا تقدس لاشعوری طور پر لوگوں کے ذہن کو دینی فکر کے قبول کرنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔

علمی وفکری خطاب کے حوالے سے بعض مرتبہ ایسا پروگرام بھی رکھا جا سکتا ہے جس میں چند دن تک مسلسل خاص اوقات میں کسی ایک خاص موضوع پر یا مختلف عنوانات پر لیکچرز کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس طرح کے پروگرام عام طور پر کسی کانفرنس ہال، آڈیٹوریم یا شادی ہال وغیرہ میں رکھے جاتے ہیں۔ ان جگہوں کے اثرات اور وہاں کا ماحول مسجد یا مدرسے کے تقدس کا حامل نہیں ہوتا، کیونکہ شہروں میں موجود ہالز اور آڈیٹوریم وغیرہ میں اسٹیج ڈرامے، رقص وموسیقی کی محفلیں اور شادیوں میں ہونے والی خرافات عام ہوتی ہیں، لہذا یہ جگہیں دینی فکر کو پیش کرنے کے لیے مناسب نہیں۔ البتہ عصری تعلیمی ادارے نیشنل اور ملٹی نیشنل کمپنیاں، رفاہی وکاروباری ادارے، مختلف این جی اوز اور انسانی حقوق کی تنظیمیں زیادہ تر ان جگہوں کو استعمال کرتی ہیں۔

اگر آپ کو کسی علمی یا فکری موضوع پر خطاب کرنے کی دعوت دی گئی ہے تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ لیکچر کس جگہ رکھا گیا ہے؟ کیونکہ جب تک آپ کو مقام کا علم نہیں ہوگا، آپ کو وہاں کا ماحول سمجھ نہیں آئے گا۔ جب تک آپ ماحول کو نہیں سمجھیں گے، آپ کو مجمع سمجھ نہیں آئے گا کہ اس کی نفسیات کیا ہے؟ مجمع کی نفسیات نہیں سمجھیں گے تو اپنی گفتگو کے بنیادی مقدمات کس طرح ترتیب دیں گے؟ یعنی کیا بات کرنی ہے اور کس طریقے سے کرنی ہے۔ جب گفتگو کے بنیادی مقدمات طے نہیں پائیں گے تو گفتگو کس بنیاد پر ہوگی؟ بات کرنا ممکن ہی نہیں۔

دینی موضوع پر تیاری:

لہذا علمی و فکری خطاب کی تیاری سے پہلے جگہ کا علم ہونا ضروری ہے۔ اگر آپ کا خطاب کسی مسجد یا مدرسے میں ہو رہا ہے تو پھر اس کا انداز درس قرآن سے ملتا جلتا ہوگا بلکہ درس قرآن کا رنگ ہی اس پر غالب ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ کے سامعین، علما، طلبا، فضلا، صلحاء اور دینی اداروں کے وابستگان ہوں گے۔ البتہ موضوع کو حالات حاضرہ کے تناظر میں بھی خوب پرکھا جائے گا اور عصر حاضر کے چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے بھی اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔ چنانچہ قرآن، حدیث، اجماع، قیاس، تصوف اور جہاد کے حوالوں کے ساتھ ساتھ جدید معلومات، اعداد و شمار، تحقیقی رپورٹس اور معیاری اشعار کو بھی شواہد کے طور پر پیش کیا جائے گا۔

☆ موضوع کی تفہیم کا طریقہ:

۱۔ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ موضوع کیا ہے؟

۲۔ موضوع کے الفاظ شمار کریں، یعنی دیا گیا موضوع جس جملے پر مشتمل ہے اس میں کل کتنے الفاظ ہیں؟

۳۔ ہر لفظ کے معنی و مفہوم پر غور کریں۔

۴۔ کیا موضوع کے تمام الفاظ اپنے لغوی و اصطلاحی معانی اور مفاہیم سمیت آپ پر واضح ہو چکے ہیں؟

۵۔ علمی و فکری خطاب میں کسی ایک مکمل موضوع پر یا اس موضوع کے کسی خاص پہلو پر یا اس

موضوع سے متعلق کسی خاص صورت حال کے حوالے سے لوگوں کی ذہن سازی مقصود ہوتی ہے چنانچہ کسی بھی موضوع پر لیکچر رکھوانے والے اپنے مقاصد کو ایک خاص جملے میں ڈھال کر موضوع کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکچر دینے والے کو چاہیے کہ پروگرام کے انتظامیہ سے موضوع کے حوالے سے تبادلہ خیال ضرور کرے تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہے اور لیکچر ایک جامع مانع خطبے کی صورت میں پیش کیا جا سکے۔

نوٹ: لیکچر کی تیاری کے بقیہ مراحل مجلسی تقریر کی طرح ہیں للہذا مجلسی تقریر کی تفصیلات کی طرف رجوع کیا جائے۔

تمہید، تشریح اور مجموعی تاثر:

دینی فکر کے فروغ کے لیے کیے جانے والے خطاب کی تیاری بالکل اسی طرح ہو گی جس طرح درس قرآن تیار کیا جاتا ہے۔ البتہ آیات اور احادیث کے ضمن میں حالات حاضرہ پر انطباق جدید معلومات، اعداد و شمار، عصر حاضر کی مثالوں اور حوالہ جات کی مقدار درس قرآن کی عصری تطبیق سے زیادہ ہو گی۔ گویا آپ کو درس قرآن اور مقالے کی ایک درمیانی شکل تیار کرنی ہے۔

۱۔ مسجد و مدرسے میں علمی و فکری خطاب کی تمہید اور آغاز درس قرآن کی طرح خطبے اور تلاوت کلام پاک سے ہو گا۔

۲۔ موضوع کا تجزیہ، تبصرہ، معلومات، استدلال اور تحقیق کا نتیجہ سب چیزیں کلام اللہ اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں اور ان کے تابع کی حیثیت سے پیش کی جائیں گی۔

۳۔ ساری گفتگو نقل کے منہاج میں ہو گی، عقلی دلیل بھی وہی قابل قبول ہو گی جو نقل کی خدمت گار کے طور پر پیش کی جائے گی۔

۴۔ پورے لیکچر کا مجموعی تاثر اسلامی علمیت کی برتری، اس سے وابستگی اور اس کے فکری غلبے کے اظہار کے طور پر قائم ہو گا۔

۵۔ خطاب کرنے والے کی وضع قطع، طرز بیان اور انداز گفتگو مشرقیت اور مذہبیت کا آئینہ دار ہو گا۔

۶۔ لوگوں کے ذہن میں دین کی فکر راسخ کرنے کے لیے مقام اور ماحول کا دینی رنگ میں رنگا ہونا ضروری ہے۔

اختتام:

علمی و فکری خطاب کا اختتامیہ اسی فکر کے خلاصے پر مشتمل ہونا چاہیے جس کے فروغ کے لیے آج کی نشست کا انعقاد کیا گیا ہے۔ اختتامیہ ایک ایسے واضح اور جامع پیغام کی صورت میں ہونا چاہیے جسے لوگ اپنے ذہنوں میں ہمیشہ کے لیے ایک نظریے کے طور پر قبول کر لیں۔

عصری موضوعات پر لیکچر:

اگر علمی و فکری خطاب کا موضوع دینیات سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ میڈیا، سیاسیات، فلسفہ، معیشت، صحافت، ادب، نفسیات، تاریخ، ثقافت، جغرافیے، مغربی تعلیم، سائنس و ٹیکنالوجی یا طب اور صحت کے حوالے سے ہے، لیکچر کا اہتمام کسی مغربی ادارے کی طرف سے کیا گیا ہے اور یہ مسجد یا مدرسے کا نہیں بلکہ سیمینار ہال یا آڈیٹوریم کا بیان ہے تو اس بیان کا ماحول مکمل طور پر دنیاوی ہوتا ہے۔ سامعین کرسیوں پر براجمان ہوتے ہیں۔ وہ عصری اداروں کے تعلیم یافتگان ہوتے ہیں۔ ان کی فکر و نظر کے زاویے سیکولر اور عقلی منہاج کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کے ذہن علت اور معلول (cause and effect) کے اصول پر بات کو قبول کرتے ہیں۔ لہذا یہاں بیان کے لیے پیش کیا گیا مواد اور اس پر ہونے والی گفتگو کے عناصر یعنی تحقیق، معلومات، حوالہ جات، ترتیب، استدلال اور نتائج تمام چیزیں اپنے موضوع کے حساب سے دنیاوی، عقلی اور عصری تناظر میں پیش کی جاتی ہیں کیونکہ یہ دین کی نہیں دنیا کی بات ہے۔

پریزینٹیشن

تربیتی خطاب کا طریقہ بذریعہ ملٹی میڈیا

آج کل بند کمرے یا ہال میں ملٹی میڈیا کے ذریعے ابلاغ کا ایک طریقہ بہت مشہور ہے جسے "پریزینٹیشن دینا" کہتے ہیں۔ پریزینٹیشن میں مقرر کو بولنے کے ساتھ ساتھ اپنے مواد کو اہم نکات اور اشارات کی صورت میں حاضرین مجلس کے سامنے سلائیڈز یعنی تختیوں کی صورت میں پیش بھی کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح خطابت کی دیگر اصناف سے قدرے مختلف ہو جاتا ہے۔ یہاں مقرر ملٹی میڈیا کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مخصوص انداز اور طریقہ کار سے پریزینٹیشن پیش کرتا ہے۔ اس طریقے میں نہ تو وہ ایک استاد کی شخصیت کا تاثر دے پاتا ہے اور نہ ہی پریزینٹیشن جس طرح کی حرکات وسکنات کا تقاضا کرتی ہے اس سے ایک واعظ یا خطیب کا تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے۔ الغرض یہ ایک الگ ہی صنف تکلم ہے جو مغرب سے آئی ہے۔ اس کے اپنے تقاضے ہیں۔ اپنا معیار اور ایک مخصوص طریقہ اظہار ہے۔

کلر اسکیم، فونٹ، بصری معلومات اور Animation:

پریزینٹیشن کی تیاری اور پیش کش میں جن اہم امور اور آداب کو پیش نظر رکھنا چاہیے، ذیل میں انہیں بیان کیا جا رہا ہے:

پریزینٹیشن تیار کرتے ہوئے بہت زیادہ رنگ مت پھینکیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ گولے گنڈے کا

اشتہار بن جائے۔

کلر اسکیم اور فونٹ یعنی رنگوں اور رسم الخط کے انتخاب میں دل پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ سادگی اور سنجیدگی کے اصول کو ملحوظ رکھیں۔

بصری معلومات کی پیش کش میں تصاویر یا عبارتیں کم ہوں، لیکن واضح ہوں۔ گراف گنجلک، پیچیدہ اور بہت زیادہ اعداد و شمار سے لتھڑے ہوئے نہ ہوں۔

Animation (حرکت)، سلائیڈز اور مختلف آبجیکٹس کو زیادہ Animations دینے سے گریز کریں۔ یہ سنجیدگی اور متانت کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ حد اعتدال میں موقع کے مناسبت سے اس کا استعمال کریں۔

پریزنٹیشن میں ہر وقت بہتری کی کوشش جاری رکھیے۔

پریزنٹیشن ہال میں پہنچنے سے پہلے/ چند اہم ہدایات:

ا۔ اگر آپ پریزنٹیشن دینے کے حوالے سے نوآموز ہیں تو اپنے دوستوں اور شیشے کے سامنے کم از کم ایک مرتبہ مشق ضرور کریں۔ دنیا کے تمام مقررین کم از کم ایک دفعہ کی مشق کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ امریکی براڈ کاسٹر لیری کنگ کہتا ہے "Articulate" لفظ بہ لفظ اظہار۔ یعنی بولنا بھی کار چلانے کی طرح ایک فن ہے، لہذا مشق بولنے والے کے لیے ضروری ہے۔ کوشش کریں بولنے سے پہلے ریکارڈ کر کے سنیں۔

۲۔ تقریر سے پہلے آواز کو ریسٹ (آرام) دیں۔ تقریر سے پہلے ٹھنڈا پانی پینے اور چیخنے چلانے سے گریز کریں۔ اس سے گلا بیٹھ جائے گا۔

۳۔ پریزنٹیشن سے پہلے یا دوران اگر پانی پینا چاہتے ہیں تو پئیں اس سے توانائی رہے گی، مگر اتنا بھی نہ پئیں کہ پیشاب کی ضرورت ہو جائے۔

۴۔ لباس اور وضع قطع میں مضحکہ خیز چلن سے گریز کریں۔

۵۔ ساتھ لے جانے والی چیزیں کمپیوٹر اور دیگر آلات پہلے سے چیک کر لیں۔

۶۔ پریزنٹیشن کا مواد اپنے پاس ای میل میں بھی محفوظ رکھیں تاکہ اگر موقع پر یو ایس بی یا

لیپ ٹاپ میں موجود فائل میں کوئی مسئلہ ہو تو فوراً آپ ای میل سے ڈاون لوڈ کر سکیں۔

۷۔ پریزینٹیشن ہال میں جانے سے پہلے تیار مواد اور معلومات کو ایک مرتبہ دوبارہ دیکھ لیں۔ اگر کچھ معلومات نامکمل ہیں تو انہیں مطالعے کے ذریعے مکمل کر لیں۔

پریزینٹیشن ہال میں/ چند اہم ہدایات:

(۱) جہاں پریزنٹیشن دینی ہے وہاں پہلے پہنچ جائیں ممکن ہے کوئی آپ سے پہلے پریزنٹیشن دے رہا ہو تو اس کو دیکھ لیں۔ ماحول کا اچھی طرح جائزہ لے لیں۔ لوگوں کے ساتھ سلام دعا کر لیں۔ اس سے طبعیت پر بوجھ نہیں ہوگا، اعتماد میں اضافہ ہوگا اور آپ کسی گھبراہٹ کے بغیر دوستانہ ماحول میں اپنے کام کا آغاز کر سکیں گے۔

(۲) جب آپ پریزینٹیشن ہال میں ہوں تو لازماً اپنے سامعین کو جانیں یعنی آپ کو جس موضوع پر پریزینٹیشن دینی ہے اس موضوع کے حوالے سے آپ کے سامعین کی سابقہ معلومات کس قدر ہیں؟ اس بات کو سامنے رکھ کر موضوع کا تعارف کروائیں۔

گفتگو اور حرکات وسکنات:

☆ اگر سامعین تکنیکی معلومات رکھتے ہیں تو آپ اصطلاحات استعمال کر سکتے ہیں۔ وگرنہ سادہ گفتگو کریں۔ اور ضروری اصطلاحات کی وضاحت کریں۔

☆ اپنے موضوع سے متعلق مواد کو سامعین پر تھوپیں نہیں بلکہ انہیں معلومات سے قائل کریں۔

☆ اپنی گفتگو کے دوران محض سنجیدہ نہ رہیں بلکہ شائستہ اور شستہ مزاح کے عناصر بھی شامل کرتے جائیں، مگر بہت زیادہ نہ ہوں۔

☆ اپنے موضوع کو مثالوں، واقعات اور مشاہدات کے ذریعے مکمل واضح کریں۔

☆ اپنے موضوع ہی سے وابستہ رہیں۔

☆ پریزینٹیشن دینے والے کو زیادہ توجہ سامعین کی طرف دینی چاہیے، اسکرین پر نہیں۔

☆ اگر آپ کھڑے ہو کر پریزینٹیشن دے رہے ہیں تو ایک ہی جگہ جم کر کھڑے نہ ہوں بلکہ خاص دائرے میں حرکت کریں، لیکن حرکات وسکنات مضحکہ خیز نہ ہوں۔ سر کو زیادہ مت

ہلائیں۔ اپنا لب ولہجہ اختیار کریں۔ نقل مت کریں۔ اسٹیج پر آئیں تو تازہ دم اور پرجوش دکھائی دینے کی کوشش کریں۔

☆ اگر آپ کو گھبراہٹ ہو رہی ہے تو مجمع کو اپنے گھر کا فرد سمجھیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں مت دیکھیں۔ آنکھیں آنکھوں سے ٹکراتی ہیں تو گھبراہٹ ہونا شروع ہو جاتی ہے اور آپ دیوار کی طرف دیکھنے لگتے ہیں، لیکن اصل طریقہ یہ ہے کہ آپ مجمع میں کچھ دوست چہرے تلاش کریں ان کو دیکھیں یا لوگوں کے سروں کے اوپر دیکھیں۔

پریزینٹیشن کا آغاز اور اختتام:

۱۔ شروع میں اپنا تعارف اور آخر میں شکریہ ادا کریں۔

۲۔ پریزینٹیشن کے آغاز میں چونکا دینے والا ابتدائیہ پیش کریں، کوئی واقعہ سنائیں، سوال اٹھائیں، حوالہ دیں، کہاوت اور ضرب المثل بیان کریں۔

۳۔ مفاہیم کو اچھے لفظوں کے پیراہن اوڑھائیں۔ اچھے لفظ ایسے ہی توجہ کھینچ لیتے ہیں جیسے اجلے سفید کپڑوں میں ملبوس ایک نورانی صورت انسان۔

۴۔ آپ کو اپنے وقت کا خیال رہنا چاہیے کہ کتنا وقت آپ لے کر آئے ہیں۔ آخری 10 منٹ سوال جواب کی نشست کے لیے مختص ہوں۔ سوال جواب کی نشست اس لیے بھی ضروری ہے کہ کہیں آپ کے سامعین کی توجہ منتشر تو نہیں رہی یا کہیں کوئی بات خلط ملط تو نہیں ہوئی۔

آٹھواں باب

جلسے کی نقابت

اسٹیج کی نظامت کا طریقہ

جلسے کی نقابت
اسٹیج کی نظامت کا طریقہ

کسی بھی جلسے کو کامیاب اور منظم طریقے سے مکمل کرنے میں سب سے اہم کردار نقیب محفل یا ناظم جلسہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں نقابت اور اسٹیج کی نظامت کے لیے چند ایسے آداب بیان کیے جا رہے ہیں جن کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی بھی چھوٹے یا بڑے جلسے کی کارروائی کو شروع سے آخر تک بھرپور اور درست طریقے سے چلایا جا سکتا ہے۔

پروگرام کی ترتیب/حتمی فہرست:

پروگرام سے ایک یا دو دن پہلے جلسے کی کاغذی کاروائی مکمل کر لی جائے۔ نقیب کے پاس مہمان خطباء، شعراء، نعت خواں، قراء اور دیگر اظہار خیال کرنے والے افراد کے نام پہنچ جانے چاہئیں اور جلسے کی کاروائی کے لئے کل وقت کی بھی تعیین ہو جانی چاہیے۔

جب نام پہنچ جائیں تو پروگرام کی ترتیب کے مطابق ایک فہرست میں ناموں کا اندراج کریں۔ آپ کی یہ فہرست تین کالموں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ پہلے کالم میں نام لکھیں دوسرے کالم میں جلسے کی کاروائی میں ان کا عمل درج کریں جب کہ تیسرے کالم میں مطلوبہ وقت لکھیں۔ بطور نمونہ یہ خاکہ ملاحظہ فرمائیں۔

مطلوبہ وقت	جلسے کی کاروائی میں عمل	نام
۷منٹ	تلاوت	مصباح القراء جناب قاری محمد عظیم شریف صاحب
5منٹ	نعت	بلبل چمنستان رسول مولانا محمد رضوان اسلم صاحب
۸ سے ۱۰منٹ	پہلا خطاب	خطیب انقلاب مولانا محمد اسد ظفر صاحب
۸ سے ۱۰منٹ	خصوصی خطاب	عالم باعمل حضرت مفتی محمد طلحہ جواد صاحب
۳۰ سے ۳۵منٹ	مرکزی خطاب	یادگار اسلاف حضرت مولانا سرفراز صاحب مدظلہ
۱۰ سے ۱۵منٹ	اختتامی کلمات ودعا	استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی احمد سفیان صاحب مدظلہ

ناموں کی فہرست طے کرلینے کے بعد اسے حتمی لسٹ میں تبدیل کردیجیے۔

جب لسٹ مکمل ہوجائے تو اب نقیب محفل کو چاہیے کہ مہمان شخصیات کے مزاج اور علمی وعملی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے لیے موزوں الفاظ اور مناسب القاب کے ساتھ دعوت دینے اور تعارف کرانے کے لیے جملے ترتیب دے۔ اشعار کا انتخاب کرے۔ پروگرام کے موضوع کی مناسبت سے مختصر اقتباسات نوٹ کرے۔ مصرعے مقولے علمی لطائف اور چٹکلے اسے یاد ہونے چاہییں۔

نقابت کا آغاز/مجمع جمانے کی تکنیک:

پروگرام کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے مختصر خطبہ مسنونہ پڑھے، آنے والے مہمانوں کا شکریہ ادا کرے۔ پروگرام کے موقع محل اور مناسبت پر مختصر روشنی ڈالے، غرض وغایت بتلائے، اسٹیج پر موجود معزز مہمانوں کا ضمنی طور پر مختصر تعارف کروائے، مجمع کو جوڑے اور پنڈال سے باہر موجود لوگوں کو پنڈال میں آنے کی دعوت دے۔

جب لوگ پنڈال میں آچکے ہوں اور اسٹیج پر مہمان جلوہ افروز ہوجائیں تو پروگرام کو سجانے اور جمانے کے لیے موقع کی مناسبت سے تحت اللفظ کوئی طویل نظم پڑھے، نعت پڑھے، حمد پڑھے یا

کچھ دیر تک مسلسل خوبصورت لب و لہجے کے ساتھ اشعار پڑھ کر مجمع کو گرمائے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ موضوع کے مطابق مختصر اقتباسات سنائے۔اس تکنیک کے استعمال سے مجمع جم جائے گا۔

دعوت دینے کا انداز/ القاب اور تعارفی جملے:

اب فہرست کے مطابق سب سے پہلے تلاوت کلام پاک کے لیے مناسب القاب اور تعارفی جملوں کے ساتھ محترم قاری صاحب کو دعوت دے۔ مثلاً:

اس نورانی، روحانی اور پروقار تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے کرتے ہیں ۔تلاوت کلام پاک کے لیے میں جس شخصیت کو مدعو کرنا چاہتا ہوں فن تجوید و قرآت کی دنیا میں آپ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ نہ صرف صوبائی اور قومی سطح پر حسن قرأت کے کئی مقابلوں میں ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں بلکہ پاکستان سے باہر بھی آپ کو پاکستان کی نمائندگی کا شرف حاصل ہوا ہے۔حاضرین جلسہ یقیناً میری مراد کو جان چکے ہوں گے، میں ملتمس ہوں، مسحور کن آواز کے مالک اور بین الاقوامی شہرت یافتہ قاری جناب..................صاحب سے کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور قرآن پاک کی تجلیوں سے ہمارے قلوب کو منور فرمائیں۔"

جب قاری صاحب تلاوت کر لیں تو نقیب محفل مائیک پر آئے اور کچھ اس طرح اپنے تأثرات پیش کرے۔

عشق کے عین میں رکھ بندہ رحمان بنا
میری رگ رگ میں اتر ذاکرِ یزدان بنا
نشۂ رمز سلونی مئے ادراک میں رکھ
دل میرا بولتے قرآن کا جزدان بنا

یہ تھے ہمارے ملک کی پہچان اور بین الاقوامی شہرت یافتہ قاری جناب..............صاحب جو اپنی پرسوز آواز اور خوبصورت انداز میں قرآن پاک کے نور سے ہمارے دلوں کو جلا بخش رہے تھے۔

اس کے بعد کوئی ایسا اقتباس یا شعر پڑھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ہو۔تاکہ

نعت خواں صاحب کو دعوت دینے کا ماحول بنایا جاسکے۔ نعت کے بعد اسی نعت کا کوئی شعر پڑھے یا نعت خواں صاحب کے حوالے سے ایک دو تعریفی جملے بول کر پہلے کی طرح خطیب صاحب کو دعوت سخن دینے کا ماحول بنائے اور اسی ترتیب سے پورے پروگرام کو چلاتا جائے۔ درمیان میں وقت کا خیال رکھتے ہوئے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کرے۔

جلسے میں لوگوں کی دلچسپی برقرار رکھنے کا طریقہ:

نقیب محفل کو چاہیے کہ جلسے میں لوگوں کی مسلسل دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے مختصر اشعار، مصرے، مقولے اور جملے بولتا رہے اور پروگرام کو آگے بڑھاتے ہوئے پورے وقت پر ختم کردے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نقیب کو جو بھی پڑھنا ہے یا کہنا ہے وہ انتہائی مختصر ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ چار گھنٹے کے پروگرام میں ڈیڑھ دو گھنٹے صرف نقیب محفل کی باتوں میں صرف ہوجائیں اور باقی تمام خطباء، شعراء، اور قراء حضرات کے لیے وقت انتہائی تنگ ہوجائے۔ نقیب کا یہ فرض ہے کہ مجمع کو کسی لمحہ منتشر نہ ہونے دے۔ بور نہ ہونے دے اور پروگرام کے ساتھ ان کے وابستگی کو باقی رکھنے کے لیے مسلسل کوشش کرتا رہے۔

خطابت اور نقابت میں لہجے کا فرق ملحوظ رکھیں:

☆ خطابت اور نقابت میں کچھ فرق ہوتا ہے۔ لہذا نقیب محفل کو چاہیے کہ اسٹیج پر کسی کو اظہار خیال کی دعوت دیتے ہوئے خطیبانہ لب ولہجہ اور انداز اختیار نہ کرے اور نہ ہی تعارف پر اس قدر وقت خرچ کرے کہ لوگ سمجھیں شاید نقیب محفل نے خطیب کا کام سنبھال لیا ہے۔ نقابت ہمیشہ پر سکون لہجے، خوش اسلوبی اور صوتی تأثرات کا تقاضہ کرتی ہے، لہذا کامیاب نقیب وہی ہوتا ہے جو اس بات کا خیال رکھے۔

القاب وآداب میں مبالغے اور خوشامد سے بچیں:

☆ مہمانوں کو دعوت دیتے ہوئے نقیب محفل ایسا ہرگز نہ کرے کہ اپنے تعلق والے نعت خوانوں، خطباء یا قراء کرام کو تو خوب آداب، القاب سے نوازے لیکن دوسروں کیے لیے ایسا طریقہ اختیار کرے کہ ان کی شخصیت اجاگر ہونے کے بجائے دب جائے۔ ہمیشہ اعتدال سے کام

لے۔اور ہر کسی کو اس کے مقام اور مرتبے کے مطابق مبالغہ کیے بغیر دعوت دے۔دعوت دیتے ہوئے خوشامد اور جانبداری کا تأثر نہیں ملنا چاہیے۔بزرگوں اور بڑے علماء کرام کو دعوت دیتے ہوئے ان کے مزاج کا خیال رکھے۔اپنی آواز، الفاظ اور انداز سے کسی قسم کی غیر سنجیدگی کا اظہار نہ ہونے دے۔

جوش میں ہوش کا دامن تھام کر رکھیں:

☆بعض نقیب محفل اس قدر جوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی شان میں اشعار پڑھتے ہوئے بھی تقدس واحترام کے دائرے سے نکل کر باقاعدہ رقص شروع کر دیتے ہیں اور بولتے وقت ایسا انداز اختیار کر لیتے ہیں جیسے انہیں ''مالیخولیا'' ہو گیا ہو۔یہ انداز ایک دینی محفل کے نقیب کو کسی طور بھی زیب نہیں دیتا۔لہذا جوش میں بھی ہوش کا دامن تھام کر رکھیں اور اپنی شخصیت کے وقار کا خیال کرتے ہوئے ایسی تمام اداؤں سے گریز کریں جو سنجیدہ افراد اور اہل علم کے ہاں اوچھی حرکتیں شمار ہوتی ہیں۔

جلسے کا اختتام/مجمع منتشر کرنے کی تکنیک:

پروگرام کے اختتام پر مجمع کو پرسکون طریقے سے محفل کے تقدس کا خیال کرتے ہوئے اور قانون کا احترام کرتے ہوئے منتشر ہونے کا کہے۔اگر خواتین بھی پردے میں پروگرام میں شریک تھیں تو پہلے انہیں جانے کا کہے، جب وہ چلی جائیں تو پھر مردوں کو اجازت دے۔مرد حضرات کو مصروف رکھنے کی خاطر بے شک کسی شاعر کو بلا کر کوئی خوبصورت نظم پڑھوانا شروع کر دے۔لیکن پروگرام کو اس طرح سے ختم نہ کرے کہ اختتام پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو جائے۔اس سے ایک دینی پروگرام کی تمام تر روحانیت اور مقاصد کے فوت ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

نواں باب

Elocution

اقتباس خوانی اور تحریری خطاب پڑھنے کا طریقہ

Elocution / اقتباس خوانی
(نظم ونثر) اور تحریری خطاب پڑھنے کا طریقہ

Elocution کا تعارف:

فن خطابت کی ایک معروف صنف ایلیکیوشن بھی ہے۔ جس میں عبارت خوانی (Paper Reading) کی جاتی ہے اور وہ پیپر، نظم، نثر یا لکھی ہوئی تقریر کی صورت میں ہوسکتا ہے۔ ریڈیو، اقوام متحدہ، مختلف قومی بین الاقوامی اور مقامی تقریبات میں بہت سے سیاستدان عام طور پر لکھی ہوئی تقریر دیکھ کر پڑھتے ہیں۔ Elocution نہ صرف خطابت کی ایک صنف ہے بلکہ کئی ملکوں میں اس کے باقاعدہ مقابلے بھی منعقد ہوتے ہیں۔ ذیل میں Elocution (تحت اللفظ خوانی) کے اصول وقواعد بیان کیے جارہے ہیں۔

نثر پڑھنے کے اصول:

اقتباس پیش کرنے سے پہلے مطلوبہ اقتباس کو کم ازکم تین مرتبہ خاموشی سے پڑھیں اور عبارت کے مزاج کو جانیں کہ یہ مزاحیہ ہے، المیہ ہے، رزمیہ ہے، عقلیہ ہے، ادیبانہ ہے، صحافیانہ ہے، کس قبیل سے ہے؟

یہ دیکھیں کیا تمام الفاظ آپ پر مکمل طریقے سے واضح ہیں۔ کوئی لفظ ایسا تو نہیں جس کا معنی

سمجھ نہ آرہا ہو یا تلفظ واضح نہ ہو۔

جب آپ مکمل عبارت کو لفظی اور معنوی طور پر سمجھ چکے ہیں تو اب پیراگرافوں کو سمجھیں!

سب سے پہلے یہ دیکھیں کے عبارت میں کل کتنے پیراگراف ہیں۔

پیراگراف کا اصول یہ ہوتا ہے کہ اس سے کسی نئی بات کا آغاز ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ ہر پیرا گراف کے مضمون اور مرکزی خیال کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

جب آپ ہر پیراگراف کے مضمون اور مفہوم کو سمجھ لیں تو اس کے مطابق صوتی آہنگ دینے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کریں۔

اب شروع سے آخر تک مکمل عبارت کے مجموعی مزاج کو سامنے رکھ کر اپنا لب ولہجہ ترتیب دیں یعنی عبارت کا مزاج مزاحیہ ہے تو آپ کے لب ولہجہ میں ہلکی پھلکی شوخی وشرارت ہونی چاہیے۔ عبارت المیہ ہے تو آپ کے لہجے میں دکھ درد اور رنج والم کا رنگ ہونا چاہیے اور عبارت اگر رزمیہ ہے تو آپ کے لہجے میں فاتحانہ جلال ہونا چاہیے۔ اس طرح ہر پیراگراف کے موافق اپنا لہجہ بدل بدل کر مشق کریں۔

کم از کم تین مرتبہ شروع سے آخر تک مکمل عبارت کو وقف، وصل، تلفظ، صوتی آہنگ اور عبارت کے موافق لب ولہجہ کے ساتھ پڑھیں اور چوتھی مرتبہ اسے ریکارڈ کر کے سنیں، غلطیاں نوٹ کریں، اصلاح کریں اور درست ہونے کے بعد پیش کریں۔

مثال:

ذیل میں دی گئی تحریر کو مذکورہ اصولوں کے مطابق پڑھنے کی مشق کیجیے!

محمد آبروئے لفظ یا لفظوں کی رعنائی
محمد علم و حکمت رمز و عرفاں عقل و دانائی
محمد کب کسی انسان کے حد گماں تک ہے
محمد کا سفر غار حرا سے آسماں تک ہے
محمد وہ محمد وہ محمد وہ محمد ہے

جس کے نقش پا سے خلد کا امکان بنتا ہے
جس کی اتباع سے آدمی انسان بنتا ہے
جس کے وصف حسن خلق سے قرآن بنتا ہے

سامعین ذی وقار!

تاجدار نبوت، فخر رسالت، خاتم المرتبت، سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات مبارکہ جو ہمہ جہت خوبیوں اور محاسن و کمالات سے معمور تھی، جس کے تمام گوشوں پر تفصیلی طور پر بیان وافشاء کے ذریعے روشنی ڈالی جائے تو ایک طویل عمر گزر جائے اور ہزاروں صفحات کی تصنیفات وجود میں آجائیں۔۔۔ مگر تشنہ لبی اور تشنہ قلمی باقی رہ جائے۔۔۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ دفتر کے دفتر سیاہ کر دیے جائیں اور قلموں کی سیاہی ختم ہو جائے مگر فخر موجودات، سرور کائنات، محمد عربی کی مدح اور سیرت نگاری کا حق ادا نہ ہو سکے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ شاعر نے کیا خوب عکاسی کی ہے

خیال بس میں نہیں لفظ دسترس میں نہیں
قصیدہ کیسے کہوں پیکر مثالی کا
مجال کیا کہ سمندر کو میں سمیٹ سکوں
کہ میرا ظرف ہے ٹوٹی ہوئی پیالی کا

عزیزان گرامی!

حضور علیہ السلام کی رحمت کو دیکھیں تو آپ رحمت ہیں، رحمت دو عالم ہیں، بلکہ رحمۃ اللعلمین ہیں۔ جہاں کے ذرے ذرے میں آپ کی رحمت، شجر و حجر میں آپ کی رحمت، سمندر کے قطرے قطرے میں آپ کی رحمت، نباتات کے پتے پتے میں آپ کی رحمت نظر آتی ہے۔ رحمۃ اللعلمین وہی ذات ہے جس نے امیری و غریبی، جوانی و پیری، امن و جنگ میں انسانیت کی رہنمائی کی ہو، جس نے بادشاہی و گدائی، مستی و پارسائی، رنج و راحت اور حزن و مسرت کے ہر درجہ، ہر پایہ اور ہر مقام پر قوم کی رہنمائی کی ہو۔

رحمۃ اللعلمین وہی ہو سکتا ہے جس نے بندوں کو خدا سے ملایا ہو، جس نے جلوہ الٰہی انسانوں کو

دکھایا ہو، جس نے دل کو پاک اور روح کو روشن کیا ہو، دماغ کو درست اور طبع کو ہموار بنایا ہو، جس کی تعلیم نے امن عامہ کو مستحکم اور مصلحت عامہ کو استوار کیا ہو۔

رحمۃ للعلمین کا خطاب اسی کو زیبا ہے جس نے فلک کی بلندی میں، زمین کی پستی میں، رات کی تاریکی میں، دن کے اجالے میں، سورج کی چمک میں، جگنو کی دمک میں، ذرے کی پرواز میں، قطرے کی طراوت میں عرفان ربانی کی سیر کرائی ہو۔ جس نے درندوں کو چوپانی، بھیڑیوں کو گلہ بانی، رہزنوں کو جہاں بانی، غلاموں کو سلطانی اور شاہوں کو اخوانی سکھائی ہو۔ جس نے خشک میدانوں میں علم و معرفت کے دریا بہائے ہوں، جس نے سنگلاخ زمینوں میں کتاب و حکمت کے چشمے چلائے ہوں، جس نے خود غرضوں کو محبت قومی کا دردمند ٹھہرایا ہو۔

وہ آئے ہیں جہاں میں رحمۃ للعلمین ہو کر
پناہ بے کساں بن کر شفیع المذنبین ہو کر
خرد کیا کر سکے گی ان کی رفعتوں کا اندازہ
فلک بھی رہ گیا جن کے لیے فرش زمین ہو کر

سامعین مکرم!

گر حضور کے اخلاق کی بات کریں تو پورا قرآن آپ کے اخلاق کا مظہر ہے، قرآن میں ذات وصفات کی آیتیں آپ کے اعمال، تکوین کی آیتیں آپ کا استدلال، قصص و امثال کی آیتیں آپ کی عبرت، تشریح کی آیتیں آپ کا حال ہیں۔

خدمت خلق کی آیات آپ کا حسن معیشت، معاملات کی آیات آپ کا حسن معاشرت، قہر وغلبہ کی آیات آپ کا جلال، مہرورحمت کی آیات آپ کا جمال پیش کرتی ہیں۔

تجلیات کی آیات میں میرے آقا کا مشاہدہ، ترک دنیا کی آیات میں میرے آقا کا مجاہدہ، رحمت کی آیات میں آقا کا رجاء، عذاب کی آیات میں آقا کا خوف، نعیم جنت کی آیات میں آقا کا شوق، جہنم کی آیات میں آقا کا غم نظر آئے گا۔ کسی بھی نوع کی آیت ہو وہ کسی نہ کسی پیغمبرانہ وصف اور کسی نہ کسی مقام کی تعبیر ہے، اور آپ کی سیرت اس کی تفسیر ہے۔ آپ بلاشبہ اصل کائنات ہیں

،روح شش جہات اور حاصل حیات ہیں۔

آبروئے ملت کے پاسبانو!

ہمارے نبی محسن امت ہیں، محسن انسانیت ہیں بلکہ محسن کائنات اور محسن مخلوقات ہیں، جب دنیا سچائی کی روشنی سے دور اور بے نور تھی تو وہ ذات نور پھیلانے کا سبب بنی، وہاں زندگی کا کوئی سامان نہ تھا، لیکن سارے عالم کو زندگی کا سامان ملا، ہدایت ملی، نور ملا، محبت ملی، انسانیت ملی، کلام اللہ ملا، اور کیوں نہ ملتا وہ شمع انور جہاں بھی ہیں آئینہ دار کن فکاں بھی۔ سید کون ومکاں بھی ہیں واقف سر نہاں بھی۔ خوجہ پیغمبراں بھی ہے اور مظہر رب جہاں بھی۔ ہادی گم گشتگاں بھی ہے اور شافع بے چارگاں بھی۔ محسن انساں بھی ہے اور درمان جہاں بھی۔ اور پھر وہ بولتا ہوا قرآن بھی۔ نور ہدایت کا پیکر ہے، مکمل نمونہ حیات ہے خیر البشر ہے، دشمنوں کا خیر خواہ ہے، مظلوموں کا غمخوار اور انسانیت کا محسن اعظم ہے۔

حاضرین مکرم!

حضور ہی وہ ذات ہے جس کی سیرت بھی اعلی، صورت بھی اعلی، جو جامع کمالات ہے، اور پوری انسانیت کے لیے کامل نمونہ حیات اور اسوہ حسنہ ہیں۔ پھر بھلا کسی انسان کی کیا مجال کہ وہ آپ کی سیرت کا حق ادا کر سکے۔ آخر میں یہی کہوں گا۔

کوئی فکر لو نہیں دے رہی کوئی شعر تر نہیں ہو رہا
رہ نعت میں کوئی آشنا مرا ہم سفر نہیں ہو رہا
میں دیار حرف میں مضمحل میں شکستہ پا میں شکستہ دل
مجھے ناز اپنے سخن پہ تھا سو وہ کارگر نہیں ہو رہا
مرے شعر اس کے گواہ ہیں کہ حروف میری سپاہ ہیں
مگر اب جو معرکہ دل کا ہے وہی مجھ سے سر نہیں ہو رہا

تحت اللفظ شعر پڑھنے کے اصول:

شعر پڑھنے کے لیے مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھیں۔

۱۔ شعر پڑھتے ہوئے بلاضرورت جوش اور جذبات کا مظاہرہ ہرگز نہ کریں۔

۲۔ شعر پڑھتے ہوئے اداکاری کا تأثر نہیں آنا چاہیے۔ البتہ شعر کا معنی اور مفہوم چہرے سے ضرور عیاں ہو۔

۳۔ اشعار تحت اللفظ پڑھیں تو بھرپور مشق کے ساتھ پڑھیں، اگر ایک آدھ شعر دورانِ تقریر پڑھنا ہو تو پھر سُر لگانے یا ترنم سے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ مقابلے کی تقریر میں شعر کبھی ترنم سے نہ پڑھیں۔

۴۔ شعر کے آہنگ اور وزن کو سمجھیں، آہنگ پر دسترس حاصل کیے بغیر شعر پڑھنا شعر کے تأثر کو ضائع کرنے والی بات ہے۔ لہٰذا وزن کی حس اپنے اندر پیدا کریں۔

۵۔ شعر کا آہنگ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ چلتے پھرتے ایک ایک شعر کو دھراتے رہیں، اس سے شعر کی ادائیگی ایک خاص ہیئت اور شکل اختیار کرلے گی۔ اس طرح مشق کرتے رہیں۔ اور اشعار کے آہنگ اور ہیئت ترتیب دیتے رہیں۔ اپنی مخصوص فارم اور ہیئت کے ساتھ ادا کیے جانے والا شعر بھرپور تأثر کے ساتھ دل میں ترازو ہوجاتا ہے۔

۶۔ شعر پڑھتے ہوئے لفظ کے سکون و حرکت کی پوری پابندی کریں۔ کیونکہ شعر میں کسی ساکن حرف کو متحرک اور متحرک کو ساکن کردینے سے شعر نظم کے بجائے نثر بن جاتا ہے اس کا وزن تباہ ہوجاتا ہے۔

۷۔ شعر پڑھتے ہوئے تلفظ کا بھرپور خیال رکھیے۔ ہمیشہ وہی شعر اپنا تأثر چھوڑتا ہے جو درست وزن اور صحیح تلفظ کا حامل ہو۔

۸۔ شعر کی روانی کو محسوس کریں، ''کسرہ اضافی اور کسرہ توصیفی'' میں یہ خیال رہے کہ کہاں محض زیر کے بقدر کھینچنا ہے اور کہاں زیر کو یے سے تبدیل کرنا ہے۔

۹۔ اسی طرح مرکب عطفی میں ''واؤ'' کا خیال رکھیں۔ وزن کو محسوس کریں، روانی کو سامنے رکھیں اور یہ دیکھیں کہ کہاں ''واؤ'' کی پوری آواز دینی ہے اور کہاں ماقبل حرف کو صرف واو کی بو دینی ہے۔

۱۰۔ الف، واو اور یا حروف علت ہیں۔ لہٰذا شعر پڑھتے ہوئے خیال رہے کہ کہاں ''الف'' کو گرا

کر محض زبر باقی رکھنا ہے کہاں ''واؤ'' کو گرا کر محض پیش کی آواز باقی رکھنی ہے۔ اور کہاں ''یا'' گرا کر محض زیر کو باقی رکھنا ہے۔

اگر مذکورہ اصولوں کے مطابق اشعار کی مشق کر لی جائے تو شعر پڑھنے اور دل میں اتارنے کا ملکہ پیدا ہو جائے گا۔

ذیل میں دی گئی نظم کے اشعار کو وزن، آہنگ اور روانی کا خیال کرتے ہوئے تحت اللفظ پڑھنے کی مشق کریں۔

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن کرمِ کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب
عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات
علم مقام صفات عشق تماشائے ذات
عشق سکون و ثبات عشق حیات و ممات
علم ہے پیدا سوال عشق ہے پنہاں جواب
عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگیں
عشق مکان و مکین عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقیں اور یقیں فتح باب
شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
شورش طوفاں حلال لذت ساحل حرام
عشق پہ بجلی حلال عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب

دسواں باب

Declamation

منظر کشی اور جذباتی خطاب کا طریقہ

Declamation
منظر کشی اور جذباتی خطاب کا طریقہ

ڈیکلمیشن (Declamation) کا تعارف:

ڈیکلمیشن کا بنیادی اصول یہ ہے کہ مقرر کسی مزاحیہ یا المیہ موضوع پر لفظی تصویر کشی کرتا ہے۔ وہ اپنی ہر بات کو مدلل طریقے سے پیش کرنے کی بجائے زیادہ تر افسانوی رنگ، جذباتی روپ، تخیلاتی تناظر، تمثیلی اور تصوراتی انداز اور ڈرامائی طریقے سے اس طرح پیش کرتا ہے کہ سامعین خود کو اس جگہ محسوس کرتے ہیں۔ اس انداز میں مقرر ایک داستان گو یا ایک ایسے سپہ سالار کی صورت میں سامنے آتا ہے جو ساری کشتیاں جلا کر اپنے لشکر کو دشمن سے ٹکرانے پر آمادہ کر رہا ہوتا ہے۔

ہماری روایتی خطابت میں اس سے ملتی جلتی مثالیں اس وقت سامنے آتی ہیں جب خطباء جنگ بدر، غزوہ احد، صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے جنگی معرکوں، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت، اکابرین امت کی قربانیوں، جنت، دوزخ اور آپ علیہ السلام کی ولادت کو بیان کرتے ہوئے منظر کشی کرتے ہیں۔ لیکن یہ ڈیکلمیشن نہیں ہے کیونکہ یہ تمام عنوانات انتہائی پاکیزہ، مقدس، معطر، منور اور مذہبی ہیں۔ جن کو عوام الناس کے سامنے بیان کرنے کا مقصد انتہائی اعلیٰ اور ارفع ہوتا ہے، جبکہ ڈیکلمیشن صرف طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا ایک ذریعہ اور تقریری مقابلوں کی وہ صنف ہے جو سنجیدگی کے ساتھ ساتھ خطابت میں مزاح کو بھی اپنے مکمل اظہار کا

موقع فراہم کرتی ہے۔ ہماری کلاسیکل خطابت میں بھی اگرچہ مزاح کا عنصر شامل ہوتا ہے لیکن خوش طبعی کی حد تک اور آٹے میں نمک کے برابر، تاکہ خالص علمی، فکری اور اصلاحی پیرائے میں کی جانے والی گفتگو کے درمیان دلچسپی برقرار رکھی جاسکے۔

واقعہ نگاری، روایتی خطابت اور ڈیکلیمیشن:

اگر واقعہ نگاری کے تناظر میں ڈیکلمیشن کو دیکھا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ روایتی تقریر میں واقعہ نگاری کے دوران منظر کشی علیحدہ سے کوئی صنف نہیں ہے بلکہ تقریر اور بیان ہی کا ایک حصہ یا جزو ہوتی ہے جو ضمناً، ضرورتاً، فی البدیہہ اور بغیر کسی شعوری کوشش کے اپنا اظہار کرتی ہے۔ جبکہ ڈیکلمیشن میں منظر کوئی ذیلی یا ضمنی چیز نہیں ہے بلکہ اصلی اور مقصودی چیز ہے۔ ڈیکلمیشن کے مقابلے کا مقصد ہی لفظی تصویر کشی یا صوتی تاثر کے ذریعے جذبات برانگیختہ کرنے کا مقابلہ ہے۔ یعنی کون ہے جو اپنی آواز اور اپنے الفاظ سے سب سے اچھی تصویر بناتا ہے اور لوگوں کے جذبات بھڑکاتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ تقریر نہیں ہے بلکہ تقریر ہی کی طرح خطابت کی ایک علیحدہ اور مستقل صنف ہے۔

ڈیکلیمیشن اور تقریر میں فرق:

تقریر اور ڈیکلمیشن میں وہی فرق ہے جو مضمون اور افسانے میں ہے۔ ڈیکلمیشن میں تقریر کی طرح موضوع کو اجاگر کرنے کے لیے اعداد و شمار، اقوال، حوالہ جات، اور منطقی استدلال سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ ایک تمثیل یا واقعہ کو لے کر اس کی جزئیات کو ادبی انداز میں ترتیب وار لفظی اشارات کے ساتھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جونہی آخری جملہ ادا ہوتا ہے موضوع کا پورا مضمون کھل کر واضح ہو جاتا ہے اور ایک منظر اور تصویر بھی مکمل ہو جاتی ہے۔ ایسی تصویر جو لوگوں کے ذہن کے کینوس پر الفاظ کے برش اور جذبات کے رنگوں سے وجود میں آئی ہے۔ جونہی یہ تصویر مکمل ہوئی، اگر موضوع مزاحیہ ہوگا تو یہ منظر مکمل ہونے پر مزاح جنم لے گا اور آپ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل جائے گی۔ اور اگر موضوع سنجیدہ ہوگا تو منظر مکمل ہونے پر ایک المیہ جنم لے گا،

آپ کی آنکھیں پرنم ہو جائیں گی اور دل جذبات سے معمور ہو جائے گا۔

چنانچہ ڈیکلمیشن میں جب ایک تصویر مکمل ہوتی ہے تو مطلوبہ موضوع پر کسی پہلو سے ایک منظر کا ڈرامائی انداز میں اختتام بھی ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیے! یہ منظر اس وقت تک جان دار نہیں ہو سکتا جب تک مقرر منظر کے تمام جملوں اور جزئیات پر محنت کر کے انہیں ''مضمون'' اور ''ادا'' دونوں طریقوں سے انسانی خیالات، جذبات اور احساسات کے بہترین عکاس کے طور پر پیش نہیں کرتا۔ ڈیکلمیشن میں تقریر کی طرح یوں نہیں ہوتا کہ جونہی مقرر پہلا جملہ بولے لوگ اسے سراہنا شروع کر دیں یا ہر بیس پچیس سیکنڈ بعد اسے سامعین کی طرف سے داد مل رہی ہو بلکہ یہاں مقرر کو لوگ اس وقت داد دیتے ہیں جب وہ ایک سے ڈیڑھ منٹ میں لفظی تصویر کشی کرتے ہوئے آخری جملہ بول کر منظر کا ڈرامائی اختتام کرتا ہے۔

ڈیکلیمیشن کا موضوع:

ڈیکلمیشن کا موضوع ایک جملہ بھی ہوتا ہے اور کوئی محاورہ یا کسی شعر کا مصرعہ بھی ہو سکتا ہے، جیسے: ''بھوک تہذیب کے آداب بھلا دیتی ہے'' ''دل سے میں نے مانگا پاکستان'' ''ہم تو شرمندہ ہیں اس دور کے انساں ہو کر'' ''ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت'' ''ہاں مجھے تنقید کا حق ہے'' ''اے وقت گواہی دے ہم لوگ نہ تھے ایسے'' وغیرہ وغیرہ۔ ڈیکلمیشن کا موضوع غیر جملہ بھی ہو سکتا ہے جیسے کراچی میں ایک آل پاکستان ڈیکلمیشن کے مقابلے میں مزاحیہ موضوع تھا ''نامعلوم افراد''۔

ڈیکلیمیشن کا آغاز:

ڈیکلمیشن میں سب سے اہم چیز آغاز ہے۔ جب آپ منظر کی جزئیات کو لے کر آگے بڑھتے ہیں تو دھیمے انداز میں آغاز کرتے ہیں۔ اور آغاز میں پورا پورا جملہ نہیں بولتے بلکہ چھوٹے چھوٹے لفظی اشارے کرتے ہیں۔ تصویر تکمیل کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آواز بھی بلند ہوتی جاتی ہے، اور موقع کی مناسبت سے اس میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ آخری

جملہ آپ حسن مضمون اور حسن ادا کے اعتبار سے پورے عروج پر جا کر بولتے ہیں۔ یہ جملہ پورے موضوع کو کھول دیتا ہے۔

منظر کو موضوع کے ساتھ منطبق کرنا:

ڈیکلمیشن میں جب ایک لفظی تصویر مکمل ہو جائے تو بہتر صورت یہ ہے کہ مقرر اس تصویر کو مکمل کر کے چھوڑے نہیں، بلکہ اس کے بعد موضوع کے مصرعے یا جملے کو دہرا کر اس تصویر کو اپنے موضوع کے ساتھ منطبق کر دے۔ جیسے ایک پہلو پر بات کرتے کرتے جب بات مکمل ہوئی تو فوراً ہی اسے موضوع کے ساتھ جوڑنے کے لیے موضوع کو دہراتے ہوئے کہا: ''ہم تو شرمندہ ہیں اس دور کے انساں ہو کر۔'' اس کے بعد'' جناب صدر!'' کہہ کر آپ اس موضوع پر دوسرا منظر بنانے لگتے ہیں۔ اور جونہی وہ منظر مکمل ہوتا ہے آپ موضوع کے مصرعے کو اس منظر کے ساتھ منطبق کر کے کہتے ہیں: ''ہم تو شرمندہ ہیں اس دور کے انساں ہو کر۔'' اس طریقے سے ہر پہلو پر ایک لفظی تصویر مکمل کر کے اس کے آخر میں جب آپ موضوع کی عبارت کو دہرا دیتے ہیں تو آپ کی بات خلا میں اٹکی نہیں رہتی بلکہ موضوع کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے۔

پہلی مثال:

موضوع ''میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی''

اکتوبر 2001ء......... برادر اسلامی ملک افغانستان پر امریکی حملے...... ہر طرف آگ بھڑک رہی ہیں...... آسمان سے بم برس رہے ہیں...... زمین پر شعلے لپک رہے ہیں...... جسم ہیں کہ جھلس رہے ہیں...... ہڈیاں ہیں کہ چیخ رہی ہیں...... کلیجے ہیں کہ پھٹ رہے ہیں۔

ہاشمی گھرانے کی ام مشعل...... اپنی معصوم بیٹی اور محبت کرنے والے شوہر کے ساتھ...... کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹک رہی ہے۔

اچانک فلک شگاف قہقہے بلند ہوتے ہیں ...... دو ٹانگوں والے وحشی درندے جنہیں دعویٰ مسلمانی بھی ہے، بے یار و مددگار سادات خاندان پر بندوقیں تان لیتے ہیں۔......

پھول سی بچی کے باپ کو شہید کرنے کے بعد اپنی ہوس کی غلیظ پیاس بجھانے کے لیے وہ ام

مشعل کی طرف بڑھتے ہیں۔......سید خاندان کی وہ عفیفہ جس کے جسم کے ساتھ کبھی غیر محرم کا ہاتھ مس نہ ہوا تھا، اب شیطانوں کے نرغے میں تھی۔تب وہ اپنے سے کئی گنا دشمن سے ٹکرا گئی، اپنی عفت بچا گئی......آج امت مسلمہ کی بیٹی کا لباس تار تار ہے.....جسم زخموں سے چور چور ہے..... اور چہرہ خون آلود ہے۔لیکن عیش و عشرت کی پروردہ.......اسلام کی دلدادہ.......شوہر اور بیٹی کا لہو دیکھنے والی مومنہ.......نام نہاد مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں، زخم اٹھانے والی عفیفہ......جان کنی کے عالم میں بھی اپنے معبود سے شکوۂ تقدیر کے بجائے یہ کہہ رہی ہے.......

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اے سرابوں کے پیچھے بھاگنے والے مخبوط الحواس انسانو!

اے اقتدار کی غلام گردشوں میں سرمست اور مدہوش حکمرانو!

اے ڈرائنگ روموں میں جوڑ توڑ کی مہارت کا ثبوت دینے والے شاطرو!!

اے مادی مفادات کی خاطر اصولوں کا سودا کرنے والے ضمیر فروشو!

اے مال و زر کے عشق میں پاگل ہو جانے والے تاجرو!

اے شاپنگ کے لئے حیاء کا زیور اتار پھینکنے والی عورتو!

اے صحافت کو نفع بخش تجارت بنانے والے قلم کارو!

اے ثقافت کے نام پر کثافت پھیلانے والے بھانڈو! میراثیو اور فنکارو!

ذرا سوچو! آج جو کچھ ہم کر رہے ہیں کیا یہی ہماری زندگی کا مقصد ہے؟

دوسری مثال:

موضوع ''کتنا ویراں ہے تیرا مسکنِ عشق''

صدر عالی وقار! شہر کراچی......کچے پکے گھر کا باسی......ایک بانکا سجیلا جوان......روشن مستقبل کی تلاش میں......ماں باپ کو چھوڑ کر سات سمندر پار چلا جاتا ہے......اداس آنگن صدا دیتا ہے......آجا عمریا بہت ہے چھوٹی......اپنے گھر میں بھی ہے روٹی......لیکن خوابوں کا شہزادہ......

خواہشوں کا راجہ۔۔۔وطن کی طرف پلٹ کر نہیں آتا...... پانچ سال بیت گئے...... لیکن کئی روز سے ایک کوا کچے پکے گھر کی دیوار پر کائیں کائیں کرتا ہے...... بوڑھے ماں باپ کے دل میں امید جاگ اٹھتی ہے۔۔۔شاید پردیسی گھر لوٹ کر آنے والا ہے...... لیکن کوا جن مہمانوں کی خبر دیتا ہے وہ گھر لوٹنے والے نہیں گھر لوٹنے والے ہوتے ہیں...... اچانک ایک تاریک رات۔۔۔تڑاتڑ گولیاں برستی ہیں اور انتظار کی ماری دو لاشیں زمین پر گرتی ہیں...... جن کی آنکھیں آج بھی دروازے پر لگی ہیں۔۔۔اور ان میں پیسے کی خاطر سب کچھ بھول جانے والوں کے لیے ایک سوال ہے...... شہر کشور سے چاہِ کنعاں تک...... کس قدر فاصلہ ہے یہ تو بتا...... کتنا ویراں ہے تیرا مسکنِ عشق...... میرے یوسف پلٹ کر دیکھ ذرا......

تیسری مثال:

موضوع ''لا نبی بعدی''

مسلمانو یاد رکھو! زندگی کے چند روز۔۔۔ساون کے بادلوں کی طرح گزر جائیں گے۔۔۔ اور بالآخر وہ وقت آجائے گا۔۔۔ جب جسم ڈھیلا پڑ جائے گا۔۔۔ جب آنکھیں الٹ جائیں گی۔۔۔ جب نتھنے پھیل جائیں گے۔۔۔ جب سانسیں اکھڑ جائیں گی۔۔۔ جب گردن ایک طرف لڑھک جائے گی۔۔۔ جب موت کی ہچکیاں لگیں گی۔۔۔ جب روح جسم سے پرواز کر جائے گی۔۔۔ ہمارا ناز ونعم سے پلا ہوا جسم بے جان پتھر کی طرح پڑا ہوگا اور ہر مرنے والے کی طرح ہمیں بھی پیوند زمین کر دیا جائے گا۔۔۔ قیامت کی صبح کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔۔۔ پھر حشر کا میدان ہوگا۔۔۔ سورج انگارے اگل رہا ہوگا۔۔۔ تپتی ہوئی زمین ہوگی۔۔۔ گرمی کی ہولناکیاں وسفاکیاں ہوں گی۔۔۔ ہر کوئی اپنے اعمال کے بقدر پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا۔

اس روز ہمارے یار دوست سب چھوڑ جائیں گے۔۔۔ ہم نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔۔۔ ہم بے بس وبے کس ہوں گے۔

جب اس عالم کسمپرسی میں ہم شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوں گے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے سوال کریں گے:

''تمہارے سامنے میری نبوت و رسالت پر ڈاکہ زنی ہوتی رہی تم نے کیا کیا؟ میری نازل ہونے والی کتاب میں تحریف کے طوفان برپا ہوتے رہے تم نے کیا کیا؟ میری احادیث کو لخت لخت کیا جاتا رہا تم نے کیا کیا؟ میری چہیتی بیٹی فاطمہ اور لاڈلے حسین کی شان میں گستاخیاں کر کے مجھے ستایا گیا تم نے کیا کیا؟ میری ازواج مطہرات، میرے اہل بیت، میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین اور میری امت کے اولیاء کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا تم نے کیا کیا؟''

قادیانیوں کے ساتھ محبت بھرے تعلقات رکھنے والو! قادیانیوں کی تقریبات میں بڑھ چڑھ کر حصے لینے والو یاد رکھو! جب تم قادیانیوں سے ملتے ہو تو گنبد خضرا میں دلِ مصطفی ﷺ دکھتا ہے۔

آخری بات:

آج کل ڈیکلیمیشن کے مقابلوں میں دیکھنے میں آتا ہے کہ مقرر ابتدایئے کے طور پر تو موضوع کی ڈرامائی انداز میں لفظی تصویر کشی کرتا ہے۔ لیکن جب ابتدائیہ میں ایک تصویر مکمل ہو جاتی ہے تو پھر وہ تقریر کا اسٹائل اختیار کر لیتا ہے اور اختتام پر آ کر دوبارہ پھر ایک لفظی تصویر بنا دیتا ہے۔ جبکہ بعض مقررین اختتام تک تقریر ہی کا اسٹائل اختیار کیے رہتے ہیں، ڈیکلیمیشن کے اسٹائل میں آتے ہی نہیں۔ اس حوالے سے لاہور اور کراچی کے مقررین کی صورت حال خاصی دل چسپ ہے اور آل پاکستان مقابلوں میں اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے کہ کراچی کے مقررین میدان مباحثہ کے تو شہسوار ہیں البتہ ڈیکلیمیشن میں لاہور اور پنجاب کے مقررین کا تجربہ زیادہ ہے۔

(ڈیکلیمیشن کے اصول اور آداب جناب عابد علی امنگ صاحب سربرہ پاکستان ڈبیٹ کونسل کراچی کی رہنمائی میں ترتیب دیے گیے ہیں۔)

گیارہواں باب

فن مباحثہ (Debate)
پارلیمانی طرز خطابت کی مشق
اور موضوعات عقلیہ میں بحث کا طریقہ

فن مباحثہ (Debate)

مباحثہ کا تعارف:

اسکول، کالجز اور یونیوسٹیوں میں طلبا کو مثبت سرگرمیوں کا خوگر بنانے اور ان کی ذہنی و فکری صلاحتیوں کو جلا بخشنے کے لیے ''دوطرفہ خطابت'' یعنی مباحثوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ مباحثے میں طلبا کو مسائل عقلیہ میں بحث اور پارلیمانی طرز خطابت یعنی اسمبلی میں کی جانے والی تقریر کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ مباحثے کا ماحول بھی پارلیمنٹ سے ملتا جلتا ماحول ہوتا ہے۔

قائد ایوان اور قائد حزب اختلاف:

جس طرح حقیقی اسمبلی ہال میں ایک قائد ایوان (وزیر اعظم) ہوتا ہے اور اس کے حکومتی رفقا ہوتے ہیں اسی طرح مباحثے کے لیے بھی ایک ہال ہوتا ہے جسے ''ایوان'' کہا جاتا ہے۔ اور اس ایوان کا ایک ''قائد ایوان'' ہوتا ہے۔ جس طرح اسمبلی میں حزب اختلاف کی جماعت ہوتی ہے اور ان کا ایک قائد ہوتا ہے جسے قائد حزب اختلاف کہا جاتا ہے۔ اسی طرح مباحثے کے ایوان میں بھی قائد ایوان اور ان کے رفقاء کی تعداد کے مساوی حزب اختلاف کی جماعت ہوتی ہے اور اس کا ایک قائد بھی ہوتا ہے جسے قائد حزب اختلاف کہا جاتا ہے۔

قرارداد اور رائے شماری:

جس طرح حکومتی جماعت اگر ملک میں کوئی قانون لانا چاہتی ہے تو اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ پہلے اسے قرارداد کے طور پر اسمبلی میں پیش کیا جاتا ہے جہاں حکومتی اراکین اور وزیر اعظم اس قانون کو پارلیمنٹ سے پاس کروانے کے لیے اس کے حق میں دلائل دیتے ہیں جبکہ حزب اختلاف کے اراکین اور قائد حزب اختلاف اس قانون کو پارلیمنٹ سے مسترد کروانے کے لیے اس کی مخالفت میں دلائل دیتے ہیں۔ جب دونوں طرف سے دلائل مکمل ہو جاتے ہیں تو پھر ایوان میں رائے شماری کرائی جاتی ہے۔ اراکین اسمبلی جس طرف زیادہ تعداد میں اپنی رائے کا اظہار کر دیں اسی طرف کے لیے فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اگر قانون کی حمایت کرنے والے زیادہ ہوں تو قائد ایوان اور اس کے حمایتی رفقاء کامیاب ہو جاتے ہیں اور اگر قائد حزب اختلاف اور ان کے رفقاء اپنے دلائل سے لوگوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور قانون کی مخالفت کرنے والے اسمبلی میں اپنی زیادہ تعداد کا اظہار کر دیں تو پھر قانون مسترد ہو جاتا ہے اور حزب اختلاف کامیاب ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح کا ماحول مباحثے کے ہال میں ہوتا ہے۔ پہلے ایک ''قرارداد'' پیش کی جاتی ہے۔ پھر قائد ایوان ''موافقت کے ڈائس'' پر آ کر اس قرارداد کی وضاحت کرتا ہے اور اس کی موافقت میں اپنے دلائل پیش کرتا ہے۔ پھر قائد حزب اختلاف تشریف لاتے ہیں اور ''مخالفت کے ڈائس'' پر کھڑے ہو کر قرارداد کی قائد ایوان کی جانب سے پیش کردہ وضاحت اور دلائل پر تنقید اور اعتراضات کے ذریعے اپنا جوابی اور مخالفانہ موقف پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد دلائل کی جنگ باقاعدہ طور پر شروع ہو جاتی ہے۔ قرارداد کی موافقت اور مخالفت میں لڑنے والے لفظوں کے معرکے میں اترتے چلے آتے ہیں۔

مباحثے میں مقررین کی ترتیب:

قائد حزب اختلاف کی تقریر کے بعد پہلے قرارداد کے حق میں گفتگو کرنے والے مقرر کو دعوت دی جاتی ہے اس کے بعد قرارداد کی مخالفت کرنے والے مقرر کو بلایا جاتا ہے۔ پھر اسی طرح ترتیب کے ساتھ مباحثہ جاری رہتا ہے۔ ایک موافقت کا مقرر، اس کے جواب میں ایک مخالفت کا

مقرر آتا رہتا ہے۔ جب تمام مقررین اپنی اپنی تقریر کر چکیں تو آخر میں ایک مرتبہ پھر قائد حزب اختلاف کو موقع دیا جاتا ہے تاکہ وہ قائد ایوان کی تقریر سے پہلے بحث کو اپنے مؤقف کے حق میں ڈھال سکے۔ قائد ایوان چونکہ بحث کا آغاز کرتا ہے لہذا بحث کے آخر میں بحث کا اختتام کرنے کے لیے بھی اسے ہی بلایا جاتا ہے۔ اختتامی تقریر میں قائدین اپنے اپنے مؤقف پر مقررین کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کا جواب تو دے سکتے ہیں لیکن اپنے مؤقف کا اعادہ وہ اپنے پچھلے دلائل کے نتائج کے ساتھ ہی کر سکتے ہیں۔ اختتامی تقریر میں قائدین کو نئے دلائل شامل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ مباحثے میں مقررین کی ترتیب کچھ یوں ہوتی ہے۔

آغاز	قائد ایوان (پہلی تقریر/دعویٰ کا اثبات)		قائد حزب اختلاف (دوسری تقریر/دعویٰ کی نفی)
۱	قراداد کے حق میں دلائل دینے والا پہلا مقرر	۲	قراردادکی مخالفت میں دلائل دینے والا پہلا مقرر
۳	قراداد کے حق میں دلائل دینے والا دوسرا مقرر	۴	قراردادکی مخالفت میں دلائل دینے والا دوسرا مقرر
۵	قراداد کے حق میں دلائل دینے والا تیسرا مقرر	۶	قراردادکی مخالفت میں دلائل دینے والا تیسرا مقرر
۷	قراداد کے حق میں دلائل دینے والا چوتھا مقرر	۸	قراردادکی مخالفت میں دلائل دینے والا چوتھا مقرر
اختتام	پہلی تقریر قائد حزب اختلاف (قائد ایوان کے رفقاء کا جواب)		آخری تقریر قائد ایوان (قائد حزب اختلاف کے رفقاء کا جواب)

قائدین کے لیے وقت کی قید:

مباحثے میں قائدین کی تقریر کے لیے وقت کی قید بظاہر نہیں ہوتی لیکن انہیں کہا جاتا ہے کہ وہ دس سے پندرہ منٹ کے اندر اندر اپنے مؤقف کو پیش کریں جبکہ مقررین کے لیے ۳ سے ۴ منٹ کا

وقت طے ہوتا ہے۔ تین منٹ پر پہلی گھنٹی بجائی جاتی ہے، ۴ منٹ پر دوسری گھنٹی بجائی جاتی ہے۔ اس کے بعد ۱۵ سیکنڈ جملہ مکمل کرنے کے لیے دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر نمبر کٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔

یہ تقریری مباحثے کی ترتیب ہے لیکن مباحثہ صرف تقریری ہی نہیں تحریری بھی ہوتا ہے۔ دو افراد کسی علمی و فکری موضوع پر مدلل تحریر کی صورت میں بحث مباحثہ اور مکالمہ کرتے ہیں۔ دونوں کے اصول و آداب میں فرق اسلوب کا ہے۔ تقریر میں ابلاغ صوتی ہے جبکہ تحریر میں ابلاغ غیر صوتی ہے۔ البتہ زیر بحث مسئلے کی تحقیق جانچ پرکھ اور دلائل مرتب کرنے کا انداز یکساں ہے، بلکہ تقریری مباحثے میں پہلے تحریری تیاری ہوتی ہے۔ گویا مباحثہ تقریر سے پہلے تحریر کی صورت میں وجود میں آتا ہے۔

مباحثے کا تاریخی پس منظر:

مباحثے کے تعارف کے بعد اب ہم اس کے تاریخی پس منظر کو جانتے ہیں۔

یونان میں مباحثے کی روایت:

مباحثے کا تاریخی پس منظر بھی وہی ہے جو خطابت کا ہے۔ یعنی اصول وضوابط کی تدوین اور اس فن کے ابلاغ کا اظہار خواہ تقریری ہو یا تحریری اس کا سب سے قدیمی دور یونانی تہذیب میں موجود جمہوریت سے جا ملتا ہے۔ قدیم یونان چھوٹی چھوٹی کئی ریاستوں پر مشتمل تھا۔ جن میں "اسپارٹا" "ایتھنز اور" "مقدونیہ" خاص شہرت رکھتی ہیں۔ تمام یونانی ریاستوں میں جمہوریت رائج تھی۔ جس کی وجہ سے ہر ریاست دوسری ریاست پر قبضہ کر کے اس کے وسائل ہڑپ کر لینا چاہتی تھی۔ اس کے لیے ایک طاقت ور فوج کی ضرورت تھی۔ چنانچہ یونانی تہذیب میں نوجوانوں کو دو فن خصوصیت سے سکھائے جاتے تھے۔ ایک تن سازی و فوجی تربیت اور دوسرا مباحثہ و تقریر۔

اسپارٹا:

اسپارٹا کا اپنا ایک خصوصی آئین تھا "برابر حقوق رکھنے والوں کا کمیون" اس کی حکمرانی دو بادشاہ کرتے اور ایک ایسی کونسل جس میں بزرگ اور دانشور ممبر ہوا کرتے تھے، جو ریاستی معاملات پر بحث مباحثہ کرتے۔ یہ لوگ اعلیٰ خاندان سے منتخب ہو کر آتے اور ان میں سے کوئی بھی ساٹھ سال

سے کم عمر نہ ہوتا تھا۔ اسپارٹا میں سات سال کی عمر سے بچے سرکاری اسکولوں میں بھیج دیئے جاتے تھے۔ اسکول میں جہاں انہیں جرأت، پیش عملی، محنت اور لگاؤ پیدا کرنے کی تربیت دی جاتی تھی، وہاں جسمانی تربیت بھی ملتی تھی۔ اس کے علاوہ بیس سال سے زیادہ عمر کا ہر اک ''اسپارٹین'' پابند ہوتا تھا کہ وہ فوجی سروس اختیار کرے اور عوامی اجتماعات میں بزرگ دانشوروں سے مباحثہ کرے۔ یہاں نوجوانوں اسپارٹین سے یہ توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ الفاظ کا بہتر سے بہتر استعمال کرتے ہوئے گفتگو کریں۔ مباحثے اور فوجی تربیت کے رواج نے اسپارٹا کی ریاست کو اس قابل بنا دیا کہ وہ ایک زبردست نظریاتی فوج تیار کرے۔

ایتھنز:

اسپارٹا کی مخالف ریاست ایتھنز تھی۔ یہاں اشرافیہ طرز کی جمہوریت تھی۔ اشرافیہ کی کونسل بزرگوں پر مشتمل تھی۔ یہ ریاست کا سب سے اہم ادارہ تھا۔ اس کے عہدوں کو ''آرکون'' کہا جاتا۔ یہ لوگ بھی ریاستی معاملات اور مسائل کے حل کے لیے بحث و مباحثہ کرتے۔ خطابت کرتے۔ اس دور کی سب سے اہم سیاسی شخصیت ''پیریکل'' تھا۔ پیریکل پندرہ سال ایتھنز کی ریاست کا بلاشبہ اہم رہنما رہا۔ وہ ماہر سیاستدان اور ''سحر انگیز ڈبیٹر'' تھا۔ لوگ اسے ''اولمپین'' کہتے تھے۔ اس کے دور میں شہر کی تمام زندگی عوامی اسمبلی سے منسلک تھی۔ سیاسی اور سماجی امور میں اسمبلی کا ایک اہم کردار تھا۔ اسمبلی کا اجلاس ہر دس دن بعد منعقد ہوتا اور ایتھنز کے ہر شہری کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اجلاس میں تقریر کر سکے، بحث کر سکے اور اپنی تجاویز پیش کر سکے۔ یونان میں عوام کو ''ڈیمو'' کہا جاتا تھا۔ یہاں بڑے بڑے ہال اور جمنیزیم قائم تھے۔ نوجوان لڑکے جمنیزیم میں اکٹھے ہوتے جہاں نامور مفکر لیکچر دیتے۔ علمی بحث و مباحثہ کرتے اور تجربہ کار استاد جسمانی ورزش کی تربیت دیتے۔ پیریکل یا پیری کلینز کے بعد کیلیون اور ایلکی بائیڈس جیسے اہم مقرر، ڈبیٹر، مناظر اور سیاستدان ایتھنز کی سیاست میں قائدانہ کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ یونان کی اس عمومی فضا کا اثر یہ ہوا کہ دوسرے علاقوں سے خطبا اور بحث و مباحثہ کرنے والے یونان کا رخ کرنے لگے۔ وہ مختلف موضوعات پر بات چیت کے مواقع تلاش کرتے اور بحث و مباحثے کی محفلیں سجاتے۔

مقدونیہ:

اسپارٹا اور ایتھنز کے بعد مقدونیہ کی ریاست میں یونان کی آواز کو فلپ کی تلوار سے بچانے والا دنیا کا عظیم خطیب ''ڈیموستھین'' پیدا ہوا۔ (322,284 ق م) ڈیموستھین اکھڑی سانسوں، کمزور آواز اور بری حرکات وسکنات والا ایک ایسا شخص تھا جسے کبھی بھی کوئی سننا پسند نہ کرتا، لیکن اس نے خطابت اور مباحثے کے فن میں اس قدر محنت کی کہ زبان کی لکنت دور کرنے کے لیے منہ میں بجری رکھ کر بولنے کی مشق کرتا، کئی کئی میل پیدل چلتا اور بدن بولی کو مؤثر بنانے کے لیے لکڑی کے سانچوں میں اپنے کندھوں کو ڈال کر تقریر کی مشق کرتا تھا۔

مباحثے کے اصول وضوابط اور یونانی فلاسفہ:

جب خطابت اور مباحثے سے لوگوں کا تعلق اس قدر بڑھا تو پھر فلسفی اس فن کے اصول وضوابط مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ یونانی تہذیب میں مباحثہ ایک باقاعدہ علم اور فن کی حیثیت سے داخل ہوا۔ اہل عرب نے اسے ''جدل'' کا نام دیا ہے۔ جبکہ یونانی اس کے لیے dialigein (دوطرفہ گفتگو، مکالمہ) dianoia (قوت استدلال) استعمال کرتے تھے۔ dialigein نے انگریزی میں dialouge کی شکل اختیار کر لی۔

ہیراقلیتس (Heraclitus of ephesus):

تاریخ دانوں میں Fyodorkorvkin نے ہیراقلیتس (heraclitus of ephesus) (544,484 ق م) کو پہلا فلسفی قرار دیا ہے جس نے علمی طور پر بحث ومباحثے کا رویہ اپنایا۔ اس میں وہ عقل کے تناظر کا داعی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے افکار کی روشنی میں لوگوں کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ ان کے تمام اعمال کو تعقل یا عقل Logos سے مطابقت رکھنی چاہیے۔ روسی مؤرخ ''فیودرروکورون'' اسے پہلا جدلیاتی فلسفی قرار دیتا ہے۔

زینو (Zeno The Dialectial Eleatic):

بعض مؤرخین فلسفہ اور خود ارسطو نے بھی ایلیاتی اسکول کے ''زینو'' Zeno The Dialectial Eleatic (490,430 ق م) کو جدلیاتی فکر کا بانی قرار دیا ہے۔ زینو نے اپنے

استاد (پارمینڈیز) کے فلسفیانہ افکار کے دفاع کے لیے بحث و جدل کے طریقہ استدلال کو بڑی خوش تدبیری اور خوش اسلوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ زینو کے دلائل صوری منطق (Formal Logic) یعنی محض منطقی رابطوں پر مشتمل ہیں۔ اس نے تجربی معطیات Emperical Data سے کوئی کام نہیں لیا ہے۔ زینو نے ہمیشہ منطقی استدلال کے ذریعے اپنے مخالفین کو تضادات اور مغالطوں Contradictions-paradoxes کا شکار بنائے رکھا۔

سوفسطائی فلاسفہ (The sophists):

سوفسطائی فلاسفہ (The sophists) کے بارے میں آتا ہے کہ یہ وہ اولین فلاسفہ تھے جو اپنے شاگردوں سے فلسفے کی تعلیم و تربیت کے عوض معاوضہ طلب کیا کرتے تھے۔ افلاطون اور ارسطو کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ معاوضہ طلبی سے متعلق ان کی روش انتہائی گھٹیا اور اوچھے ہتھکنڈوں تک پہنچ گئی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ الفاظ کی جادوگری اور استدلال کی فسوں کاری کے عمل سے سیدھے سادھے مسائل کو محض ابہام اور الجھاؤ کا شکار کر دیا جائے اور ایسا وہ اسی وقت کر سکتے تھے کہ جب انہیں مباحثے اور خطابت کے فن میں یدطولیٰ حاصل ہو جاتا۔ سو انہوں نے ایسا ہی کیا مباحثے اور خطابت کے زور پر مسائل کھڑے کیے اور سوفسطائی طریقہ کار کو فقرے بازی اور استدلال کی بازگری کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ سوفسطائیوں میں جدل اور مباحثے کی ترویج و تدوین میں یوتھیڈیمس (Euthydemus) ڈائنوسوڈوروس Diony Sodorus پروتا غورث Protagoras، گارجیاس Gorgias اور برویکوس القوسی قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو پیشہ ورانہ طور پر فن خطابت اور مباحثے کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔ ''پروتاغورث'' کا یقین یہ تھا کہ ''صداقت کا حصول ممکن نہیں ہے۔'' لہذا خطابت کے فن اور اس کی تکنیک کو پوری مہارت کے ساتھ حاصل کیا جائے اور اپنے مخالفوں کو یا تو دلائل سے قائل کر لیا جائے یا پھر بحث و مباحثہ کے عمل میں انہیں زچ کر دیا جائے۔ ان فلاسفہ کی دلچسپی اس بات میں نہ تھی کہ صداقت کے حصول کی کوشش کی جائے بلکہ اس بات میں تھی کہ محض استدلال کے ذریعے میدان مار لیا جائے۔ چونکہ ان کے نزدیک لفاظی، خطابت اور مباحثے میں مہارت ہی کسی میدان کو جیتنے کے

لیے شرط اول ٹھہری تھی، لہٰذا سوفسطائی فلاسفہ صرف، نحو اور مباحثے کے اصول وضوابط میں ہی اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے تا کہ لفاظی گفتار اور استدلال کے فن کے ذریعے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کو پورا کیا جا سکے۔ یہی وجوہات تھیں جن کی بنا پر سوفسطائیت ایک گالی بن گئی۔

ارسطو کی کتاب الجدل (Organon):

بحث و مباحثہ اور جدل و مناظرہ کے حوالے سے ارسطو کی مشہور زمانہ فن منطق کی کتاب ''قانون'' (آرگینن Organon) میں سوفسطائی تنقیحات پر sophistical Tests کے نام سے ایک مقالہ ہے جس میں منطقی مغالطوں پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ایک مقالہ موضوعات (Topics) کے نام سے ہے جس میں ایسے منطقی استدلال پر مباحث ہیں جو ممکنہ صداقتوں پر مبنی ہوتا ہے۔ عرب مصنفین اس کتاب کو ''کتاب الجدل'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کتاب میں فن منطق پر پانچ مقالے شامل ہیں۔ دو کا تذکرہ ہو چکا بقیہ تین کچھ اس طرح سے ہیں:

☆ فکر کی تعبیر On interpretation اس مقالے میں منطقی قضایا کی ساخت سے بحث کی گئی ہے۔

☆ قبل از تحلیلی فکر Prior Analytics اس مقالے میں قیاسی استخراج پر مباحث ہیں۔

☆ بعد از تحلیلی فکر PosteriorAnalytics اس مقالے میں قدیم سائنسی منطق اور قیاس استخراجی اطلاقات کا بیان ہے۔ آرگینن کا عربی نام ''آرغنون'' ہے جبکہ چوتھے مقالہ ''موضوعات'' کا یونانی نام ٹوپیکا Topica ہے جو معرّب ہو کر طوبیقا کہلاتا ہے۔

یونان میں جمہوریت اور مباحثوں کے ثقافتی اثرات:

یونان میں اس ساری جمہوری، مباحثانہ، خطیبانہ اور علمی گرم بازاری کے نتیجے میں جو ثقافت اور معاشرت پروان چڑھ رہی تھی اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے۔ اسپارٹا کا مشہور قانون دان اور مقرر ''لکرگس'' اسپارٹا کے سن رسیدہ مردوں کو اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اپنی جوان بیویوں کو خوبصورت اور ایماندار مردوں سے متعارف کرائیں اور ان سے بچے حاصل کریں تا کہ ریاست کو خوبصورت اور اعلیٰ نسل کے بچے میسر آئیں۔ اگر کوئی مرد کسی شادی شدہ عورت پر عاشق ہو جاتا تو اس کے لیے بھی بلا تکلف جائز تھا کہ وہ زنِ مذکورہ کو اس کے شوہر سے اپنے لیے خوبصورت بچے

پیدا کروانے کے لیے مانگ لے۔کوئی بچہ اگر کمزور پیدا ہوتا تو اسے ''کوہ ٹیگٹس'' (Taygetus) کے نزدیک گہرے غار میں پھینکوا دیتے۔نو مولود بچوں کو پانی کی جگہ شراب سے نہلایا جاتا تھا۔تاکہ بچہ اگر کمزور ہے تو مر جائے اور اگر صحت مند ہے تو بچ جائے۔اسپارٹا کی عورتیں برہنہ جلوس نکالتی جس میں وہ ناچتی اور مردوں کی شجاعت کے گیت گاتی۔اہل ایتھنز کے ہاں بیوی محض ایک اثاثہ تھی جس کی خرید وفروخت کی جا سکتی تھی۔اور وصیت کے ذریعے منتقل بھی ہو سکتی تھی۔چنانچہ اہل ایتھنز کو بے حد وحساب بیویاں رکھنے کی اجازت تھی۔لہذا یونان میں بحث ومباحثہ کی سرگرمیوں کا مقصد اشاعت حق نہیں تھا بلکہ اپنے جمہوری معاملات اور عیاشیوں کی راہ نکالنا تھا۔

یونان میں جمہوریت اور مباحثوں کے مذہبی اثرات:

مؤرخین اخلاق وادیان کا بیان ہے کہ اہل یونان کا تعلق خدا اور مذہب کے ساتھ بالکل نہ ہونے کے برابر تھا۔خدا سے محبت،خدا کا خوف،خدا کی تعظیم،خدا سے تعلق اور اس سے سوال کرنا،اس کے لیے حقیقی اور عملی قلبی اور جذباتی وابستگی کا اظہار کرنا،یہ چیزیں یونانی حکما،خطبا،فلاسفہ اور بحث ومباحثہ کرنے والوں میں مفقود تھیں۔بقراط نے اپنے حلف نامے میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہا ہے کہ اگر وہ دیوتاؤں سے اپنے حلف پر پورا اترے تو دیوتا اسے صرف دنیاوی راحت،دنیا کی زندگی اور دنیا سے لطف اندوزی کی نعمت عطا کریں اور اگر وہ اپنے حلف پر پورا نہ اترے تو اس سے صرف دنیاوی اعزازات لے لیے جائیں۔آخرت میں اس سے کوئی سوال ہو یا نہ ہو،کوئی سزا ہو یا نہ ہو اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں۔یہی وجہ ہے کہ یونان کے اندر اور ان تمام حلقوں میں جو یونان کی خطابت،فلسفے،منطق اور عقلی بحث ومباحثے کے زیر اثر رہے ہیں خدا سے کوئی حقیقی،زندہ اور عملی تعلق نہیں رہا ہے مثلاً: جدید مغربی تہذیب،علمیت اور معاشرہ جسے ٹائن بی نے اپنی کتاب ''مطالعہ تاریخ'' میں یونانی معاشرے کا بچہ قرار دیا ہے آج وہاں مذہب کی کیا صورت حال ہے ہم دیکھ سکتے ہیں۔

روم میں مباحثے کی روایت:

یونان میں خطابت ومباحثے کی اس فضا کا اثر رومی تہذیب تک جا پہنچا۔روم میں بھی چونکہ جمہوریت قائم تھی لہذا یہاں بھی اس سے پیدا ہونے والی وہ تمام خرابیاں موجود تھیں جو یونانی

تہذیب کے زوال کی وجہ بنیں۔ یہاں بھی سیاسی نظام عوامی اسمبلی کے تحت لکھا تھا۔509 ق م میں رومیوں نے اپنے اوپر مسلط ایک ظالم بادشاہ کو روم سے نکال باہر کیا۔ اس کے اختیارات کو ختم کر دیا اور عوامی اسمبلی قائم کی۔ عوامی اسمبلی دو حکمران منتخب کرتی جنہیں ''کونسل'' کہا جاتا۔ انہیں طبقہ امراء سے منتخب کیا جاتا اور یہ روم پر ایک سال کے لیے حکومت کرتے۔ یہ عدلیہ کے فرائض بھی سرانجام دیتے اور حالت جنگ میں عسکری قیادت بھی کرتے۔ ان کے مددگار کچھ دیگر سیاسی عہدے دار ہوتے تھے انہیں بھی اسمبلی منتخب کرتی۔ سال کے آخر میں یہ عہدے دار ''سینٹ'' کے رکن بن جاتے، انہیں سینیٹر کہا جاتا۔ ''سینٹ'' خزانے کے معاملات کے علاوہ بھی کئی اہم فیصلے صادر کرتی۔ یہ فیصلے عوامی اسمبلی میں پیش ہوتے جنہیں تسلیم کر لیا جاتا۔ عوامی اسمبلی اور سینٹ میں ریاستی معاملات کو چلانے اور قانون سازی کے لیے بحث و مباحثہ کیا جاتا۔

ٹرائیبیون:

پانچویں صدی قبل مسیح میں روم کے ادنیٰ طبقے کے لوگوں کی نمائندگی کے لیے ایک عہدہ تجویز کیا گیا جسے ''ٹرائیبیون'' کہتے تھے۔ کونسل کے کسی بھی حکم کے خلاف ٹرائیبیون ویٹو کا حق رکھتا تھا۔ لاطینی میں اس کا مطلب ہے ''میں منع کرتا ہوں''۔

ٹائبیرس، روم کا عظیم ڈبیٹر:

''ٹائبیرس'' روم میں اپنی ذہانت، بہادری اور مباحثے کی صلاحیت کے باعث قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔133 ق م میں اسے ٹرائیبیون منتخب کیا گیا۔ اسمبلی کے فورم پر ''ٹائبیرس'' نے ایک بڑے مجمع کے سامنے انتہائی شاندار اور مدلل تقریر کر کے غریبوں کے فائدے کے لیے ایک قانون بنوایا کہ کوئی امیر خاندان مشترکہ زمین میں سے 250 ہیکٹر سے زیادہ زمین نہیں رکھ سکتا، لیکن اس قانون بنوانے کی پاداش میں امراء سینیٹروں نے اسے ایک اجلاس کے دوران لکڑی کے بینچوں سے زدوکوب کر کے مار ڈالا۔ ٹائبیرس کو رومی پارلیمانی طرز خطابت کا بادشاہ اور مباحثے کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ معروف مؤرخ ''پلوٹارچ'' لکھتا ہے ٹائبیرس ایک مضبوط اور پرعزم انسان تھا۔ جب وہ خطاب کرتا تو لوگ اس کے اردگرد کھڑے ہوتے۔

ٹائبرس کے خطاب کا ایک اقتباس:

ٹائبرس کے خطاب کا ایک اقتباس پلوٹارچ کی زبانی سنیے۔ ''جنگلی جانور پورے اٹلی میں شکار کررہے ہیں اوران کے اڈے اور پناہ گاہیں ہیں، وہ رات بسر کرتے ہیں، لیکن وہ لوگ جو اٹلی کے لیے لڑتے مرتے ہیں ان کے پاس کچھ بھی نہیں سوائے ہوا اور روشنی کے۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ خانہ بدوشوں کی طرح مارے مارے پھر رہے ہیں۔ جنگجو دوسروں کے لیے دولت اور عیاشی کی خاطر لڑتے ہیں اور جان دیتے ہیں، انہیں پوری دنیا کا آقا کہا جاتا ہے، لیکن ابھی تک ان کے پاس زمین کا ایک ٹکڑا بھی نہیں۔

اسلام میں بحث مباحثے کی روایت:

بحث ومباحثہ، منطقی استدلالات اور گفتگو کے فلسفیانہ اسلوب کے معاملے میں ابتداءً اسلامی تاریخ کے معتزلہ پیش پیش تھے۔ ان میں سے نظام اور ابو علی جبائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تیسری صدی میں حسن بن موسیٰ نوبختی نے کتاب ''الآراء والدیانات'' لکھی اور اس میں ارسطو کی منطق کے بعض مسائل کا رد کیا۔ چوتھی صدی میں امام ابوبکر باقلانی نے ''دقائق'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں فلسفہ کا رد کیا۔ اور بحث کرتے ہوئے یونانیوں کی منطق پر اہل عرب کی منطق کی ترجیح ثابت کردی۔ پانچویں صدی میں علامہ عبدالکریم شہرستانی (صاحب الملل والنحل) نے ''برقلس'' اور ارسطو کی منطق پر بحث کر کے اس کا رد کیا۔ اور منطقی اصول وقواعد کے موافق ان کے دلائل کا نقض کیا، امام غزالیؒ جب فلسفے کے مدمقابل ہوئے تو انہوں نے ''تہافتہ الفلاسفہ'' کے نام سے وہ کتاب لکھی جس سے سو برس تک فلسفہ کے ایوان میں تزلزل رہا۔

چھٹی صدی میں ابوالبرکات بغدادی نے اس سلسلے کو بڑی ترقی دی اور ''المعتبر'' کے نام سے ایک معرکتہ الآراء کتاب لکھی جس میں اکثر مسائل میں ارسطو کے خیالات کو غلط ثابت کیا۔ بحث و مباحثہ کے حوالے سے شیخ رکن الدین ابو حامد محمد بن محمد العمیدیؒ الفقیہ الحنفی (م 615ھ) کی کتاب ''الارشاد فی الجدل والخلاف'' خاص فنی تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ امام رازی، علامہ سمرقندی، ابوالبرکات النسفی، محمد بن ابوبکر المراعشی رحمھم اللہ نے بھی اس فن میں خوب کام کیا۔

اس صدی میں خاص طور پر امام رازیؒ نے متکلمین اسلام اور اشاعرہ کا وکیل بن کر فلسفے کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ ساتویں صدی میں فلسفے کے حلقے میں نصیر الدین کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ جس کو فلسفہ کے مدرسی حلقے نے محقق طوسی کے لقب سے یاد کیا۔ نصیر الدین طوسی ہلاکو خان کا مقرب اور معتمد تھا۔ یونانی علم و فلسفے کا علم بردار تھا۔ طوسی اس مکتب فکر سے تعلق رکھتا تھا جو ارسطو کو عقل کل قرار دیتا ہے۔ طوسی کا انتقال ہوا تو عالم اسلام کے علم و فکر پر اس کا رعب چھایا ہوا تھا اور ہر طرف تشکیک و ارتیابیت کا دور دورہ تھا۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے فلسفہ و منطق کے بے لاگ علمی محاسبے اور جائزے اور اس کی علمی کمزوریوں کا پردہ فاش کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے امام ابن تیمیہؒ سے لیا۔

ابن رشد کو ارسطو کی منطق سے عشق تھا۔ ارسطو کے بارے میں اس کا قول ہے کہ وہ سعادت کا منبع ہے۔ کسی انسان کی سعادت کے لیے صحیح پیمانہ یہ ہے کہ وہ منطق کتنی جانتا ہے۔ منطق ایک ایسا آلہ اور ذریعہ ہے جو اس حقیقت تک پہنچنے کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ جس میں عوام تو کیا بعض خواص بھی نہیں پہنچ سکتے۔ (تاریخ فلسفہ اسلام: محمد لطفی جمعہ، ص 120، 121) عباسی دور میں ارسطو کی کتابیں عالم اسلام کے علمی و درسی حلقوں میں رائج ہوئیں۔ فلاسفہ یونان میں فی الحقیقت ارسطو ہی ادیان سماوی کی روح اور دینی مفاہیم و تصورات و حقائق سے زیادہ بعید و ناآشنا اور مادی فکر و نظر کا پر جوش حامی و داعی ہے۔ آج مغرب کی گمراہی میں اس کا بنیادی کردار ہے کیونکہ ''ابدیت دنیا'' کا تصور مغرب نے ارسطو سے ہی لیا ہے۔ ابن تیمیہ نے ''نقض المنطق'' اور الرد علی المنطقیین میں منطق اور استدلالی مباحث اور منطق کے علم کو تمام علوم عقلیہ کی میزان قرار دینے کے دعوؤں کا ناقدانہ جائزہ لیا اور ان دعوؤں کا علمی بنیاد پر رد کیا۔

عالم اسلام کے سب سے بڑے متکلم امام غزالی رحمہ اللہ ''احیاء العلوم'' میں علم کلام پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ''علم کلام ان علوم میں سے ہے جن کا سیکھنا فرض کفایہ ہے تاکہ عوام کے قلوب مبتدعانہ عقائد و خیالات سے محفوظ رہیں۔ علم کلام بدعتیوں کے پیدا ہونے کی وجہ سے واجب ہوا جس طرح حج کے راستے میں بدوؤں کے مظالم اور رہزنی کے واقعات کی بناء پر کسی رہنما کی رہنمائی ضروری ہوئی۔ عرب بدو اگر اپنی ان حرکتوں سے باز آ جائیں تو یہ ضرورت ختم ہو جائے

گی۔اسی طرح اگر بدعتی اپنی ''یاوہ گوئی'' ترک کر دیں تو پھر علم کلام کی بھی صرف اسی قدر ضرورت رہے گی جتنی دور صحابہ میں تھی۔ جو لوگ علم کلام کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہوں انہیں اس علم کی حدود ضرور جان لینی چاہیں۔

برصغیر میں معقولات کی روایت:

اقبال سے قبل عہد جدید کے جنوبی ایشیا میں اسلامی علمیت و فکر کی منطقی استدلالی اور معقولی انداز میں بحث کو اکبر کے زمانے میں حکیم فتح اللہ شیرازی (متوفی 1585ء) نے فروغ دیا۔ استدلال اور معقولات کی یہ روایت فتح اللہ شیرازی سے شروع ہو کر ان کے شاگرد عبدالسلام لاہوری (متوفی 1627ء) اور ان کے شاگرد ملا عبدالسلام اودھی تک پہنچی تھی۔ ان سے ملاّ قطب الدین سہالوی (متوفی 1691ء) ان سے ملاّ قطب الدین شمس آبادی (متوفی 1709ء) ملاّ امان اللہ بنارسی (متوفی 1720ء) اور قاضی محب اللہ بہاری (متوفی 1784ء) نے فیض حاصل کیا تھا۔ جب کہ ملا امان اللہ بنارسی سے ملا قطب الدین سہالوی کے فرزند ملا نظام الدین (متوفی 1748ء) نے تعلیم حاصل کی تھی۔ ملا نظام الدین کے علمی وارث ملا عبدالعلی بحرالعلوم (متوفی 1819ء) ہوئے۔ بحرالعلوم سے خیر آباد کے علمی خاندان نے فیض پایا۔ معقولات کے فروغ کی ایک متوازی راہ شاہجہان اور اورنگزیب کے زمانے میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (متوفی 1652ء) اور میر زاہد ہروی (متوفی 1690ء) نے ہموار کی۔ جن کے شاگرد مولانا عبدالرحیم دہلوی (متوفی 1718ء) سے ان کے فرزند شاہ ولی اللہؒ (1703, 1764) علمائے فرنگی محل اور علمائے خیر آباد فیض یاب ہوئے۔ شاہ ولی اللہ سے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (متوفی 1824ء) اور پھر ان سے سارے ہندوستان میں یہ فیض عام ہوا۔

اسلام میں مباحثے کا مقصد:

تحریر اور تقریر میں اپنے علم کو منطقی انداز میں فلسفیانہ اسلوب پر پیش کرنے اور اس میں مباحثے کا طریقہ اختیار کرنے سے علمائے اسلام کا مقصد صرف اور صرف دفاع دین اور اشاعت دین تھا۔ انہوں نے بدعات، رسومات، خرافات کے خاتمے اور لوگوں کے ذہنوں سے دین کے حوالے سے

پیدا ہونے والے شبہات کے کانٹے چننے کے لیے علم کلام، مناظرے، مباحثے، استدلال، منطق، معقولات اور عقلی دلائل کو ایک ذریعے کے طور پر اختیار کیا، کبھی اسے مقصد یا مآخذ کی حیثیت سے قبول نہیں کیا۔ اسے راستہ تو سمجھا منزل قرار نہیں دیا۔

عصر حاضر کے سوفسطائی:

آج بعض جدت پسند اور روشن خیال مفکرین علمائے اسلام کے طریقے کے برعکس اپنی عقل کو مآخذ قرار دیتے ہوئے سوفسطائیوں کی طرح پہلے سے طے شدہ تعبیرات اور حقائق کا انکار کرتے ہیں۔ پھر اپنے فضول مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے ''پروتاغورث'' کے طریقے پر خطابت کے فن اور تیکنیک کو پوری طرح استعمال کرتے ہیں۔ تحریر ہو یا تقریر، یہ لوگ علم ادب سے لفاظی اور فقرے بازی، جبکہ فن منطق سے منطقی مغالطے لا کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں صداقت سے غرض نہیں ہوتی یہ محض استدلال کے زور پر میدان مارنا چاہتے ہیں تا کہ ان کا مخالف یا تو ان کے غلط نظریے کا قائل ہو جائے یا پھر بحث و مباحثے میں ان کے قلمی و صوتی جھٹکوں، لفظی پٹاخوں، منطقی مغالطوں اور اصولوں میں تضادات سے زچ ہو کر میدان چھوڑ جائے۔

چنانچہ سوفسطائیوں کی طرح یہ لوگ بھی حقائق سے صرف نظر کرتے ہوئے زبان دانی، صرف و نحو، ظاہری لفظ پرستی، اپنی عقل اور اس سے کیے ہوئے استدلال پر بہت زور دیتے ہیں۔ یہی ان کے اصل ہتھیار ہیں جنہیں یہ اپنے زبان و قلم سے خاص تیکنیک کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور لوگوں کے ذہن میں شکوک و شبہات کے بیج بوتے ہیں۔ یہی طریقہ کار ''ٹاک شو'' کے اینکر پرسن اور میڈیا کے خودساختہ دانش وروں، مفکروں کا بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ جدت پسندوں اور الیکٹرونک و پرنٹ میڈیا سے اسلام کے خلاف ہونے والی یلغار کا مؤثر اور مدلل طریقے سے جواب دینے کے لیے طلبا، علما، اور دین کا درد رکھنے والے اہل قلم ولسان کی خدمت میں مباحثے کے اصول و آداب کا طریقہ کار پیش کیا جا رہا ہے تا کہ مدارس، اسکول، کالج، یونیورسٹی، میڈیا یا کسی بھی فورم پر دفاع دین کی ضرورت پیش آئے تو ہم بھرپور تیاری اور درست طریقے سے نہ صرف اپنے مؤقف کو پیش کر سکیں بلکہ پورے اعتماد کے ساتھ باطل کے بخیے بھی ادھیڑ سکیں۔

بارہواں باب

مباحثے کے عناصر

مباحثے کے عناصر

مباحثے کی تقریر عموماً 6 عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگر ان 6 عناصر کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو مباحثے کے لیے مواد جمع کرنا اور اسے مباحثے کے اصولوں کے مطابق ڈھال کر ایک مدلل تقریر تیار کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ وہ چھ عناصر درج ذیل ہیں:

۱۔ قرارداد

۲۔ ذیلی و ضمنی مسائل (دعویٰ جات)

۳۔ دلائل

۴۔ شواہد

۵۔ ردِ دلیل

۶۔ استدلال

ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ قرارداد:

وہ ''متنازعہ امر'' یا ''متنازعہ بات'' جسے موضوع بحث قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن مباحثے کا اصول یہ ہے کہ جس بات پر بحث کی جاتی ہے اسے موضوع کے بجائے قرارداد کا نام دیا جاتا ہے۔ تقریر

کسی ''موضوع'' پر کی جاتی ہے مگر مباحثے کے بیان کے لیے'' قرارداد'' طے کی جاتی ہے۔تقریر کا موضوع ایک لفظ بھی ہوسکتا ہے جیسے ''عدل'' لیکن ایوان میں بحث کے لیے پیش کی جانے والی قرارداد ایک ایسے جملے کی صورت میں ہوتی ہے جس کی موافقت میں بھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے اور اس کی مخالفت میں بھی کافی سارے دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں۔ جیسے ایک قرارداد ہے ''امن کے لیے جنگ ضروری ہے۔'' یہ ایک ایسا جملہ ہے جس کی موافقت میں بھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے: مثلاً امن کے لیے جنگ ضروری ہے کیونکہ امن اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک جنگ کر کے بدامنی پھیلانے والوں کا خاتمہ نہ کر دیا جائے۔ دوسری طرف اس قرارداد کی مخالفت کرنے والے بھی اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے دلائل و شواہد کا انبار لگا سکتے ہیں۔ مثلاً: امن کے لیے جنگ ضروری نہیں ہے کیونکہ دنیا میں جب بھی امن قائم ہوا ہے بات چیت سے ہوا ہے۔ مذاکرات سے ہوا ہے۔ جنگ اور لڑائی سے نہیں ہوا۔ لڑائی سے تو لڑائی پھیل جاتی ہے جس سے مزید بدامنی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ امن و امان کی صورت حال کو واپس لانے کے لیے بالآخر مذاکرات کی میز پر ہی آنا پڑتا ہے۔

علم منطق کی رو سے قرارداد دراصل ''قضیہ'' ہے جس میں موضوع اور محمول دونوں پائے جاتے ہیں۔

۲۔ ذیلی و ضمنی مسائل (دعویٰ جات):

قرارداد کو'' ثابت'' یا ''رد'' کرنے کے لیے مقرر کو قرارداد کے حوالے سے کچھ دعوے کرنے پڑتے ہیں۔ ان دعوؤں کو ذیلی یا ضمنی مسائل کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قرارداد کے ذیل یا ضمن میں پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے پہلے مثال گزر چکی ہے۔ ''امن کے لیے جنگ ضروری ہے'' ایک مقرر اس قرارداد کو رد کرنا چاہتا ہے تو اسے یہ دعویٰ کرنا پڑے گا کہ ''امن کے لیے جنگ ضروری نہیں ہے'' کیونکہ دنیا میں جب بھی امن قائم ہوا ہے بات چیت سے ہوا ہے، گفتگو سے ہوا ہے، مذکرات سے ہوا ہے، جنگ اور لڑائی سے نہیں ہوا۔ قرارداد کو رد کرنے کے لیے کیا گیا یہ دعویٰ ذیلی و ضمنی مسئلہ کہلاتا ہے۔ کیونکہ یہ دعویٰ قرارداد میں غور کرنے سے ہی پیدا ہوا ہے اور قرارداد ہی کے حوالے

سے پیش کیا گیا ہے۔

دوسری مثال:

زیر بحث قرارداد ہے ''ہمیں ڈگری کی نہیں علم کی ضرورت ہے'' اگر ہمیں قرارداد کی موافقت کرنی ہے تو قرارداد کو سامنے رکھ کر ہم نے سوچا بالفرض ہم یہ مان لیں کہ ہمیں علم کی ضرورت نہیں ہے، صرف ڈگری کی ضرورت ہے تو اس سے کس طرح کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں؟ فرد کو اس کا کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ معاشرے کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے اور ریاست کو اس کا کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ غور کرنے پر ہمیں معلوم ہوا کہ اگر قرارداد کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے تو اس سے فرد کی سماجی حیثیت اور عزت ختم ہو جائے گی۔ معاشرے میں بگاڑ اور فساد پھیل جائے گا جب کہ ریاست کے حوالے سے قومی سلامتی اور وطن کی آزادی کو شدید خطرات لاحق ہو جائیں گے۔ چنانچہ قرارداد کے مخالف پہلو پر سوچنے سے جو پہلا مسئلہ پیدا ہوا یعنی فرد کی سماجی حیثیت اور عزت ختم ہو جائے گی یہ ''پہلا ذیلی مسئلہ'' کہلائے گا۔ اب آپ اس مسئلے کو اپنی تقریر میں ایک دعوے کی صورت میں اس طرح پیش کریں گے۔

جناب والا!

اگر قائد حزب اختلاف کی بات مان لی جائے کہ ہمیں علم کی نہیں ڈگری کی ضرورت ہے تو اس کے نتیجے میں فرد کی سماجی حیثیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ کسی کی عزت باقی نہیں رہے گی۔ ہر انسان پستی، رسوائی، ذلت اور عبرت کا نشان بن جائے گا۔ (یہ محض دعویٰ ہے ابھی آپ نے اس پر دلیل نہیں پیش کی) قرارداد کے مخالف پہلو پر غور کرنے سے جو دوسرا مسئلہ پیدا ہوا یعنی ''معاشرے میں بگاڑ اور فساد پھیل جائے گا'' ''یہ دوسرا ذیلی مسئلہ'' ہے۔ اسے بھی آپ ایک دعوے کی صورت میں پیش کریں گے۔

جناب والا!

اگر بائیں جانب سے آنے والے مقررین کے مؤقف کو سچ سمجھ لیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم اس معاشرے کو تباہی و بربادی کے دہانے تک لے جانا چاہتے ہیں۔ اس میں فساد اور بگاڑ

برپا کرنا چاہتے ہیں۔

قرارداد کے ضمن میں جس تیسرے مسئلے نے جنم لیا تھا۔ یعنی" قومی سلامتی اور وطن کی آزادی کو شدید خطرات لاحق ہو جائیں گے۔" یہ تیسرا ذیلی مسئلہ ہے اس مسئلے کو بھی اسی طرح ایک دعوے کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔

صدر عالی وقار!

اگر میرے مخالفین اپنی بات پر مصر رہیں گے، اپنے غلط مؤقف پر ڈٹے رہیں گے تو پھر خطرہ ہے کہ ہمارا یہ پاک وطن، ہماری دھرتی ماں، دشمن کے ناپاک عزائم کا نشانہ بن جائے گی۔

یاد رکھیے! یہ تینوں ذیلی مسئلے اگرچہ قرارداد ہی کے ضمن سے پیدا ہوئے ہیں لیکن یہ قائم بالذات نہیں ہیں ان کی حیثیت محض دعوے کی ہے جسے ثابت کرنے کے لیے دلائل وشواہد درکار ہوں گے۔ جب بھی مباحثے میں کوئی مقرر ذیلی مسئلہ اٹھائے گا اور قرارداد کے ثبوت یا رد میں کوئی دعویٰ کرے گا تو اپنے دعوے کے ثبوت کے لیے اسے دلائل وشواہد فراہم کرنا ہوں گے۔

۳۔ دلیل:

دعوے کو ثابت کرنے کے لیے جو بات کہی جاتی ہے اسے دلیل کہتے ہیں۔

مثلاً زیر بحث قرارداد ہے "غمِ روزگار غمِ عشق مٹا دیتا ہے" ایک مقرر اس کی مخالفت میں تقریر کر رہا ہے، وہ کچھ اس طرح دلیل دیتا ہے: جناب والا! غم روزگار غم عشق نہیں مٹا سکتا۔ کیونکہ دنیا کے تمام مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ روزگار انسانی ضرورت ہے جبکہ عشق انسانی جذبہ ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ضرورت کبھی جذبے کو ختم نہیں کر سکتی۔ لہٰذا غم روزگار غم عشق نہیں مٹا سکتا۔

دلیل اگرچہ قائم بالذات ہوتی ہے اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے لیکن بالعموم اپنی تائید کے لیے شواہد چاہتی ہے۔

۴۔ شواہد:

جو تائیدی مواد ہے جو دلائل کو مزید تقویت دینے کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ شواہد سے نہ صرف دلائل کی توثیق کی جاتی ہے بلکہ آپ کا نقطہ نظر بھی پوری وضاحت کے ساتھ سامعین تک پہنچ

جاتا ہے۔ جیسے آپ اپنی تقریر میں کسی قرارداد کے حوالے سے کوئی دعویٰ کرتے ہیں یا کوئی اہم پوائنٹ اٹھاتے ہیں پہلے اسے دلیل سے ثابت کرتے ہیں پھر اپنی بات کو مزید واضح کرنے کے لیے کوئی واقعہ، خبر، اقتباس، تجزیہ، قول، شعر یا اعداد وشمار پیش کرتے ہیں یا موجودہ تناظر سے مستقبل کے لیے کوئی قیاس کرتے ہیں تو یہ سارا تائیدی مواد دراصل وہ شواہد ہیں جس سے آپ کے دلائل بھی پختہ ہورہے ہیں۔ دعوے بھی پایہ ثبوت تک پہنچ رہے ہیں۔ لوگوں کو معلومات بھی مل رہی ہیں اوران تک آپ کا نکتہ نظر بھی پوری وضاحت کے ساتھ پہنچ رہا ہے۔

مثال:

زیر بحث قرارداد ہے: ''انسان کو دہشت گرد مدارس نہیں بناتے'' ایک مقرر اس قرارداد کو ثابت کرنے کے لیے پہلے دعویٰ پھر دلیل اور پھر شواہد اس طرح پیش کرے گا.

دعویٰ: جناب والا! دنیا میں کہیں بھی انسانوں کو دہشت گرد مدارس نہیں بناتے۔

دلیل: کیونکہ اسلحہ اور گولہ بارود کے بغیر کوئی بھی انسان دہشت گردی نہیں کرسکتا اور آپ جانتے ہیں اسلحہ اور گولہ بارود مدارس نہیں بناتے۔ لہذا کسی بھی انسان کو دہشت گرد، مدارس نہیں بناتے۔

شواہد: لوگوں کو دہشت گرد وہ ممالک بناتے ہیں جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ اسلحہ اور بارود بناتے ہیں، پھر اسے بلیک مارکیٹ میں دہشت گردوں کو بیچ کر سرمایہ کماتے ہیں۔ اسٹاک ہوم انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹیٹیوٹ نے اسلحے کی صنعت سے وابستہ ممالک کے جو اعداد وشمار دیے ہیں اس کے مطابق امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس اور جرمنی دنیا بھر میں روایتی اسلحے کی فروخت کے 81 فی صد کاروبار کے ذمہ دار ہیں۔ بقیہ اسلحے کے کاروبار کے ذمہ دار ممالک میں سے بھی 13 ملک مغربی ہیں صرف دو ملک مسلمان ہیں۔ ان دو اسلامی ملکوں کے اسلحے کا خرچ بھی مغربی طاقتوں کے زیر اثر ہے۔ آج اگر مغربی ممالک اسلحے کے کارخانے بند کردیں تو دنیا میں جنگیں اور دہشت گردی خود بخود ختم ہوجائے گی، لیکن جس طرح دوا ساز کمپنیاں یہ نہیں چاہتی کہ دنیا سے بیماریوں کا خاتمہ ہو اسی طرح اسلحہ بیچنے والے کفار ممالک ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ دنیا سے دہشت

گردی کا خاتمہ ہو۔

وہ ماہر ہے صحافت کا باتیں خوب لکھتا ہے
وہ اک سادہ سی لکڑی کو رشک عود لکھتا ہے
اسے کہنا یہاں فصلیں امن کی کاشت ہوتی ہیں
جو مدرسوں کی مٹی کو بم و بارود لکھتا ہے

شواہد مقصود بالذات نہیں ہوتے بلکہ دلائل کے لیے تائیدی یا وضاحتی مواد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۵۔ رددلیل:

رددلیل سے مراد ایسی دلیل ہے جس سے آپ مخالف کی دلیل کا توڑ کرتے ہیں۔اگر چہ یہ بھی دلیل ہی کے باب سے ہے لیکن الگ ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ مباحثے میں ایک منصف کے پاس 40 نمبروں میں سے 5 نمبر رددلیل کے ہوتے ہیں۔منصفین رددلیل سے اندازہ لگاتے ہیں کہ مقرر نے ایوان میں بیٹھ کر ہونے والے مباحثے کو کس قدر سنا اور سمجھا ہے۔ تقریر کی تیاری تو وہ گھر سے کر کے آیا ہے مگر کیا اس میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ اپنے مؤقف پر ہونے والے کسی اعتراض کا بغیر تیاری کے فی البدیہہ جواب دے سکے؟لہذا ایک مقرر کی تقریر میں جس قدر ''ردلائل'' زیادہ ہوتے ہیں اس کی تقریر اسی قدر زیادہ مضبوط اور فی البدیہہ سمجھی جاتی ہے،اور پوزیشن کی حقدار قرار پاتی ہے۔

رددلیل کی مثال:

فرض کریں ہم اگر مذکورہ مثال نمبر 1 کی دلیل کو رد کرنا چاہیں تو اس کے لیے رددلیل کچھ اس طرح مہیا کی جاسکتی ہے۔

جناب والا!

میرے ایک دوست مخالفت کے ڈائس پر تشریف لائے اور فرمانے لگے ''دنیا کے تمام مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ ''روزگار انسانی ضرورت ہے جبکہ ''عشق انسانی جذبہ ہے'' اور آپ جانتے ہیں کہ ضرورت کبھی جذبے کو ختم نہیں کرسکتی۔

صدر عالی وقار!

میرے دوست کی دلیل بالکل غلط ہے کیونکہ تاریخ گواہ ہے "ایک سچے دین کی ضرورت، کفار مکہ کے دلوں سے "لات، منات اور عزیٰ" کی محبت ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتی ہے۔

مذکورہ دلیل پر دوسری رد دلیل کچھ اس طریقے سے بھی ہو سکتی ہے۔

جناب والا!

مباحثہ اس بات پر نہیں ہو رہا کہ روزگار عشق کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں بلکہ مباحثہ تو اس بات پر ہو رہا ہے کہ غم روزگار غم عشق کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں۔ یعنی بحث قرارداد کے جز پر نہیں پورے کل پر ہو رہی ہے لیکن فاضل مقرر جان بوجھ کر بحث کے کل کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ کلی طور پر اپنے مؤقف کو ثابت نہیں کر سکتے، لہذا وہ قرارداد کے ایک جز کو لے کر اسے پورا کل بنا کر پیش کر رہے ہیں اور اس طرح پورے ایوان کو گمراہ کر رہے ہیں۔ جناب والا! آخر کیا وجہ ہے کہ وہ روزگار اور عشق پر تو دلیل دے رہے ہیں جو موضوع بحث ہی نہیں لیکن غم روزگار اور غم عشق پر کوئی دلیل نہیں دے رہے جو اصل موضوع بحث ہے؟

۶۔ استدلال:

استدلال مباحثے اور مناظرے کے لیے "بنیاد کے پتھر" کی حیثیت رکھتا ہے۔ استدلال پر ہی مناظرے یا مباحثے کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نہ تو کوئی دعویٰ تسلیم ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے لیے دلیل لائی جا سکتی ہے۔

استدلال کا معنی ہے: دعویٰ پر دلیل قائم کرنا یا دلیل سے دعویٰ اخذ کرنا" یہ ایسا عمل ہے جس میں مقرر اور سامع دونوں شریک ہوتے ہیں جس طرح مقرر اپنی تقریر میں استدلال کر رہا ہوتا ہے اسی طرح سامع بھی مقرر کا استدلال سن کر اپنے ذہن میں استدلال کر رہا ہوتا ہے۔ مقرر کا استدلال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کرتا ہے اور سامع کا استدلال یہ ہوتا ہے کہ وہ مقرر کی دلیل سن کر اس سے دعویٰ اخذ کرتا ہے یعنی اپنے ذہن میں دلیل کو دعوے سے منطبق کرتا ہے۔ اگر وہ دلیل دعویٰ کے مطابق ہو تو سامع کا ذہن اسے قبول کر لیتا ہے وگرنہ رد کر دیتا ہے۔

مباحثہ کی تقریر کے چھ عناصر کو ذکر کرنے کے بعد اب ہم مباحثے میں شریک ہر مقرر کی دو بنیادی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہیں۔

مقررین کی دو بنیادی ذمہ داریاں:

مباحثہ میں شریک تمام مقررین کو دو بنیادی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ وہ بنیادی ذمہ داریاں یہ ہیں۔

☆ ثبوت ☆ تردید

ثبوت:

بحث کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ جو شخص کوئی دعویٰ کرتا ہے، اسے ثابت کرنے کی ذمہ داری بھی اسی کے سر ہوتی ہے۔ چونکہ مباحثہ میں قرارداد پیش کرنے کی ذمہ داری قائد ایوان کی ہوتی ہے، لہٰذا اس قرارداد کو ثابت کرنے کی ذمہ داری بھی قائد ایوان اور اس کے رفقاء پر ہوتی ہے۔ اور انہیں ہر حال میں یہ ذمہ داری نبھانی چاہیے۔ اگر وہ ثبوت کی ذمہ داری نہیں اٹھائیں گے تو بحث آگے کیسے بڑھے گی؟ بنیادی طور پر "ثبوت" کی ذمہ داری حزب موافقت کی ہے۔ لیکن قائد حزب اختلاف اور اس کے ساتھی بھی پوری طرح اس ذمہ داری سے بری نہیں ہیں۔ انہیں بھی کسی نہ کسی حد تک ثبوت کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر چہ وہ قرارداد کو رد کرتے ہیں لیکن قرارداد کو رد کرنے کی غرض سے ظاہر ہے انہیں بھی کچھ دعوے کرنے پڑتے ہیں۔

مثلاً: "قرارداد انسانیت کے منافی ہے۔" "اخلاقی اصولوں پر پورا نہیں اترتی" یا قرارداد افرادِ معاشرہ کے لیے کسی طور پر قابل قبول اور قابل عمل نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ قائد حزب اختلاف اور ان کے ساتھی قرارداد کو رد کرنے کی غرض سے جب اس طرح کے دعوے کریں گے تو محض دعوے کر کے چھوڑ تو نہیں دیں گے، ظاہر ہے ان دعوؤں کو ثابت بھی تو کرنا ہے۔ لہٰذا اس معنی میں ثبوت کی ذمہ داری قائد حزب اختلاف اور اس کے ساتھیوں کے کندھوں پر بھی آپڑتی ہے۔ اس طرح ثبوت کی ذمہ داری ہر ایک مقرر کو اٹھانی پڑتی ہے، خواہ اس کا تعلق موافقت سے ہو یا مخالفت سے ہو۔

تردید:

مباحثے کی دوسری بنیادی ذمہ داری تردید ہے۔یعنی اگر کوئی شخص ایک مدلل بات ماننے سے انکار کر رہا ہے تو اسے اپنے انکار پر دلائل دینے پڑیں گے۔اس کے بغیر تو انکار اور تردید کا عمل مکمل نہیں ہوگا۔چونکہ قائد حزب اختلاف اور اس کے ساتھی اس قرارداد کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں جسے مدلل طور پر قائد ایوان نے پیش کیا ہے، اس لیے حزب اختلاف کو اپنے انکار کی معقول وجہ بتانی ہوگی اور مدلل تردید کرنا ہوگی۔اس طرح بنیادی طور پر تردید کی ذمہ داری قائد حزب اختلاف اور ان کے رفقاء پر عائد ہوتی ہے۔اور ان کا یہ فرض بنتا ہے کہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نبھائیں، مباحثہ جاری رکھنے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے۔

اگرچہ تردید کا بوجھ حزب اختلاف کو اٹھانا پڑتا ہے لیکن موافقت والے بھی اس سے پوری طرح بری نہیں ہو سکتے۔کیونکہ مخالفین کے اعتراضات اور دعوؤں کو رد کرنے کی ضرورت موافقین کو بھی پڑتی ہے۔اگر حزب اختلاف سے موافقین کے مؤقف کو غلط ثابت کرنے اور اسے رد کرنے کے لیے ایسے دعوے کیے جا رہے ہیں جس سے قرارداد دوسری طرف جا رہی ہے اور سامعین آپ کو چھوڑ کر حزب اختلاف کا مؤقف اختیار کرنے کا سوچ رہے ہیں تو ظاہر ہے حزب اختلاف کے دعوؤں کی تردید آپ پر فرض ہے۔لہذا ان معنوں میں تردید کی ذمہ داری کسی نہ کسی حد تک موافقت والوں کو بھی اٹھانا پڑتی ہے۔

مباحثے کے دو بنیادی اصول: نفی اور اثبات:

ثبوت اور تردید کی دو بنیادی ذمہ داریوں کو سمجھنے کے بعد ہر مقرر کو نفی اور اثبات کے دو بنیادی اصولوں کو بھی سمجھنا چاہیے۔ہر مقرر کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسے صرف اپنے مؤقف کو ہی ثابت نہیں کرنا بلکہ مخالف مؤقف یا زاویہ فکر کی نفی بھی کرنی ہے۔وہ دلائل جنہیں اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے پیش کیا جاتا ہے انہیں ''اثبات کے دلائل'' کہا جاتا ہے۔اور وہ دلائل جن سے مخالفین کے دعوؤں کی نفی کی جاتی ہے انہیں نفی کے دلائل کہا جاتا ہے۔لہذا مباحثے کی تقریر دلائل کے اعتبار سے دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ایک حصہ نفی کا، جس میں مخالفین کے دلائل کو رد

کرتے ہوئے دعوؤں کی نفی کی جاتی ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ اثبات کا، جس میں اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے کئی پہلوؤں سے دعویٰ کیا جاتا ہے اور دلائل دیے جاتے ہیں۔

پہلے نفی یا اثبات؟

مباحثے میں اصولی طور پر اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ پہلے نفی کے دلائل ہوں۔ نفی کے مرحلے سے گزر کر اثبات کی منزل میں داخل ہوں گے۔ پہلے جس نکتہ نظر کی نفی کرنی ہے وہ بیان ہوگا، اس کے بعد آپ اپنے زاویہ فکر کو ثابت کرنے کے لیے اثبات کے دلائل پیش کریں گے۔ پہلے آپ کو اپنے مؤقف کے خلاف تعمیر کی گئی مخالف کی فکری عمارت کو گرانا ہے۔ لوگوں کے ذہن سے اس کا ملبہ ہٹانے کے بعد جو جگہ صاف ہوگی وہاں اپنے مؤقف کی عمارت تعمیر کرنی ہے۔ اور جب تک مخالف کے مؤقف کی عمارت موجود ہے آپ اپنے مؤقف کی عمارت لوگوں کے ذہن میں کبھی تعمیر کر ہی نہیں کرسکتے۔ اس اعتبار سے مباحثے میں نفی کے دلائل مقدم ہیں۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قائد ایوان تو پہلا مقرر ہے اس سے پہلے تو قرارداد کے خلاف کوئی نکتہ نظر پیش ہی نہیں کیا گیا، اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ خود تیاری کرتے ہوئے یا اپنے ساتھیوں سے مشاورت کرتے ہوئے جو مخالف نکتہ نظر یا پوائنٹس قائد ایوان کے ذہن میں آتے رہیں کہ ''ممکنہ طور پر حزب اختلاف کے مقررین اس طریقے سے یا اس طور پر قرارداد کی مخالفت میں اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے باتیں کرسکتے ہیں'' تو وہ اس ''مخالف نکتہ نظر'' کو موقع کی مناسبت سے پہلے ہی چند جملوں میں پیش کردے۔ مثلاً:

۱۔ صدر عالی وقار!

عین ممکن ہے قائد حزب اختلاف اور ان کے ساتھی قرارداد کے قابلِ غور الفاظ کی یہ تاویل کریں لیکن درحقیقت قرارداد کے الفاظ میں ایسی کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ جناب والا!

بائیں طرف سے آنے والے فاضل مقررین ہوسکتا ہے قرارداد کی مخالفت میں اس طرح کے خارج از بحث نکات کو ذکر کریں لیکن اس سے وقت کے ضیاع کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

نفی اور اثبات کے دلائل کی ترتیب:

پہلے نفی اور بعد میں اثبات کے دلائل پیش کرنے کی ترتیب دو طرح سے بن سکتی ہے۔

پہلی ترتیب:

قرارداد پر پہلے نفی کا سارا مواد ایک ساتھ پیش کر دیں۔ پھر اثبات کا سارا مواد یکجا پیش کر دیں۔

پہلا پوائنٹ	دوسرا پوائنٹ	تیسرا پوائنٹ
نفی	نفی	نفی
اثبات	اثبات	اثبات

دوسری ترتیب:

مواد کو پیش کرنے کی دوسری ترتیب کہ مخالف نقطہ نظر کے ایک پوائنٹ کو لے کر پہلے اس کی نفی کریں پھر اس کے بعد اپنا ثبوتی نقطہ نظر ایک پوائنٹ کی صورت میں پیش کریں۔ اس کی ترتیب کچھ یوں ہوگی۔

پہلا پوائنٹ	دوسرا پوائنٹ	تیسرا پوائنٹ
(نفی+اثبات)	(نفی+اثبات)	(نفی+اثبات)

یاد رکھیے! ضروری نہیں کہ نفی کے مرحلے سے گزرتے ہوئے آپ کوئی اثباتی بات کر ہی نہیں سکتے یا اثبات کے مرحلے سے گزرتے ہوئے ضمناً آپ کوئی نفی کی بات کہہ ہی نہیں سکتے البتہ تقریر کے آخر میں جب خلاصہ پیش کرنا ہو تو اس وقت اس اصول کی ضرور پاسداری کرنی چاہیے کہ پہلے مخالف کی نفی کا پوائنٹ اور بعد میں اپنے مؤقف کے اثبات کا پوائنٹ لے کر آئیں۔

قرارداد کیسی ہونی چاہیے؟

کسی بھی مباحثے کی قرارداد مرتب کرتے وقت چند امور کا خیال رکھا جائے۔

قابل بحث ہو

قرارداد ایسی ہو جس پر بحث کی جاسکے یعنی کوئی "متنازعہ بات" ہو۔ ایسی بات جو پہلے سے

لوگوں کے ہاں تسلیم شدہ ہو، اس کی مخالفت کون کرے گا؟ مثلاً زیرِ بحث قرارداد اگر یوں ہو" دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے" اگر اس کی مخالفت کریں تو یوں کہیں گے" دوست وہ جو مصیبت میں کام نہ آئے۔" اس پر کون ہے جو بحث کرنا پسند کرے گا یا اس کے خلاف دلائل پیش کرے گا۔ خود اس کا اپنا ضمیر اسے ملامت کرتا رہے گا۔

موافقت یا مخالفت آسان ہو:

قرارداد ایسی ہو کہ موافقین کے لیے اس کا ثابت کرنا اس اعتبار سے مشکل نہ ہو کہ موافقت میں کہنے کے لیے کچھ مواد ہی نہیں مل رہا جبکہ مخالفین کے لیے بھی اس کا رد کرنا اس اعتبار سے مشکل نہ ہو کہ اس کے خلاف کوئی ایک آدھ دلیل سے زیادہ کچھ مل ہی نہیں رہا، نہ کوئی خبر، نہ واقعہ، نہ شہادت۔ یعنی قرارداد کا ثابت کرنا بھی آسان ہو اور رد کرنا بھی آسان ہو۔

فرقہ واریت اور تعصب سے پاک ہو:

قرارداد علمی و فکری پہلو کی حامل ہو لیکن فرقہ واریت، لسانیت، قومی و صوبائی تعصب اور منافرت سے پاک ہو۔

ثبوت اور تردید آسان ہو:

قرارداد ایسی ہو جس میں مخالفت کرنے والا مخالفت کے دائرے میں رہ کر گفتگو کر سکے۔ تردید کی ذمہ داری نبھانے کے لیے اسے موافقت کی طرف نہ آنا پڑے اور موافقت کرنے والا موافقت کے دائرے میں رہ کر گفتگو کر سکے اسے ثبوت کی ذمہ داری نبھانے کے لیے مخالفت کے دائرے میں نہ آنا پڑے۔ مثلاً: زیرِ بحث قرارداد ہے" معاشرتی بگاڑ کے ذمہ دار ہم خود ہیں" اگر قائدِ ایوان نے لفظ ہم سے مراد پاکستانی معاشرے کا ہر عاقل بالغ تندرست فرد مراد لے لیا تو ظاہر ہے مخالفین کے پاس مخالفت کرنے کے لیے کیا رہ جاتا ہے؟

اگر وہ کہتے ہیں: نہیں، معاشرتی بگاڑ کے ذمہ دار پولیس والے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ پولیس والے کون ہیں؟ وہ بھی تو لفظ "ہم" میں شامل ہیں۔ اسی طرح ہم جب بھی کہیں گے کہ معاشرتی بگاڑ کے ذمہ دار ہم نہیں صحافی، صنعت کار، سیاستدان وغیرہ ہیں تو وہ بھی "ہم" ہی میں سے ہیں کوئی

آسمانی مخلوق تو نہیں اور ان لوگوں کو قائد ایوان پہلے ہی اپنے دعوے کے دائرے میں لا چکے ہیں۔ لہذا قائد حزب اختلاف معاشرے کے جس فرد کو بھی بگاڑ کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے، قائد ایوان اسے پہلے سے ذمہ دار ٹھہرا چکے ہوں گے، اب مخالفت کیسے ہوگی؟ نتیجتاً قائد حزب اختلاف اور ان کے رفقاء کی تمام تقریریں قائد ایوان اور ان کے رفقاء کی مخالفت کے بجائے ان کی موافقت کر رہی ہوں گی۔ اور ان کے حق میں جا رہی ہوں گی۔ یوں ایک ایسی حزب اختلاف وجود میں آجائے گی جو حزب موافقت کی مخالفت کرنے کے بجائے مسلسل ان کی موافقت کر رہی ہوگی۔

دوٹوک مؤقف کی حامل ہو:

قرارداد ایسی ہو جس پر دونوں طرف سے دوٹوک مؤقف اختیار کیا جا سکے۔ جیسے: ''طاقت امن کی ضمانت ہے'' اس قرارداد کو دونوں فریق دوٹوک انداز میں بیان کر سکتے ہیں اور اگر قرارداد اس طرح ہو''طاقت امن کی ضمانت ہونی چاہیے'' تو اس جملے پر موافقت اور مخالفت دوٹوک انداز میں نہیں ہو سکتی۔

ذومعنی الفاظ سے پاک ہو:

قرارداد سادہ اور کم سے کم الفاظ پر مشتمل ہو۔ زیادہ الفاظ سے بحث کوئی دوسرا رخ اختیار کر سکتی ہے۔ مبہم اور ذومعنی الفاظ سے گریز کیا جائے۔ کوشش کریں قرارداد کو مثبت جملے کی شکل میں پیش کیا جائے۔

شاعر یا گیت نگار کا مصرعہ نہ ہو:

اگر قرارداد کسی شاعر کے شعر کا مصرعہ ہے تو کوشش کی جائے شاعر ایسا ہو، جو مفکر اور دانا ہو عالم فاضل یا بڑے مقام اور مرتبے والا ہو۔ کسی فلمی شاعر یا گیت نگار کے مصرعے پر قرارداد مرتب کرنا مباحثے جیسی علمی وفکری خطابت کے منافی ہے۔ دوسرا یہ کہ کوئی مقرر یہ کہہ سکتا ہے کہ جناب والا! مصرعہ قرارداد تو فلاں فلمی شاعر کا ہے اور آپ جانتے ہیں اس نے ساری زندگی چرس اور شراب کے نشے میں گزار دی اب معلوم نہیں اس نے یہ بات بھوک میں کہی، نشے میں کہی، مدہوشی میں کہی، اچھی حالت میں کہی یا بری حالت میں منہ سے نکالی، لیکن قائد ایوان نے اس پر اتنی لمبی چوڑی تقریر

جھاڑ دی اور وہ وہ باتیں کہہ ڈالیں جو خود شاعر کے اپنے ذہن میں بھی نہیں ہوں گی۔ سوال یہ ہے کیا ہم اس باشعور ایوان میں اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ ایک چرسی، موالی اور شرابی کی لَٹ میں نکالی ہوئی مغلظات کو علوم، معارف، تہذیب اور افکار کا تاج پہنائیں؟

اب اس طرح کی باتیں سن کر پورا مجمع یہ خیال کرے گا شاید ہم یہاں وقت ضائع کرنے آئے ہیں اور ایک غلط کام کر رہے ہیں۔ عام لوگ ضمیر کی خلش کا شکار ہو جائیں گے۔ عین ممکن ہے کہ مقررین بھی اسی طرح کے احساس کا سامنا کر رہے ہوں۔ لہذا ضروری ہے کہ شعر کے مصرعے کو قرارداد بناتے وقت شاعر کی علمی، فکری اور عملی حیثیت کو مدنظر رکھا جائے۔

قرارداد کی تین اقسام:

بحث کے لیے طے کی جانے والی قرارداد عموماً ماضی، حال یا مستقبل تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔ لہذا زمانے کے اعتبار سے قرارداد کی تین اقسام بن جاتی ہیں۔

واقعاتی قرارداد   پالیسی کی قرارداد   ترجیحی قرارداد

۱۔ واقعاتی قرارداد:

ماضی کے کسی واقعے سے تعلق رکھتی ہے جیسے:

پاکستان ناگزیر تھا۔   سقوط ڈھاکہ کے ذمہ دار سیاستدان ہیں۔

نائن الیون کا واقعہ امریکی پالیسیوں کی وجہ سے ہوا۔

۲۔ پالیسی کی قرارداد:

ایسی قرارداد ہے جس میں مستقبل کے حوالے سے کسی پالیسی کے اپنانے یا کسی خاص شعبے میں تبدیلی کی تجویز دی جاتی ہے۔ مثلاً:

این جی اوز کو ملنے والی گرانٹ کا آڈٹ ہونا چاہیے۔

مدارس میں جدید علوم کو شاملِ نصاب کرنا چاہیے۔

شلوار قمیص اور جناح کیپ کو یونیورسٹی کے یونیفارم کی حیثیت دینی چاہیے۔

۳۔ ترجیحی قرارداد:

ایسی قرارداد ہے جس میں زمانہ حال کے حالات، رجحانات اور حقائق کی روشنی میں تقابلی جائزے کے ذریعے ایک چیز کی دوسری چیز پر ترجیح ثابت کی جاتی ہے۔ جیسے:

ہمیں ڈگری کی نہیں علم کی ضرورت ہے۔

دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لیے تنگ۔

ہم مغرب کے غلام ہیں۔

دھرنے تبدیلی کی ضمانت ہیں۔

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیادہ تر مباحثے تیسری قسم کی قرارداد پر منعقد ہوتے ہیں۔

قائدین کی ذمہ داریاں:

مباحثے میں قائد ایوان اور قائد حزب اختلاف کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ آیئے اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

قائد ایوان کی ذمہ داریاں:

قائد ایوان وہ پہلا مقرر ہے جو قرارداد کو پیش کرتا ہے۔ لہٰذا اسے چاہیے کے قرارداد کو بھر پور اعتماد کے ساتھ ایسے طریقے سے پیش کرے کہ سامعین کو قرارداد کے حق میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ یہی مؤقف واضح اور مبنی برحق ہے۔ اس سے اختلاف کرنے یا اس پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

☆ قائد ایوان کو اپنا مؤقف اس ترتیب سے آگے بڑھانا چاہیے۔

۱۔ سب سے پہلے قرارداد کے قابل غور الفاظ کی وضاحت کرے۔

۲۔ الفاظ کی وضاحت کے بعد قرارداد کا ایک واضح مفہوم اور تعریف متعین کرے۔

۳۔ قرارداد کے بنیادی مقدمے اور مفہوم کو علمی، فکری، تاریخی، تہذیبی، کلی، جزی، انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے پیش کرے۔

۴۔ مباحثے کی حدود و قیود متعین کرے۔

۵۔ اپنا مؤقف اور اس کے تمام پہلوؤں کو جامع مگر مختصر طریقے سے پیش کرے، کیونکہ بہت زیادہ تفصیل بے جا طوالت کا باعث بنتی ہے۔ اور بے جا طوالت سے سامعین اکتا جاتے ہیں۔ لہذا قائد ایوان کو چاہیے کہ پہلی تقریر 10 سے 12 منٹ میں ختم کردے، کیونکہ ۸ منٹ کے بعد عموماً سامعین کی دلچسپی کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

۶۔ اپنی تقریر میں مسئلے کو اس طرح پیش کرے کہ اس کے رفقاء کو مباحثے کی حدود و قیود میں رہ کر قرارداد کی حمایت کرنے میں دقت نہ ہو۔

۷۔ قرارداد سے جنم لینے والے مسائل کے ہر پہلو کو دلائل و شواہد سے مضبوط کرے۔

۸۔ آخر میں پوری تقریر کا خلاصہ ایک پیراگراف میں پیش کرے۔

۹۔ مجمع کی نفسیات کا خیال رکھے۔ موضوع کی مناسبت سے اشعار، مصرعے، مقولے، ادبی تراکیب اور خوبصورت جملے سامعین کی نذر کرتا رہے۔ اس طرح مجمع آپ کی مٹھی میں رہے گا۔

۱۰۔ پہلی تقریر مکمل کرنے کے بعد اپنی نشست پر کاغذ قلم لے کر بیٹھ جائے اور قائد حزب اختلاف اور اس کے رفقاء کی جوابی تقاریر سے ان اہم اعتراضات کا جامع اور مختصر جواب تیار کرے جو سامعین کا ذہن قرارداد کے خلاف بنا رہے ہیں۔

۱۱۔ آخری تقریر میں پہلے مخالفین کے ان اہم اعتراضات کا جواب دے جو قرارداد کی مخالفت کے پلڑے کو وزنی کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اپنے مؤقف کا اعادہ کرے۔ قرارداد کو تسلیم نہ کرنے کی صورت میں اگر قائد ایوان نے پہلی تقریر میں مخالفین پر کوئی ایسا اعتراض اٹھایا، جس کا مخالفین میں سے کوئی بھی جواب نہیں دے سکا تو قائد ایوان کو چاہیے کہ سامعین کے ذہنوں میں اپنے اس اعتراض کو تازہ کردے۔

۱۲۔ آخری تقریر میں پوری بحث کو قرارداد کے حق میں سمیٹنے کی کوشش کرے۔

نوٹ: آخری تقریر میں نئے دلائل کا اضافہ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

قائد حزب اختلاف کی ذمہ داریاں:

قائد حزب اختلاف کا کام چونکہ تردید کرنا ہوتا ہے اور کسی چیز کی معقول انداز میں تردید کرنا اسے پیش کرنے سے زیادہ مشکل امر ہے لہذا قائد حزب اختلاف کو مباحثہ جیتنے کے لیے قائد ایوان کی نسبت زیادہ فنی مہارت کا ثبوت دینا ہوتا ہے۔ کیونکہ آخری تقریر پھر قائد ایوان کو کرنا ہوتی ہے جس میں اس کے پاس بحث کو اپنے حق میں سمیٹنے کا زیادہ موقع ہوتا ہے۔ لہذا قائد حزب اختلاف کو چاہیے کہ پہلی تقریر میں ہی قرداد کو پورے اعتماد کے ساتھ اس طرح سے مسترد کر دے کہ سامعین کے ذہن میں قرارداد کی موافقت سے متعلق قوی شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ اصل بات تو اب سامنے آئی ہے۔ قرداد کے یہ پہلو تو ہمارے ذہن میں تھے ہی نہیں۔ یہ تو بڑا متنازعہ مسئلہ ہے۔ اگر قائد حزب اختلاف کی تقریر نہ ہوتی تو شاید قائد ایوان ہمیں گمراہ کر کے چلے جاتے۔

☆ قائد حزب اختلاف کو اپنا موقف اس ترتیب سے آگے بڑھانا چاہیے۔

۱۔ قرداد کے قابل غور الفاظ کی وضاحت کرے۔

۲۔ قائد ایوان کی پیش کردہ تعریف پر بحث کرے۔

۳۔ قائد ایوان کی طے کردہ حدود و قیود پر بحث کرے اور ایسے الفاظ کی وضاحت پر اصرار کرے جسے قائد ایوان نے غیر اہم سمجھا۔

۴۔ قرارداد کے تاریخی پس منظر کو اس کے ساتھ جوڑ کر پیش کرے۔ اس سے قرداد کی جو وضاحت اور تعریف سامنے آئے گی، اس سے قائد ایوان کی پیش کردہ تعریف اور وضاحت پر بہت زوردار ضرب لگے گی اور قائد ایوان کے دلائل کی بنیاد ہل جائے گی۔ پھر جب دلائل کا دلائل سے ٹکراؤ ہو گا تو قائد ایوان کے مؤقف کی پوری عمارت ہی زمیں بوس ہو جائے گی۔

۵۔ قائد حزب اختلاف اس بات پر نگاہ رکھے کہ قائد ایوان نے قرارداد کے کون کون سے پہلو چھوڑ دیے ہیں، ان پہلوؤں کو پیش کرے اس سے سامعین کے سامنے قرارداد کے نقائص مزید واضح ہو کر سامنے آجائیں گے۔

۶۔اپنے مؤقف کو جامع اور مختصر انداز میں پیش کرے۔

۷۔دلائل اور شواہد سے اپنے مؤقف کو مضبوط کرے۔

قائدایوان کے مؤقف کی چھان بین:

قائد حزب اختلاف کو چاہیے کہ قائد ایوان کے مؤقف کو رد کرنے کے لیے اسے دو حصوں میں تقسیم کردے۔

پہلا حصہ وہ جو قرارداد کی وضاحت پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ وہ ہو جس میں دعوے اور دلائل ہیں۔

قائدایوان کی پیش کردہ قرارداد کارد:

قرارداد کی وضاحت کو رد کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور پر غور کرے۔

(الف) قابل غور الفاظ کی وضاحت (کیا کوئی خامی ہے؟) اگر خامیاں ہیں تو

نمبر۱:__________________________

نمبر۲:__________________________

نمبر۳:__________________________

(ب) قرارداد کے الفاظ کی وضاحت سے جو بنیادی مقدمہ یا تعریف طے پائی (کیا کوئی خامی ہے؟) اگر خامیاں ہیں تو

نمبر۱:__________________________

نمبر۲:__________________________

نمبر۳:__________________________

(ج) قرارداد کا کوئی پہلو جو بیان نہیں ہوا______________

(د) قرارداد کی وضاحت پر وارد ہونے والی کل خامیاں____________

(اگر گھر سے ہی کاغذ پر اس طرح کا ایک نقشہ تیار کر کے لے جائے تو قرارداد کی وضاحت کی فوری تردید کرنا آسان ہو جاتا ہے۔)

قائد ایوان کے دعووں اور دلائل کی چھان بین:

قائد ایوان کی پیش کردہ وضاحت کی چھان بین کے بعد اب اس کے دعووں اور دلائل کی چھان بین کی طرف آجائیں!

دعویٰ کا رد:

دعویٰ کا رد کرنا دلائل کے رد کرنے پر موقوف ہے۔ اگر دلیل رد ہو جائے تو دعویٰ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

دلیل کا رد:

دلیل کو رد کرنے کے لیے سب سے پہلے دلیل کی نوعیت پر غور کرنا چاہیے۔ اصل دلیل تو منطقی استدلال کا نام ہے، لیکن عام طور پر مقررین منطق کے اصولوں کے مطابق استدلال کم ہی کر پاتے ہیں کیونکہ یہ کچھ مشکل کام ہے۔ دوسرا یہ کہ آج کل مباحثوں میں ''ڈیکلیمشن'' کا رنگ آتا جا رہا ہے جس کی وجہ عام طور پر شواہد کو ہی دلیل کے طور پر پیش کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قائد حزب اختلاف غور کرے کہ دلیل کے طور پر کیا پیش کیا گیا ہے؟ منطقی استدلال ہے، اخباری خبر ہے، ٹوٹا پھوٹا پہا ہے، معاشرتی واقعہ ہے، رپورٹ ہے، کسی مفکر کا قول ہے، شاعر کا شعر ہے یا محض پھبتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون سی چیز ہے جسے حقیقتاً دلیل بنایا جا سکتا ہے یا اتھارٹی سمجھا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کے کچھ کمزور پہلو ہیں وہ ذہن میں رکھیں۔ جیسے:

اخباری خبر اور میڈیا کی شہادت:

میڈیا اور اخباری خبر کے جواب میں آپ ذرائع ابلاغ کے رویے کو نشانہ بنا سکتے ہیں کہ میڈیا جو معلومات فراہم کرتا ہے ضروری نہیں ہے کہ اس میں سو فیصد صداقت اور غیر جانب داری ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ میڈیا جہاں محتاط ہوتا ہے وہیں خاصہ غیر محتاط اور غیر ذمہ دار بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے ''زرد صحافت'' کی اصطلاح عام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں ایک چینل دوسرے چینل کا بھانڈہ پھوڑنے کے لیے حقائق سے پردہ اٹھاتا رہتا ہے، انٹرنیٹ پر کتنے ہی اینکرز کے Real Face اور سرمایہ داروں کے ہاتھ خود کو فروخت کرنے کی ویڈیوز موجود ہیں۔ ایسے ہی سوات کی

تحصیل کبل کے علاقے کالا کلے میں 17 سالہ لڑکی کو کوڑے مارنے کی ویڈیو جاری کی گئی جس کی بنیاد پر میڈیا نے طوفان کھڑا کر دیا بعد میں تکنیکی طور پر اور سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق بھی وہ ویڈیو جعلی ثابت ہوگئی جبکہ ''کالا کلے'' گاؤں کے باسیوں کا بھی یہ کہنا تھا کہ ہمارے علاقے میں یہ واقعہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا۔ وزیر داخلہ چوہدری نثار صاحب کا 10 ستمبر 2015ء کے اخبارات میں یہ بیان شائع ہوا کہ مدارس کے خلاف جھوٹی رپورٹیں بنانے کے لیے امریکی و برطانی سفارت خانے اور غیر ملکی این۔جی۔اوز اسلام آباد کے صحافیوں کو پیسے دیتے رہے ہیں۔ ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اخبارات اور میڈیا کی شہادت معلوماتی تو ہوسکتی ہے لیکن مستند نہیں ہوسکتی کیونکہ اس میں غلطی، نقص، پروپیگنڈے، بلیک میلنگ اور مالی مفاد کے لیے کام کرنے کا رجحان ہمہ وقت موجود ہوتا ہے۔

سروے رپورٹ:

''سروے رپورٹ'' کے جواب میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اصولِ استقرا کا نتیجہ ہے جو کبھی بھی یقین کا فائدہ نہیں دیتا یعنی سروے رپورٹ میں چند لوگوں کی رائے پر سب لوگوں کے لیے حکم لگا دیا جاتا ہے مثلاً ایک آدمی نے دیکھا کہ کورنگی میں پانچ آدمیوں نے اس سے جھوٹ بولا تو ان پانچ آدمیوں کی بنیاد پر اگر وہ یہ کہنا شروع کر دے کہ کورنگی میں سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں تو ظاہر ہے اس بنیاد پر کورنگی کے تمام لوگوں کے لیے جھوٹا ہونا تو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ رپورٹ میں یہ دیکھنا چاہیے کہ حوالہ کے ساتھ ہے یا بغیر حوالے کے ہے۔ پھر حوالہ معتبر ہے یا غیر معتبر ہے۔

قول:

قول بھی دلیل نہیں، کیوں کہ یہ سند ہے۔ جس کا قول آپ نے پیش کیا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی آپ کا ہم خیال ہے، لیکن آپ دونوں کا یہ خیال کیوں ہے؟ کس بنیاد پر ہے؟ آپ دونوں کے اس خیال اور نقطہ نظر کی کیا دلیل ہے؟ یہ دلیل نہ تو آپ نے پیش کی ہے نہ ہی اس پر روشنی ڈالنے کے لیے صاحبِ قول یہاں تشریف لائے ہیں۔ مثلاً آپ نے دلیل کے طور پر ''شیکسپیر'' کا قول پیش کر دیا تو سوال یہ ہے کہ شیکسپیر نے یہ بات کس دلیل کی بنیاد پر کہی ہے؟ وہ

بنیادی دلیل نہ تو آپ بیان کر رہے ہیں اور نہ ہی شیکسپیر نے بیان کی ہے۔

شعر:

اگر شعر کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے تو ایک شعر کا جواب دوسرے شعر سے پیش کرنا یہ عام بات ہے۔ وگرنہ یہ دیکھ لیا جائے کہ جس شاعر کا شعر ہے کیا وہ اس موضوع پر سند کا درجہ رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں رکھتا تو فوراً گرفت کیجئے۔

مثلاً آپ کہتے ہیں صدر عالی وقار! ایک مجہول شخص جو اس موضوع پر اتھارٹی ہی نہیں اس کے کلام کو پیش کرنے کا مقصد سوائے سامعین کو جذباتی گمراہی میں مبتلا کرنے کے اور کچھ نہیں۔

طنز اور پھبتی:

طنز اور پھبتی کے جواب میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ علمی وفکری گفتگو ہے۔ علمی دنیا میں اہل علم ایک دوسرے پر طنز کرنے یا پھبتیاں کسنے سے علمی مسئلے حل نہیں کرتے۔ جس بات پر میرے مخالف نے پھبتی کسی ہے اگر اس بات کی کوئی مناسب دلیل ان کے پاس ہے تو پیش کریں وگرنہ اپنی جاہلانہ پھبتی اپنے پاس سنبھال کر رکھیں۔

چنانچہ قائد ایوان کے دلائل کی چھان بین کے لیے درج ذیل امور کا خیال کیجیے!

☆ کیا قائد ایوان کی کسی دلیل پر آپ کوئی سوال اٹھا سکتے ہیں؟

☆ آپ اپنے تیار کردہ مواد میں سے دیکھیں کہ آپ کی کون سی بات قائدِ ایوان کی کسی دلیل کا جواب بن سکتی ہے؟

☆ قائد ایوان نے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے جتنے دعوے کیے ان دعووں کی کل تعداد کتنی ہے؟

نوٹ کر لیجیے! اب ترتیب وار ہر دعوے کو لے کر اس کی دلیل کو رد کرتے جائیں۔ دلیل کے رد ہونے سے دعویٰ خود بخود رد ہو جائے گا۔

قائد ایوان کی تقریر کا محاکمہ:

جب قائد حزب اختلاف اپنی باری پر تقریر کرنے کے لیے آئے تو قائد ایوان کی تقریر کا پورا

محاکمہ پیش کردے۔ جیسے:

جناب والا!

قائدایوان کی پیش کردہ قرارداد کی وضاحت کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس میں کل تین خامیاں پائی جاتی ہیں۔ (اب ہر خامی کو ترتیب سے بیان کر کے اس پر تبصرہ کردے۔)

جناب والا!

اگر دلائل کا جائزہ لیا جائے تو قائدایوان نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے اپنی پوری تقریر میں کل چار دعوے کیے ہیں۔

اب ترتیب وار ہر دعوے کا مختصر خلاصہ بیان کر کے اس کی دلیل کو رد کرتا جائے۔ اس طرح قائدایوان کی پوری تقریر اپنے دونوں مرکزی حصوں یعنی قرارداد کی وضاحت اور اس کو ثابت کرنے والے دعوؤں سمیت رد ہو جائے گی۔

اہم بات/غیر ضروری مسائل سے نجات:

بسا اوقات قائدایوان دلائل کا دائرہ وسیع کر دیتا ہے تاکہ اس کے رفقاء کو مباحثہ لڑنے کے لیے کھلا میدان مل جائے۔ لہذا وہ اپنی تقریر میں بعض دفعہ غیر متعلق یا کم اہمیت کے مسائل بھی اٹھا دیتا ہے تاکہ حزب اختلاف کو غیر متعلق مسائل میں الجھا دیا جائے۔ اب قائد حزب اختلاف کا فرض ہے کہ غیر متعلق اور غیر ضروری مسائل کو بھانپ لے اور اپنے رفقاء کو غیر ضروری بوجھ سے نجات دلانے کے لیے اعلان کر دے کہ یہ مسئلہ قرارداد سے خارج ہے۔ لہذا میں اسے بحث سے خارج قرار دیتا ہوں۔ اس طرح قائدایوان اور ان کے ساتھیوں کو کھلے میدان سے گھیر کر تنگ گلی میں لے آئے۔

آخری تقریر:

آخری تقریر میں قائد حزب اختلاف کو اپنا موقف دہرا کر اُن تمام اعتراضات کو سامعین کے ذہن میں تازہ کرنا ہوتا ہے، جس کا جواب مباحثے کے آخر تک موافقت والے نہیں دے

سکے۔اس وقت نئے دلائل کے اضافے کی اجازت نہیں ہوتی۔لیکن جو پوائنٹس قائد حزب اختلاف نے اپنی پہلی تقریر میں اٹھائے تھے اگر ابھی تک ان کا جواب نہیں آیا تو انہیں سوالات کی صورت میں پھر اٹھائے، حزب موافقت کے پوائنٹس پر مزید سوالات چھوڑے اور ہلکے پھلکے شائستہ مزاح کا تڑکہ لگاتا ہوا رخصت ہو جائے۔اثبات کے مرحلے میں قائد حزب اختلاف اپنے مؤقف کا ایک اجمالی خاکہ اس طرح پیش کرے کہ لوگوں کے ذہن میں دوسرے رخ سے مؤقف کی ایک مضبوط عمارت تعمیر ہو جائے۔اسی طرح جب قائد ایوان اپنی آخری تقریر کرنے کے لیے آئے تو قائد حزب اختلاف کے دعوؤں اور دلائل کا محاکمہ کر کے اس کے اعتراضات کا بھرپور جواب دے ڈالے۔

فریق مخالف کے دعویٰ جات اور دلائل کی چھان بین کا جدول:

فریق مخالف کے دعوؤں اور دلائل کے تجزیے اور چھان بین کے لیے اگر پہلے اس طرح کا جدول بنالیا جائے تو مباحثہ خواہ تحریری ہو یا تقریری یہ نقشہ دونوں صورتوں میں یکساں مفید رہے گا۔

دعویٰ نمبر 1۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پیش کردہ دلیل۔۔۔۔۔۔۔۔ نوعیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کمزور پہلو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مخالف کی دلیل کا جواب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دعویٰ نمبر 2۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پیش کردہ دلیل۔۔۔۔۔۔۔۔ نوعیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کمزور پہلو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مخالف کی دلیل کا جواب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دعویٰ نمبر 3۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پیش کردہ دلیل۔۔۔۔۔۔۔۔ نوعیت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کمزور پہلو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مخالف کی دلیل کا جواب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دعویٰ نمبر 4۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پیش کردہ دلیل ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نوعیت ۔۔۔۔۔۔۔۔ کمزور پہلو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مخالف کی دلیل کا جواب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

محاکمہ/تبصرہ:

پہلا پوائنٹ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دوسرا پوائنٹ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تیسرا پوائنٹ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چوتھا پوائنٹ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اختتامیہ:

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تیرہواں باب

مباحثہ کیسے جیتیں؟
مقابلے اور ٹاک شو کے لیے بحث کی تیاری کے اصول

مباحثہ کیسے جیتیں؟
مقابلے اور ٹاک شو کے لیے بحث کی تیاری کے اصول

کالج اور یونیورسٹی کے ہر نو آموز مقرر کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ مباحثہ کیسے جیتا جائے اور پوزیشن کیسے حاصل کی جائے؟

ذیل میں چند ایسے اصولوں کو ذکر کیا جا رہا ہے اگر انہیں غور سے سمجھ کر اس کے مطابق مباحثے کی تیاری کی جائے تو نئے مقررین بہت جلد اس میدان کے شاہسوار بن سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان اصول وقواعد کی روشنی میں ٹاک شوز کے مباحثوں اور میڈیا میں ہونے والی ڈیبیٹ کی تیاری بھی بہت شاندار اور جاندار طریقے سے کی جا سکتی ہے۔

ناکامی کا غم نہ کیجیے!

ابتدا ہی میں پوزیشن لینا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن آپ اگر پہلی مرتبہ مباحثے میں شریک ہو رہے ہیں تو اس اعتماد سے تیاری کریں کہ ''میں مباحثہ جیتنے جا رہا ہوں۔'' ایوان میں بیٹھ کر پوری ترتیب کو بغور دیکھیں۔ مباحثے کے نظم اور طریقہ کار کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ مقررین کس ترتیب سے اپنا مواد پیش کر رہے ہیں اس کو دیکھیں۔ ایسے مقررین جنہیں ایوان میں خوب سراہا جاتا ہے۔ غور کریں کہ انہیں کس بات پر اور کیوں سراہا جا رہا ہے؟ منصفین کو ضرور دیکھیں کہ مقررین کی کس بات پر وہ

اپنے چہرے سے خوشی کا تأثر دے رہے ہیں یہاں ان کے مزاج سے واقفیت ضروری ہے کہ وہ کس طرح کا مواد اور کس طرح کا انداز پسند کر رہے ہیں۔ جب آپ کی باری آئے تو پورے اعتماد سے تقریر کریں اگر پوزیشن آجائے تو اچھی بات ہے کیونکہ آپ گھر سے نکلے ہی اس عزم کے ساتھ تھے کہ مباحثہ جیتنا ہے اور اگر پوزیشن نہ آئے تو ناکامی کا غم مت کیجئے۔ آپ یہ سوچیے کہ میں تو پہلی مرتبہ مباحثے میں شریک ہوا ہوں۔ ابھی ابتداء ہے ابھی تو میں جیتنے نہیں سیکھنے آیا تھا اور الحمدللہ میں کافی حد تک سیکھ کر جا رہا ہوں۔ میرا آنے کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔

''پاکستان ڈیبیٹ کونسل'' کے سربراہ جناب عابد علی امنگ صاحب جو ماضی میں خود بھی پاکستان کے بہترین مقرر رہے ہیں اور آج کل کراچی کے تقریباً تمام مباحثوں میں منتظم اور منصف کے نا صرف فرائض سرانجام دیتے ہیں بلکہ انہوں نے کل پاکستان اور بین الاقوامی سطح پر پوزیشن لینے والے مقررین کی تربیت بھی کی ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ ''نوآموز مقرر پہلے مباحثہ دیکھتا ہے۔ پھر اسے سمجھنے لگتا ہے۔ پھر اس پر گرفت کرنے لگتا ہے۔ پھر جیتنا شروع کرتا ہے اور جب جیتنے لگتا ہے تو پھر قائد بن جاتا ہے۔'' لہٰذا مباحثے کے میدان میں آنے والے کسی بھی نئے مقرر کو چاہیے کہ ناکامی کا غم نہ کرے، بلکہ اسے اپنی کامیابی کی پہلی سیڑھی سمجھے۔

تیاری کا درست طریقہ اپنائیے!

تیاری کے لیے سب سے پہلا مرحلہ قرارداد کو بغور سمجھنا ہے۔ جب آپ قرارداد کو سمجھ کر اس کی ایک طرف کو منتخب کر لیتے ہیں کہ آپ کو مخالفت میں بولنا ہے یا موافقت میں تو اب دوسرا بڑا مرحلہ تقریر کے لیے مواد کا حصول ہے مواد کے حصول کے لیے درج ذیل امور کو اپنایئے:

☆ ذاتی یادداشتیں:

سب سے پہلے کاغذ قلم لے کر صفحے کی پیشانی کے وسط میں قرارداد کے الفاظ لکھ کر درمیان میں لکیر لگائیں اور صفحے کو دو کالم میں تقسیم کر لیں۔ ایک کالم کے اوپر یہ سرخی لگائیں ''اگر قرارداد کو تسلیم کو لیا جائے تو کیا مسائل پیدا ہو سکتے ہیں'' اور دوسرے کالم کے اوپر یہ سرخی لگائیں ''اگر قرارداد کو تسلیم نہ کیا جائے تو کیا مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔'' اب غور کریں، سوچنا شروع کریں، بغیر کوئی کتاب

دیکھیے یا کسی سے بات چیت یا تبادلہ خیال کیے بغیر صرف اپنے ذہن پر زور دیں اور جو بات بھی ذہن میں آ رہی ہے، اسے مطلوبہ کالم میں اشارات کی صورت میں لکھتے جائیں۔ اس سے قرارداد کے حوالے سے آپ کی اپنی یادداشتیں مرتب ہو جائیں گی۔ ان یادداشتوں کو مرتب کیے بغیر اگر آپ لوگوں سے تبادلہ خیال کرنے لگیں گے یا مطالعہ شروع کر دیں گے تو اس قرارداد پر آپ کی اپنی سوچ نہ صرف دب جائے گی بلکہ دوسروں کے افکار میں کہیں گم ہو جائے گی۔

ذاتی یادداشتیں مرتب کرنے کا خاکہ:

یاد رکھیے! جب تک کسی تقریر یا تحریر میں آدمی کی اپنی کیفیت اور فکر کا اظہار نہ ہو تو اس میں جان نہیں پڑتی۔ ذاتی یادداشتیں آپ کے قدیم مطالعے، مشاہدے، سوچ اور آراء کا نچوڑ ہیں، جنہیں کبھی بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ذاتی یادداشتیں مرتب کرنے کا خاکہ اس طرح بنایا جا سکتا ہے۔ (صرف اشارات لکھتے جائیں)

زیر بحث قرارداد:

امن کے لیے جنگ ضروری ہے۔

اگر قرارداد کو تسلیم کریں تو کیا مسائل پیدا ہوتے ہیں؟	اگر قرارداد کو تسلیم نہ کریں تو کیا مسائل پیدا ہوتے ہیں؟
ا۔	ا۔
۲۔	۲۔
۳۔	۳۔

صرف اشارات تحریر کریں!

ذہن میں آنے والے مزید خیالات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اشعار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اقوال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

معلومات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کتب اور رسائل جو تیاری میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ شخصیات جن سے تبادلۂ خیال کیا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ممکنہ طور پر فریق مخالف کون کون سے پوائنٹس اٹھا سکتا ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مطالعہ:

مطالعہ کے لیے کتب، رسائل، جرائد اور انٹرنیٹ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔لیکن یہاں بھی مطالعہ کرتے ہوئے بنیادی اصول یہی ذہن میں رکھیں کہ دوران مطالعہ اپنے موقف کے حق میں دلائل وشواہد جمع کرتے ہوئے اُن دلائل اور شواہد کو بھی نوٹ کرتے رہیں جو واضح طور پر آپ کے نقطہ نظر کے منافی ہیں۔خواہ یہ منافی پوائنٹس آپ کے ذہن میں آرہے ہیں یا دوران مطالعہ حاصل ہوئے ہیں مطالعے کے بعد جب آپ اپنی تقریر تیار کرنے لگیں گے تو اس وقت مخالف مسائل کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ کیا آپ کے موقف میں اتنی وسعت ہے کہ آپ کے موقف سے ہی ان مخالف مسائل کا حل پیش کر کے انہیں آپ ہی کے موقف میں سمو دیا جائے اور آپ کے مواد کا حصہ بنا دیا جائے۔اگر آپ کے مؤقف سے ان مخالف مسائل کا حل نہیں نکلتا تو اس مخالف نقطہ نظر کو اپنے مخالف کا نقطہ نظر سمجھ کر اس پر کوئی سوال، اعتراض یا اس مسئلے کا رد تیار کر لیں۔عین ممکن ہے آپ کا مخالف اپنی تقریر میں ان میں سے کسی پوائنٹ کو اٹھا کر آپ پر حملہ کرنا چاہے تو آپ پہلے سے ہی نہ صرف دفاع بلکہ جوابی حملے کے لیے بھی تیار ہوں۔

سماعت اور تبادلہ خیال:

ذاتی یاداشتوں اور مطالعے کے ساتھ ساتھ اپنے دوست، احباب، اساتذہ اور عام لوگوں سے بھی اس موضوع پر ضرور تبادلہ خیال کریں۔اگر کسی کی تقریر پہلے سے موجود ہے اور دستیاب ہے تو اسے بھی سن لیں۔اس سے آپ کے ذہن میں مواد کو پیش کرنے کے حوالے سے ''نئے آئیڈیاز'' آسکتے ہیں۔ماہر فن سے بھی اس موضوع پر بات کریں کیونکہ اس سے آپ کو قرارداد کے حوالے سے

دلائل اوراہم پہلوملیں گے، لیکن عام آدمی سے بھی اس موضوع پر تبادلہ خیال ضروری ہے۔ کیونکہ عام آدمی قرارداد میں موجود مسئلے پر ایک عام خیال اور سیدھا سادہ تصور رکھتا ہے۔ یہ سیدھا سادہ پہلو اس لحاظ سے انتہائی اہم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے مجمع میں سارے فلسفی اور ماہرین تو نہیں ہوتے عام سامعین بھی ہوتے ہیں۔ فلسفیانہ گفتگو ان کے سر کے اوپر سے گزر جاتی ہے لہذا انہیں اپنا ہمنوا بنانے اور قائل کرنے کے لیے حقائق پر مبنی سیدھی سادی بات ہی کرنا پڑتی ہے۔

خلاصہ:

تقریر کی تیاری کے لیے مواد چار ذرائع سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ ذاتی یادداشتیں تیار کریں۔

۲۔ مطالعہ کریں۔

۳۔ سماعت کریں۔

۴۔ تبادلہ خیال کریں۔

مخالفین کا نکتہ نظر نوٹ کیجیے:

مواد تلاش کرتے ہوئے یہ اصول پیش نظر رہنا چاہیے کہ اپنے لیے دلائل وشواہد تیار کرتے ہوئے اُن دلائل وشواہد کو بھی نوٹ کرتے جائیں جو آپ کے نکتہ نظر کے منافی ہیں۔ یاد رکھیے! یہ مخالف نکتہ نظر دراصل آپ کے مخالفین کا نکتہ نظر ہے۔ لہٰذا اسے سرسری سمجھ کر نظرانداز مت کریں بلکہ اس کا ''بھرپور رد'' تیار کریں کیونکہ عین ممکن ہے جس بات کو آپ نظرانداز کر رہے ہیں یہی بات آپ کے مخالفین کے ذہن میں بھی آجائے اور وہ اس پوائنٹ کو اپنے مؤقف کی دلیل کے طور پر پیش کردیں۔ لیکن اگر آپ کے پاس رد دلیل پہلے سے تیار ہوگا تو آپ کا پلڑا بھاری ہوجائے گا۔

حالیہ گرم موضوعات (HOT ISSUES) پر تیاری کیسے کی جائے؟

بعض دفعہ کسی حالیہ گرم موضوع یعنی ہاٹ ایشو پر مباحثہ رکھ دیا جاتا ہے جیسے: فروری 2014ء میں جب آپریشن ضربِ عضب سے پہلے حکومت پاکستان کا طالبان سے مذاکرات کرنے یا نہ کرنے کا ایشو میڈیا پر گرم تھا ان ہی دنوں کراچی کے ایک معروف سرکاری تعلیمی ادارے میں

مباحثہ رکھا گیا جس کی قرارداد اس ہاٹ ایشو کے حوالے سے کچھ یوں تھی: ''امن کے لیے جنگ ضروری ہے'' ایسے ہی کراچی آپریشن میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہونے کا ایشو جب میڈیا پر گرم تھا تو ایک اور سرکاری تعلیمی ادارے میں منعقد ہونے والے مباحثے کی قرارداد کچھ اس طرح سے تھی: ''اے وطن تیرے باغوں میں بہار آئی ہے۔'' اسی طرح بہت سے تقریری مقابلے اور مباحثے قومی اور عالمی دنوں مثلاً منشیات کا عالمی دن، مزدوروں کا عالمی دن، خواتین کا عالمی دن، یوم کشمیر، یوم دفاع وغیرہ کے حوالے سے رکھے جاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ مقابلہ بھی اسی عالمی دن میں ہی رکھا جائے۔ مقابلے کی تاریخیں پہلے یا بعد میں بھی رکھی جاسکتی ہیں۔ البتہ قراردادیں یا موضوعات اس دن کی مناسبت سے یا اس ایشو کی مناسبت سے ضرور ہوسکتے ہیں۔ ہاٹ ایشو پر عموماً مباحثہ ہوتا ہے۔ جبکہ قومی اور عالمی دنوں کے حوالے سے تقریری مقابلہ ہوتا ہے۔

لائبریری اور اخبارات:

مباحثہ اگر کسی ہاٹ ایشو پر ہو رہا ہو تو اس کی تیاری کا آسان طریقہ یہ ہے کہ لائبریری میں چلے جائیں۔ گذشتہ تین چار دن کے قومی اخبارات حاصل کرلیں۔ اس ایشو کی موافقت اور مخالفت میں آپ کو بہت سارے سماجی، سیاسی اور مذہبی شخصیات کے بیانات مل جائیں گے۔ دائیں اور بائیں بازوؤں سے تعلق رکھنے والے صحافیوں کے کالم بھی ہوں گے۔ کچھ ان میں سے اس ایشو پر حکومت کی حمایت کر رہے ہوں کچھ کالم نگار اس کی مخالفت میں کالم لکھ رہے ہوں گے۔ آپ دونوں کی تحریریں پڑھ لیں۔ نوٹ بک ساتھ رکھیں۔ جس قلم کار نے ایشو پر موافقت کی ہے اس کے پوائنٹس اور دلائل بھی نوٹ کرلیں۔ اور جس قلم کار نے ایشو کی مخالفت کی ہے اس کے پوائنٹس اور دلائل بھی جمع کرلیں۔

بعض اخبارات کی پالیسی ایسی ہوتی ہے کہ وہ کسی خاص سیاسی، مذہبی، حکومتی یا اپوزیشن کے نکتہ نظر کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اس ایشو کی حمایت کون سی سیاسی جماعت کر رہی ہے اور مخالفت کون سی جماعت کر رہی ہے لہذا آپ اپنی اپنی جماعت کی حمایت کرنے والے اخبارات دیکھ لیں اس میں ایک دوسرے کی خوب مخالفت ہوگی آپ کو دونوں طرف کے لیے بہترین مواد مل

جائے گا۔ اخبارات سے فارغ ہونے کے بعد اس ایشو کے حوالے سے قومی اخبارات کے ''سنڈے میگزین'' ضرور دیکھیں۔ سنڈے میگزینز میں آپ کو اپنے موضوع کے حوالے سے تحقیقی رپورٹس، عالمی نقطہ نظر اور ادبی و معلوماتی فیچرز مل جائیں گے۔ اس سے آپ اپنی تقریر کے لیے علمی وادبی تحقیقی و معلوماتی مواد حاصل کر سکتے ہیں۔

ترتیب سے پہلے غور وفکر:

مواد جمع کرنے اور اس کا مطالعہ کر لینے کے بعد اب آپ اس موضوع کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں اور جان چکے ہیں۔ اب اگلا مرحلہ جمع شدہ مواد اور مقابلے کی قرارداد پر غور وفکر کرنے کا ہے۔ اس کے بعد پھر مواد کو تقریر کے لیے ترتیب دیا جائے گا۔

قرارداد کے قابل غور الفاظ کی وضاحت:

قرارداد کے معانی و مفہوم تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلے قرارداد کے قابل غور الفاظ کے لغوی معانی پر توجہ کیجئے۔

اس کے بعد یہ دیکھئے کہ قرارداد کا ہر لفظ اپنے لغوی اور حقیقی معنٰی میں استعمال ہوا ہے یا مجازی اور علامتی معنی رکھتا ہے؟ جیسے ''امن کے لیے جنگ ضروری ہے۔'' یا ''دھرنے تبدیلی کی ضمانت ہیں۔'' ان مثالوں میں قرارداد کا ہر لفظ اپنے لغوی اور حقیقی معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔ ''لیکن نیا سفر ہے پرانے چراغ گل کر دو'' یا ''اچھا ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں''

ان دو مثالوں میں اگر ہم لغوی معنٰی مراد لیں گے تو کبھی قرارداد کو سمجھ ہی نہیں سکیں گے۔ جب قرارداد کو سمجھ نہیں سکیں گے تو اس پر تقریر کیا کریں گے؟ اس قرارداد کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس کے علامتی یا مجازی معنی کو سمجھنا ہوگا۔ ''نیا سفر'' نئی تہذیب کے لیے استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے جبکہ پرانے ''چراغ'' سے مراد ہماری پرانی روایات، اقدار اور تعلیمات ہیں جن کی رہنمائی اور روشنی میں ہم اپنی معاشرتی زیست کا سفر جاری رکھتے ہیں۔

قرارداد کا یہ علامتی یا مجازی معنی ہمیں قرارداد کے الفاظ کے خالق ''ساحر لدھیانوی'' کے فکری رجحانات سے معلوم ہوا۔ ساحر لدھیانوی بائیں بازو سے تعلق رکھنے والا بھارت کا معروف فلمی

شاعر تھا اور زیر بحث قرارداد اسی کی ایک انقلابی نظم کا عنوان ہے۔اس نظم کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوا کہ شاعر اس بات کا داعی ہے کہ ''ہمیں نئی تہذیب کی نئی روشنی کو اختیار کرنا چاہیے اور اپنی قدیم روایات اور اقدار کے پرانے چراغوں کو بجھا دینا چاہیے۔'' قرارداد کے علامتی معنیٰ کو جس قدر توجہ سے سمجھا جائے گا تقریر میں اتنی ہی جامعیت پیدا ہوگی۔

اسی طرح دوسری قرارداد میں ''اہل جور'' سے مراد ظالم مغربی طاقتیں ہیں جبکہ ''سختیوں'' سے مراد سرمایہ دارانہ نظام کا عالمی جبر ہے۔قرار داد کا یہ مفہوم ہمیں مصرع قرار داد کے خالق اور انگریزوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے والے شاعر ''مولانا حسرت موہانی'' کی اس پوری غزل کو پڑھنے سے معلوم ہوا، جس کے ایک مصرع کو قرارداد کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

قرارداد کے الفاظ پر دو طرح سے غور کریں:

۱۔ لغوی معنی کے اعتبار سے

۲۔ مجازی اور علامتی معنی کے لحاظ سے

اب اس اعتبار سے قرارداد کی تعریف مرتب کیجیے۔

بظاہر غیر اہم الفاظ:

قرارداد میں بعض الفاظ بظاہر غیر اہم دکھائی دیتے ہیں لیکن وہ انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جیسے لفظ ''ہے'' غیر اہم نظر آتا ہے لیکن یہ زمانہ حال یا عصر حاضر کا تقاضہ کرتا ہے اسی طرح لفظ ''ہی'' فقط، جبکہ ''صرف اور محض'' قرارداد میں ہوں تو حصر اور خصوصیت کا معنی بتاتے ہیں۔اسی طرح اگر قرارداد میں لفظ ''بھی'' ہو تو یہ شمولیت کا معنی دیتا ہے بظاہر غیر اہم نظر آنے والے یہ الفاظ پوری قرارداد کا رخ موڑ دیتے ہیں۔

مثال:

غم روزگار غم عشق بھلا دیتا ہے۔لفظ ''ہے'' عصر حاضر کا تقاضا کرتا ہے یعنی جدید دور میں ایسا ہو رہا ہے کہ لوگ پیسہ کمانے کے لیے اتنے مصروف ہو جاتے ہیں کہ اپنے رشتوں اور ناتوں کو وقت نہیں دے سکتے۔حالانکہ ماضی میں ایسا نہیں تھا۔اب اگر کوئی مقرر اس کی مخالفت میں ماضی سے

مثالیں لائے گا تو وہ ساری مثالیں رد ہو جائیں گی، کیونکہ قرارداد کا تعلق حال سے ہے اور اسے ثابت کرنے کے لیے حال کی بجائے ماضی سے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔

قرارداد پر سوالات اٹھائیے!

قرارداد کے الفاظ اور معانی پر غور کر لینے کے بعد پوری قرارداد کو سامنے سے رکھ کر یہ سوالات اٹھائیے۔

=آخر اس مسئلے کو متنازعہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟

=اگر قرارداد کو مان لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

=خاص طور پر آج یہی مسئلہ ہی قرارداد میں کیوں اٹھایا گیا ہے کیا آج کل اس حوالے سے کوئی خاص ایشو تو نہیں چل رہا؟

=کیا اس مسئلے کی کوئی خاص تاریخی حیثیت تو نہیں ہے؟

=وہ کون سے تاریخی مراحل ہیں جن سے گزر کر یہ مسئلہ موجودہ صورت میں ہمارے سامنے آیا ہے۔

=قرارداد میں موجود مسئلہ کب کہاں اور کیسے پیش آیا تھا؟

=یہ مسئلہ عارضی ہے یا مستقل ایک مسئلہ ہے؟

=قرارداد کے تمام الفاظ واضح ہیں؟

=قرارداد میں بعض ایسے الفاظ تو نہیں جن کی معنوی حدود میں اختلاف ہو سکتا ہے؟

=قرارداد کے کون کون سے الفاظ قابل غور یا قابل وضاحت ہیں؟

=قرارداد کا درست مفہوم کیا ہے؟

=قرارداد کے درست مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے کون سی باتیں ایسی ہیں جن کو بحث کے دائرے میں شامل کرنا ضروری ہے اور کون سے باتیں ایسی ہیں جو قرارداد سے متعلق ہونے کے باوجود بحث کے دائرے سے خارج ہیں۔

=قرارداد کی حمایت میں کون کون سی باتیں کہی جا سکتی ہیں؟

=قرارداد کی مخالفت میں کون کون سی باتیں کہی جاسکتی ہیں؟

=قرارداد کے حق میں کون سے دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں؟

=قرارداد کی مخالفت میں کون سے دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں؟

=قرارداد کو غور سے دیکھنے پر کون کون سے سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں؟

مواد کو مرتب کیجیے/ فی البدیہہ تقریر کی مشق کیجیے:

قرارداد پر غور وفکر کا مرحلہ تقریباً مکمل ہو چکا۔ مطالعے، غور وفکر اور مواد کے حصول کے بعد اب مواد کو ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔

مواد کو ترتیب دینے کے لیے مندرجہ ذیل ہدایات کو ملحوظ رکھیں:

ا۔ سب سے پہلے قابل غور الفاظ کی تعریف، معنوی حدود اور قرارداد کی وضاحت ایک پیراگراف میں پیش کیجیے۔

۲۔ اس کے بعد بقیہ مواد کو اس طرح ترتیب دیجئے کہ ہر پوائنٹ کا اپنے پہلے والے پوائنٹ سے ربط ہو اور بعد والے پوائنٹ سے جوڑ ہو۔ نکتہ الف کے منطقی نتیجے کے طور پر نکتہ ب پیدا ہو۔ اور نکتہ ب سے نکتہ ج فطری طور پر جنم لے رہا ہو۔ یعنی بات سے بات چلے اور نکتے سے نکتہ پیدا ہو۔

۳۔ موضوع کو مختلف پہلوؤں مثلاً سیاسی، سماجی، تاریخی، مذہبی، اخلاقی، علمی، فنی، قومی، ملی، بین الاقوامی اور فکری پہلوؤں سے جانچ لیں یا ریاست کے چار ستونوں عدلیہ، انتظامیہ، مقننہ اور میڈیا پر تقسیم کرلیں۔ اس طرح دو فائدے ہوں گے۔

آپ کی تقریر مختلف پہلوؤں کی وجہ سے جامع ہو جائے گی۔

مختلف پہلوؤں سے آپ کے موقف پر وارداد ہونے والے اعتراضات بھی آپ کے سامنے آجائیں گے، جن کے ''رد'' کے لیے آپ ذہنی طور پر تیار ہوں گے۔

۴۔ مواد کو اس طرح تقسیم کریں کہ مواد کا ہر جز مرکزی خیال کو ثابت کرتا ہوا اس سے مربوط ہو جائے۔

۵۔ مواد کو مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے مختلف پیراگرافوں میں تبدیل کر دیجیے، لیکن تقریر کے

تمام ٹکڑوں کو باہم مربوط کرنے اور انہیں ایک ہی لڑی میں پرونے کے لیے ہر دو پیراگراف کے درمیان رابطے کی ایک کڑی ہونی چاہیے۔ رابطے کی یہ کڑی دو تین لفظوں یا زیادہ سے زیادہ دو تین جملوں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ رابطے کی یہ کڑی سامعین کے ذہن کو ایک پوائنٹ سے دوسرے پوائنٹ، ایک پہلو سے دوسرے پہلو، ایک نکتے سے دوسرے نکتے اور ایک مستقل پیراگراف سے دوسرے مستقل پیراگراف تک منتقل ہونے میں مدد دیتی ہے۔

ذیل میں رابطے کی کڑیوں کے طور پر چند جملے پیش کیے جاتے ہیں۔

☆اگر سماج کی دنیا میں دیکھا جائے تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆آیئے! اس مسئلے کو سیاسی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆اگر تاریخی پہلو سے قرارادد کا جائزہ لیا جائے تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆اگر قرارداد کو جوں کا توں مان لیا جائے تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆قائد ایوان کی بات بجا مگر اصولی طور پر ان کا یہ کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆یہ بات تو ایسے ہی ہے جیسے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆جہاں تک قرارداد کے الفاظ کا تعلق ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ہم یہ بات کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کیونکہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆مجھے اس بات پر اصرار ہے کہ یہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆جب قراراداد کو اس خاص پس منظر میں دیکھا جائے تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆یہ خیال عام ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆قائد ایوان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆البتہ یہ ضرور ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ میں یہ نہیں کہتا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ علاوہ ازیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ بالفاظ دیگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ ایک دوسرے پہلو سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ مزید یہ کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ جناب والا! میں آپ کے توسط سے یہ بات سامعین تک پہنچانا چاہتا ہوں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ وہ مشہور قول تو آپ نے سنا ہوگا کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ وہ مشہور حکایت تو آپ نے سنی ہوگی کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ اس سے مجھے وہ لطیفہ یاد آیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

☆ یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک اہم ہدایت:

ہدایت نمبر تین، چار اور پانچ پر عمل کرتے ہوئے مباحثے کے علاوہ بھی اس طریقہ کار کی مدد سے آپ فی البدیہہ تقریری کرنے اور مقابلہ جیتنے کی بہترین مشق کر سکتے ہیں۔

ضرورت سے زائد مواد کو ضائع مت کیجئے!

مواد کو ترتیب دینے اور مطلوبہ مقدار کو کام میں لانے کے بعد جو مقدار ضرورت سے زائد ہو، اسے ضائع مت کیجیے بلکہ ایک صاف ستھرے کاغذ پر پوائنٹس کی صورت میں نمبروار درج کرتے جائیں اور ہر پوائنٹ کو لکھ لینے کے بعد اس کے نیچے دو خالی سطریں چھوڑ دیں۔ یہ پرچہ اپنے ساتھ رکھیں۔ دوران مباحثہ عین ممکن ہے آپ کو رد دلیل کے طور پر یا ایسے نکات کے طور پر جنہیں ابھی تک نہیں اٹھایا گیا۔ اس مواد کی ضرورت پیش آجائے۔

مقابلے کی تقریر کا خاکہ:

مواد کی ترتیب کے بعد اب اپنی ۴ منٹ کی تقریر کا خاکہ بنالیں۔ یہ خاکہ اس طرح ہوسکتا ہے۔

قرارداد کی وضاحت:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۴۰سیکنڈ)

نفی کے دلائل کا کل دورانیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(ایک منٹ+۱۵سیکنڈ)

دلیل نمبرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۲۵سیکنڈ)

دلیل نمبر۲۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۲۵سیکنڈ)

دلیل نمبر۳۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۲۵سیکنڈ)

اثبات کے دلائل کا کل دورانیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(ایک منٹ+۱۵سیکنڈ)

دلیل نمبرا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۲۵سیکنڈ)

دلیل نمبر۲۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۲۵سیکنڈ)

دلیل نمبر۳۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۲۵سیکنڈ)

کل وقت:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۳منٹ+۱۰سیکنڈ)

رددلیل اور اختتامی اشعار:

اب اگر رددلیل کے لیے ۲۵ سیکنڈ اور اختتامی اشعار کے لیے ۲۵ سیکنڈ کا وقت مختص کرلیا جائے تو چار منٹ کی ایک مکمل تقریر تیار ہوسکتی ہے۔

دلیل مگر کتنی طویل؟

پاکستان ڈبیٹ کونسل کے جنرل سیکرٹری ''جناب شیخ ذیشان اقبال صاحب'' کا کہنا ہے کوئی بھی دلیل زیادہ سے زیادہ ۳۵ سے ۴۰ سیکنڈ تک کی ہونی چاہیے۔اس سے زیادہ طویل وقت کی دلیل اگر ہوتو تقریر میں دلائل کم ہوجاتے ہیں اور بات مختلف پہلوؤں سے کم ثابت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے تقریر میں جامعیت نہیں رہتی۔ بعض لوگ بالخصوص پنجاب سے تعلق رکھنے والے مقررین جب کراچی آتے ہیں تو انہیں اس قسم کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پنجاب میں چونکہ ڈیکلیمیشن کا رواج اور چلن زیادہ ہے لہذا وہاں کے مقررین جب کراچی کے مقابلوں میں شریک ہوتے ہیں تو شواہد کی لفظی تصویر کشی کرتے ہیں۔ یہ تصویر بعض اوقات ۳ منٹ تک چلی جاتی ہے لہٰذا پوری تقریر ایک یا دو دلائل میں منحصر ہوکر رہ جاتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ چار منٹ کی تقریر میں ایک دلیل یا ایک

پہلو کو ۲۰ سے ۲۵ سیکنڈ میں ختم کر کے اگلے پہلو پر آجانا چاہیے تا کہ زیادہ سے زیادہ پہلوؤں سے اپنی بات کو منوایا جا سکے۔

مباحثے کی تقریر کا آغاز:

تقریر کا آغاز یا ابتدائیہ ایسا ہو جو سامعین کی توجہ فوراً کھینچ لے۔اس کے لیے درج ذیل امور پیش نظر رکھیے۔

ا۔ شعر سے آغاز:

سامعین کی توجہ حاصل کرنے کے لیے شعر سے بھی آغاز کیا جا سکتا ہے، اگرچہ بعض ماہرین کے نزدیک شعر سے آغاز کرنا درست نہیں، کیونکہ جب کچھ کہا ہی نہیں تو شعر کس مناسبت سے پڑھا گیا ہے۔حالانکہ مناسبت خود اس وقت جاری مباحثے کا وجود ہے لہذا شعر سے بھی آغاز کیا جا سکتا ہے، لیکن شعر بہت زیادہ مشہور یا پامال نہ ہو ایسا شعر نہ ہو کہ آپ روسٹرم پر پہلا مصرعہ پڑھیں اور سامعین دوسرا مصرعہ خود پڑھنے لگ جائیں ایسا شعر توجہ کھینچنے کے بجائے توجہ ہٹانے کا باعث بن جاتا ہے۔لہذا وہ شعر پڑھیں جو مضمون، خیال اور ترکیب کے اعتبار سے اچھوتا اور صوتی آہنگ کے اعتبار سے نغمگی کا حامل ہو۔

۲۔ رد دلیل سے آغاز:

رد دلیل سے آغاز بھی سامعین کی توجہ کھینچ لیتا ہے بالخصوص اگر آغاز میں قائدین کے دلائل کا رد کیا جائے تو مجمع میں جوش بھر جاتا ہے۔

۳۔ مزاح سے آغاز:

دوستانہ ماحول میں ہلکے پھلکے مزاح کے ساتھ آغاز سامعین کو بہت اچھا لگتا ہے بالخصوص جب مزاح کا نشانہ مقرر اپنی ذات کو بنا لے تو پھر سامعین کو مقرر سے ہمدردی ہو جاتی ہے اور وہ دلچسپی سے اس کی بات سننا شروع کر دیتے ہیں۔

۴۔ تاریخی پس منظر سے آغاز:

ابتداء میں اگر قرارداد کا تاریخی پس منظر بیان کر کے فریق ثانی پر چوٹ کی جائے تو سامعین

اور سامعین فوراً متوجہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً: تاریخی پس منظر اور اس کے ذریعے حزب اختلاف کے رد پر مشتمل آغاز کی یہ مثال ایک ''آل کراچی'' مقابلے کی ہے، جس میں زیر بحث قرارداد تھی ''غم روزگار غم عشق مٹا دیتا ہے'' وہ مقرر جس نے پہلی پوزیشن حاصل کی اس کی تقریر کا تاریخی پس منظر پر مشتمل آغاز کچھ اس طرح تھا:

''جناب والا! صنعتی انقلاب کے معاشرتی اثرات کے نتیجے میں ترقی پسند دور کے شاعروں اور ادیبوں نے غم عشق کے مقابلے میں غم روزگار کو اہمیت دینا شروع کی۔ لہٰذا قرارداد میں موجود مسئلے کا آغاز اٹھارویں صدی کے بعد ہوتا ہے۔ مگر قائد ایوان اور ان کے رفقاء نے مباحثے کے شروع سے لے کر ابھی تک جتنے بھی دلائل پیش کیے ہیں اور مثالیں بیان کی ہیں وہ سب 16 ویں صدی سے بھی پہلے کی ہیں اس کا مطلب ہے اب تک قرارداد کی مخالفت میں جتنے بھی دلائل پیش کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی ایک دلیل بھی درست نہیں ہے۔''

اہم بات:

تقریر کے آغاز میں اپنی گفتگو سے اس قسم کا تاثر مت دیجیے جیسے آپ استاد ہیں اور ایوان میں بیٹھے ہوئے لوگ آپ کے شاگرد ہیں، جنہیں آپ سبق پڑھانے آئے ہیں۔ مباحثے کی تمہید ایسی ہو جو سامعین کو آپ کی طرف متوجہ کر دے۔ مباحثے کا آغاز آپ کسی بھی اسلوب میں کریں لیکن تمہید میں قرارداد کی وضاحت ضرور کریں۔

تقریر کا وسط:

مباحثے کی تقریر کے وسط میں چونکہ آپ ذیلی مسائل بیان کرتے ہیں۔ ایک پوائنٹ سے دوسرے پوائنٹ کی طرف جاتے ہیں لہٰذا جب ایک پوائنٹ یا ایک پہلو کا آغاز ہو تو آپ کا لہجہ ایک نئے آہنگ کا تاثر پیش کرے جس سے سامعین جان سکیں کہ نئی بات شروع ہوئی ہے۔ جب اس پہلو کے درمیان میں پہنچیں تو عموماً یہ استدلال کا مقام ہوتا ہے یعنی پوائنٹ کے آغاز میں دعویٰ ہوتا ہے۔ درمیان میں دلیل کو دعوئ پر منطبق کیا جاتا ہے۔ اس وقت افہام و تفہیم کا لہجہ ہو اور اختتام میں استدلال کے نتیجے کو دوبارہ قرارداد سے منطبق کیا جاتا ہے لہٰذا اختتام پر سکون لہجے اور لگے

بندھے الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیے۔

بالفاظ دیگر تقریر کا وسطانیہ مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرنے کا نام ہے اور جاننا چاہیے کہ ہر پہلو ایک مستقل پیراگراف کی صورت میں ہوتا ہے اور ہر پیراگراف اپنے اندر ایک خاص پہلو کو سموئے ہوئے ہے اور ایک چھوٹی سی تقریر ہے جس کا ابتدائیہ بھی ہے وسطانیہ بھی ہے اور اختتامیہ بھی۔ لہذا ابتدائیہ کو نئے صوتی آہنگ سے وسطانیہ کو افہام و تفہیم کے لہجے میں کیونکہ اس میں استدلال ہے اور اختتامیہ کو پرسکون اور فیصلہ کن لہجے میں ادا کریں کیونکہ اس میں استدلال کے نتیجے کو دوبارہ قرارداد کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ادائیگی مصنوعی اور میکانکی کے انداز میں نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ قدرتی اور بے ساختہ ہونی چاہیے، اور اس میں یہ تاثر ضرور ملنا چاہیے کہ جس پہلو کو آپ نے اٹھایا تھا وہ اپنے منطقی نتیجے تک پہنچ کر ختم ہو گیا۔ گویا پیراگراف کے اختتام پر آخری جملے کا خاتمہ اس انداز اور لب و لہجے میں ہو کہ سامعین کو ذہنی طور پر آسودگی فراہم کر رہا ہو وہ جان لیں کہ پچھلی بات ختم ہو گئی ہے۔ اب نیا پیراگراف، نیا پہلو یا نئی بات شروع ہو گی۔

نئی بات، نیا لہجہ:

کوشش کریں کہ ہر پیراگراف کے مرکزی خیال کے مطابق لہجے بدلتے رہیں ایسا ہرگز نہ کریں کہ ایک ٹون سے آغاز ہوا اور شروع سے آخر تک پوری تقریر میں لہجے آواز اور صوتی تأثر میں کہیں کوئی تبدیلی اور اتار چڑھاؤ نہ تھا بلکہ اسی ٹون پر تقریر ختم کر کے چلے گئے۔ چنانچہ موقع محل کی مناسبت سے دوران تقریر کہیں سوالیہ لہجہ، کہیں انکار کا لہجہ کہیں اثبات کا لہجہ، کہیں شکایت آمیز لہجہ، کہیں ناصحانہ اور مشفقانہ لہجہ، کہیں روٹھنے اور منانے کا لہجہ، کہیں طنزیہ اور تحکمانہ لہجہ، کہیں والہانہ اور معصومانہ لہجہ اور کہیں شاہانہ یا رندانہ لہجہ بقدر ضرورت اختیار کرتے رہیں۔ لیکن یہ سب بے ساختہ ہونا چاہیے، اس سے فضول اداکاری اور ایکٹنگ کا تأثر نہیں ملنا چاہیے۔

تقریر کا اختتام:

مباحثے کی تقریر کا اختتام مختصر ہونا چاہیے جو سامعین کے عقلی اور جذباتی تقاضوں پر پورا اترتا ہو۔ اس کے لیے چاہیں تو اختتام میں کوئی زوردار اقتباس جو آپ کے مؤقف کی تائید کرتا ہو یا

اشعار بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ سوال بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔ جذباتی اپیل بھی کی جا سکتی ہے۔ اپنی تقریر کا خلاصہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اختتام سامعین کے عقلی اور جذباتی دونوں تقاضوں کو پورا کرتا ہو تو اس کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ اختتام رد دلیل اور اس کے بعد چند خوبصورت اشعار پر مشتمل ہونا چاہیے (شاعرانہ نثر کے چند جملے بھی پیش کیے جا سکتے ہیں) رد دلیل عقلی تقاضہ پورا کرتی ہے اور اختتامی اشعار جذباتی تقاضہ پورا کرتے ہیں۔ ایسا اختتامیہ پوری تقریر کو آخر میں ایک مرتبہ پھر شاندار اور جاندار بنا دیتا ہے۔ جس تقریر کا آغاز ذکر کیا گیا تھا اب اس کا اختتامیہ ملاحظہ فرمائیں۔ (قرارداد: غم روزگار غم عشق مٹا دیتا ہے، تقریر موافقت میں کی گئی)

اختتامیہ کی مثال:

صدر عالی وقار!

قرارداد کی مخالفت میں بائیں طرف سے آنے والوں نے سینٹ ویلنٹائن کی مثال دی۔

رانجھے کی بات کی، پیار کی بول چال سکھانے والوں کے بارے میں بتایا۔

لیکن وہ نہیں جانتے کہ معروف عاشق رانجھا صاحب ڈیری فارم کے ملازم تھے۔

سینٹ ویلنٹائن اچھے خاصے پیسے لے کر فوجیوں کی خفیہ شادیاں کرواتے تھے۔

اور لوگوں کو پیار کی بول چال سکھانے والے فلمی اداکار اپنی ہر نئی فلم کا معاوضہ لاکھوں کروڑوں میں لیتے ہیں۔

صدر عالی وقار!

حزب اختلاف کے سبھی اکابر تو کھانے کمانے والے لوگ تھے لیکن قائد حزب اختلاف اور ان کے حواری آخر کیوں اس ملک کے بارہ کروڑ مفلسوں کی دیہاڑیاں خراب کرنا چاہتے ہیں؟

جناب والا!

اگر قرارداد کے گواہ چاہییں، تو بلایئے! کلرکوں کو افسردہ جانوں کو، کرم خوردہ دلوں اور زبانوں کو، پوسٹ مینوں کو، تانگے والوں کو، ریل بانوں کو، کارخانوں کے بھوکے جیالوں کو بلایئے۔

جی ہاں! بلایئے ان محنت کش ماؤں کو، کہ سارے دن کی مشقت کے بعد، رات کو جن کے بچے نیند کی مار کھائے بازوؤں میں سنبھلتے نہیں......دکھ بتاتے نہیں......منتوں زاریوں سے بہلتے نہیں۔

ارے ذرا بلاؤ! ان معصوموں کو بھی، جو روزی کی تلاش میں، اپنے ننھے چراغوں میں لو کی لگن کے پہنچے وہاں، بٹ رہے تھے جہاں گھٹاٹوپ بے انت راتوں کے سایے۔

جی ہاں جناب والا! یہ سب گواہ ہیں ''غم روزگار غم عشق مٹا دیتا ہے''

آخری جملہ اور چہرے کے تاثرات:

اختتامیہ میں آخری جملہ ادا کرتے ہوئے صرف چہرے کے تاثرات دیجیے بقیہ پورے جسم کی حرکت سے اجتناب کیجیے۔ الفاظ کی ادائیگی واضح مگر صوتی تاثرات نسبتاً مدھم جبکہ لہجہ پرسکون اور اعتماد سے بھرپور ہونا چاہیے۔

دو دلچسپ اصطلاحات/ ''پتے بازی اور ٹوٹے''
کب، کہاں، کیسے اور کس قدر؟

آپ کو وہ دلچسپ انگریزی کا مضمون ''مائی بیسٹ فرینڈ'' تو یاد ہوگا۔ جسے زبانی یاد کر لینے کے بعد ہم بالکل بے فکر ہو جاتے تھے کہ اب اگر انگریزی کے امتحان میں کسی بھی شخصیت پر مضمون لکھنے کا کہا گیا تو معمولی سی ترمیم کے بعد یاد کیا ہوا مضمون ہر شخصیت پر لکھنے کے لیے کافی ہو جائے گا۔ جی ہاں! بالکل اسی طرح ہمارے بعض مقررین چند ایسے ادبی اور لفاظی پر مشتمل پیراگراف یاد کر لیتے ہیں جنہیں ابتدائی ایک دو جملوں کی ترمیم کے بعد ہر تقریر میں شامل کر کے مواد پورا کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے لاہوری بھائی اس عمل کو اپنی خاص خطیبانہ اصطلاح میں ''ٹوٹے فٹ کرنا'' جبکہ کراچی کے مقررین اسے ''پتے بازی'' کا فن کہتے ہیں۔

یاد رکھیے! اگر آپ ایک اچھا اور بہترین مقرر بننا چاہتے ہیں تو پتے بازی مت کیجیے اس کے بجائے اپنے مطالعے کو وسعت دیجیے۔ پتے اور ٹوٹے استعمال کر کے آپ وقتی طور پر تو سامعین کو متاثر کر سکتے ہیں لیکن اس سے آپ کو مستقل مقام اور پائیدار عزت کبھی نہیں ملے گی کیونکہ دوسری مرتبہ جب سامعین صرف آپ کو سننے کی خاطر سفر کر کر کے کسی جگہ جائیں گے اور وہاں بھی آپ

ٹوٹے اور پتے پھینک کر مجمع لوٹنا چاہیں گے تو آپ کے قدردان آپ کو دھوکے باز سمجھیں گے اور اگر مباحثے میں انعامی پوزیشنوں کے لیے منصفین بھی موجود ہوں گے تو ظاہری بات ہے وہ تو ہر چیز نوٹ کرر ہے ہیں۔ لہذا آپ کے فن کا جادو ان پر کبھی نہیں چل سکے گا۔

مقرر کو چاہیے کہ صرف تقریر کرنے کے لیے مطالعہ نہ کرے بلکہ مطالعے کو اپنی مستقل غذا بنا لے۔ ہر وقت مطالعہ کرتا رہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے پاس ہر وقت کسی بھی موضوع پر تقریر کے لیے مواد کی کمی نہیں ہوگی۔ وہ مقابلوں میں ہمیشہ بہتر مواد پیش کرے گا۔ کبھی پامال راہوں پر چل کر خود کو بدنام نہیں کرے گا۔ تازہ ترین دلائل وشواہد ہمیشہ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں گے۔ ایک نئے انداز نئے اسلوب، نئی بات، نئی راہ اور نئی فکر سے لوگوں میں خطاب کرے گا۔ چنانچہ وہ بہت جلد سامعین کے دلوں میں گھر کرلے گا۔ لوگ دور دور سے اس کی تقریر سننے کے لیے آئیں گے۔

لیکن اگر کوئی مقرر یہ سمجھتا ہے کہ پرانے مواد کو استعمال کرنا ناگزیر ہے تو پھر اسے چاہیے کہ اس کے لیے تازگی کا کوئی نہ کوئی عنصر ضرور تلاش کرے پرانے مواد کو گھسے پٹے، فرسودہ اور بوسیدہ انداز میں پیش کرنے کے بجائے اس کی کوئی نئی تعبیر تلاش کرے، نیا تڑکہ لگائے۔ کیونکہ بعض مرتبہ کوئی پرانا لطیفہ اگر کسی نئی صورت حال پر جچتا نظر آئے تو لطف دیتا ہے اور رکشے کے پیچھے لکھے ہوئے پامال مصرعے اور پٹے ہوئے فقرے بھی تازہ ترین واقعے پر منطبق ہوتے ہوئے دکھائی دیں تو دل میں کسک پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر مباحثہ جیتنا چاہتے ہیں تو مقررین ٹوٹے اور پتے استعمال کرنے سے گریز کریں لیکن جب ان کا استعمال ناگزیر ہو اس کے بغیر چارہ نہ ہو تو بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کا اصول یاد رکھیں۔ نیز پرانے جملوں اور پیراگرافوں کو نئے تناظر اور نئی صورت حال کے ساتھ منطبق کر کے پیش کریں۔

چودھواں باب

غیر متوقع صورت میں فریقِ مخالف کے مؤقف پر گرفت کیسے کریں؟

فریقِ مخالف کے مؤقف پر گرفت کیسے کریں؟

مباحثے کی تیاری کے دوران جب ہم اِس اصول پر عمل کرتے ہوئے تیاری کرتے ہیں کہ صرف اپنے مؤقف کے اثبات میں ہی دلائل وشواہد جمع نہیں کرنے بلکہ اُن دلائل وشواہد کو بھی نوٹ کرتے جانا ہے جو صراحتاً ہمارے مؤقف کے منافی ہیں تو مقابلے میں فریقِ مخالف جن پہلوؤں پر بات کرتا ہے، جو دلائل پیش کرتا، جن شواہد کی روشنی میں اپنے مؤقف کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے یا جس طرح کے دعوؤں اور ذیلی مسائل میں ہمیں الجھانا چاہتا ہے وہ ہمارے لیے زیادہ پریشانی کا باعث اِس لیے نہیں بنتے کہ ہم پہلے سے ذہنی طور پر مخالف مؤقف کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں، اور ان کے اعتراضات سے کسی نہ کسی حد تک واقف ہوتے ہیں۔

لیکن پھر بھی مباحثے میں ہوسکتا ہے آپ کو کسی غیر متوقع صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ اِس صورتِ حال کا ظہور اُس وقت بالکل ممکن ہے جب قائدِ ایوان اور قائدِ حزبِ اختلاف ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی ہوں اور انہوں نے اِس سے پہلے ایک دوسرے کو کبھی نہ سنا ہو نہ دیکھا ہو۔ یوں وہ ایک دوسرے کی نفسیات اور مزاج سے بالکل آشنا نہیں ہوتے وہ ایک دوسرے کے بارے میں بالکل نہیں جانتے کہ کون سا قائد قرارداد کو اپنے علمی وفکری پس منظر کے مطابق کس طرف لے جانے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنے اور فریقِ ثانی پر مضبوط گرفت کر کے اس کے مؤقف کو رد کرنے کے لیے درج ذیل امور کا خیال رکھیے!

اعصاب کی جنگ جیتئے!

حواس پر قابو رکھیے، سامعین کو مخالف مقرر کے سحر سے نکالیے! فرض کریں آپ قائدِ حزب اختلاف ہیں اور پہلی مرتبہ یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ جبکہ قائدِ ایوان بہت گھاگ اور پرانے کھلاڑی ہیں۔ انہوں نے آپ سے پہلے جو تقریر کی، قرارداد کو جس طرف لے کر چلے، جس طرح کے نِکات اٹھائے، یہ ساری صورتِ حال آپ کے لیے غیر متوقع ہے، حتیٰ کہ قائدِ ایوان کا اندازِ بیاں بھی اِس قدر دبنگ ہے کہ پورا مجمع اُس کے الفاظ اور آواز کے جادو میں آ چکا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کو کیا کرنا ہے؟

سب سے پہلا کام آپ کو یہ کرنا ہے کہ اپنے حواس کو قابو میں رکھنا ہے اور یہ سوچنا ہے کہ میں یہاں متاثر ہونے نہیں، متاثر کرنے آیا ہوں۔ میں یہاں مخالفین کی تقریر سے پریشان ہونے نہیں بلکہ اپنے دلائل سے مخالفین کو پریشان کرنے آیا ہوں۔ اِس سے آپ کے حواس قابو میں رہیں گے اور آپ صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ جب آپ نے اپنے ذہن کو بکھرنے سے بچا لیا ہے تو اب سامعین کے ذہن کو فریقِ مخالف کے سحر سے چھڑانا کچھ مشکل نہیں۔

یاد رکھیے! مباحثہ جس طرح الفاظ کی جنگ ہے ویسے ہی اعصاب کی بھی جنگ ہے۔ آپ کو اپنے اعصاب مضبوط رکھتے ہوئے سامعین کو فوری طور پر مخالف مقرر کے اثر سے نکالنا ہے۔ مخالف مقرر کی سحر بیانی کا خاتمہ اگر آپ اپنی جادو بیانی سے کرنا چاہیں گے تو اِس میں دیر لگ سکتی ہے، جب کہ سامعین کو فوری طور پر مخالف کی تقریر کے سحر سے نکالے بغیر آپ انہیں اپنے مؤقف کی طرف مائل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فوری حملہ کرنے کے لیے دو طریقے انتہائی کارگر ثابت ہو سکتے ہیں۔

ا۔ آپ کے منہ سے ادا ہونے والا پہلا جملہ ہی اِس قدر قاتلانہ ہو کہ قائدِ ایوان کی پوری تقریر پر پانی پھیر دے۔ ایسا جملہ "صرف ایک مزاحیہ جملہ" ہی ہو سکتا ہے۔ شائستگی کی حدود میں رہ کر ادا کیا جانے والا ایک مزاحیہ جملہ جو کافی دیر تک سامعین کو محظوظ کرتا رہے، بلکہ مباحثے کے بعد بھی لوگوں کی زبان پر جاری رہے۔ نہ صرف مخالف کی تقریر کے تمام تاثر کو زائل کر کے سامعین کو آپ کے حوالے کر سکتا ہے بلکہ غیر متوقع صورتِ حال کو آپ کے حق میں ہموار کر کے آپ کی فتح میں کلیدی کردار بھی ادا کر سکتا ہے۔ جی ہاں

شائستگی کی سرحد میں رہ کر ادا کیا جانے والا صرف ایک بھرپور مزاحیہ جملہ جو آپ کی زبان سے سب سے پہلے ادا ہوا پورے مباحثے کا رخ بدل کر آپ کو اعتماد بخش سکتا ہے اور آپ کے مخالف کا سارا اعتماد متزلزل کر سکتا ہے۔

۲۔ دوسرا طریقہ جس کے ذریعے آپ سامعین کو اپنے مخالف مقرر کے سحر سے آزاد کروا سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ آپ روسٹرم پر آتے ہی ایک نظر مجمع پر ڈال کر ایسا پھڑکتا ہوا شعر پڑھیں کہ جس سے سارا مجمع بے اختیار داد و تحسین کے ڈونگرے برسانے لگے۔ اس سے بھی فوری طور پر مخالف کی بات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ اور لوگ ایک طرح سے خالی الذہن ہو کر آپ کی بات سننے لگتے ہیں۔ اگر آپ نے اعصاب کی جنگ جیت لی ہے تو دلائل کی جنگ جیتنا آپ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ دلائل کی جنگ جیتنے کے لیے درج ذیل امور کا لحاظ رکھیں!

تعریف پر گرفت:

فریق مخالف کی طرف سے قرارداد کے قابل غور الفاظ یا اصطلاحات کی جو تعریفیں دی جا رہی ہیں یا علامتی اور مجازی معانی پیش کیے جا رہے ہیں اُن پر تنقیدی نگاہ رکھیے، اور درج ذیل چیزوں کا خیال رکھیے۔

۱۔ کیا یہ تعریفات، مفاہیم اور معانی قطعی ہیں؟ یا دیگر معانی و مفاہیم کی گنجائش بھی رکھتے ہیں؟

۲۔ کیا یہ تعریفات، مفاہیم اور معانی جامع مانع ہیں؟ یا جامع مانع نہیں ہیں؟

۳۔ کیا اِن تعریفات، مفاہیم اور معانی میں ابہام تو نہیں؟

۴۔ کیا اِن تعریفات، مفاہیم اور معانی کی منطقی صحت مشکوک تو نہیں؟

۵۔ اگر قرارداد کے الفاظ اپنے لغوی اور حقیقی معنی کے بجائے مجازی اور علامتی معنی میں استعمال ہوئے ہیں تو اس سے کیا مراد لیا گیا ہے؟

۶۔ کیا علامتی معنی سے حاصل ہونے والا مفہوم اپنے تاریخی و فکری پس منظر کے ساتھ موافقت رکھتا ہے؟ کہیں اُس سے متصادم تو نہیں؟

۷۔ پیش کی گئی تعریف کو اپنی تمام حدود و قیود کے ساتھ پیش کیا گیا ہے؟ یا حدود و قیود کے بغیر

پیش کیا گیا ہے؟ اگر فریقِ مخالف کی پیش کی گئی تعریفات پر اِن پہلوؤں سے تنقید ہو سکتی ہے تو ان تعریفات پر بھر پور طریقے سے تنقید کر کے اِنہیں غلط ثابت کر دیجیے، اس طرح وہ بنیاد ہی ختم ہو جائے گی جس پر فریقِ مخالف نے اپنی تقریر کی عمارت کھڑی کی ہے۔

الفاظ پر گرفت:

اگر مخالف مقرر نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے الفاظ کا غلط استعمال کیا ہے۔ مثلاً "باشرع آدمی" کو دہشت گرد کہا ہے۔ "قانون توڑنے والے" کو انقلابی کہا ہے۔ "سفاک" اور "بےرحم آدمی" کے لیے اصول پسند کا لفظ استعمال کیا ہے۔ بے گناہ لوگوں کے قتلِ عام کو قانون کی عملداری کا نام دیا ہے۔ "غرور" کو عزتِ نفس، "عیار" اور "دھوکے باز" کو سمجھ دار، "کنجوس" اور "بخیل" کو کفایت شعار، "حماقت" کو سادگی، "بے حیائی" کو اعتماد اور دوسروں کے مذہبی تشخص کو پامال کرنے کا نام آزادیٔ اظہارِ رائے رکھ دیا ہے۔ تو مخالفین کی تقریریں سنتے ہوئے ایسے الفاظ پر ضرور نظر رکھیں اور اپنی باری آنے پر اس فریب کا پردہ چاک کر دیں۔

تجزیے پر گرفت:

تجزیے پر گرفت کرنے کے لیے درجِ ذیل اصول اپنایئے!

۱۔ کیا فریقِ ثانی غیر متعلق مباحث چھیڑ رہا ہے؟

۲۔ کیا فریقِ مخالف جان بوجھ کر اُس مواد کو نظر انداز کر رہا ہے جو اس کے موقف کے منافی ہے؟

۳۔ کیا فریقِ مخالف مسئلے کے اہم پہلوؤں کی بجائے اُن غیر اہم پہلوؤں پر زور دے رہا ہے جو اُس کی حمایت میں جاتے ہیں؟

۴۔ کیا فریقِ مخالف مسئلے کو اُس کے تاریخی، فکری، علمی اور اخلاقی پسِ منظر سے کاٹ کر پیش کر رہا ہے؟ اگر فریقِ مخالف تجزیہ کرنے میں براہِ راست کوئی غلطی کر رہا ہے تو اپنی باری آنے پر ان اغلاط کی نشاندہی کیجیے! اور مسئلے کا دوبارہ درست تجزیہ کیجیے۔

شواہد پر گرفت:

شواہد پر گرفت کے لیے درجِ ذیل امور کا خیال رکھیں!

۱۔ کیا زیرِ بحث قرار داد اور مسئلے کے ساتھ اِن شواہد کا براہِ راست تعلق ہے؟

۲۔ کیا زیرِ بحث مسئلے میں شواہد قابلِ اعتماد اور قابلِ قبول مأخذ سے حاصل کیے گئے ہیں؟

۳۔ دلائل کی تائید اور دعوے کی وضاحت کے لیے پیش کیے گئے شواہد کی تعداد کم تو نہیں؟

۴۔ کیا تمام شواہد اپنی صحت کے اعتبار سے موزوں اور جزئیات کے لحاظ سے مکمل قرار پاتے ہیں؟

۵۔ کیا تمام شواہد معیاری ہیں؟ پیچیدہ، مبہم، دقیق اور نا قابلِ فہم تو نہیں؟

۶۔ شواہد میں کہیں داخلی تضاد تو نہیں پایا جاتا؟

اگر فریق مخالف کے شواہد میں اس طرح کی کچھ خامیاں موجود ہوں اور آپ اِن اغلاط پر گرفت کر کے اِن شواہد کو غلط، نا قابلِ اعتماد، غیر متعلق، غیر معیاری، نا کافی یا تضادات سے بھر پور ثابت کر دیں تو یہ غیر مؤثر ہو کر رہ جائیں گے۔

استدلال پر گرفت:

استدلال کی خامیوں پر گرفت کرنے کے لیے درجِ ذیل امور کا خیال رکھیں۔

۱۔ کیا استدلال ناقص ہے؟

۲۔ کیا قوانین استدلال کی پوری پوری پابندی نہیں کی گئی؟

۳۔ کیا استدلال کرنے والے نے جز کو کل سمجھ لیا ہے؟

۴۔ کیا استدلال کرنے والے نے جز کو اپنے اصل کل سے کاٹ کر ایک نئے کل کی صورت میں پیش کر دیا ہے؟

۵۔ کیا استدلال کرنے والے نے محض تقدم زمانی کو علت قرار دے دیا ہے؟

۶۔ کیا استدلال کرنے والے نے محض جزوی مماثلتوں کی بناء پر دو چیزوں کو کلی طور پر مماثل ٹھہرا لیا ہے؟

۷۔کیا استدلال کرنے والے نے استخراجی اوراستقرائی مغالطوں سے کام لیا ہے؟

۸۔کیا استدلال کرنے والے نے ایک غیر متعلق شعبے میں نمایاں حیثیت رکھنے والے کسی شخص کی رائے کو سند بنا کر پیش کر دیا ہے؟

۹۔کیا استدلال کرنے والے نے لفظی مغالطے سے کام لیا ہے؟

۱۰۔کیا استدلال کے دونوں جز یعنی صغریٰ اور کبریٰ میں سے کوئی غیر مسلّم الثبوت تو نہیں؟

اگر کسی مقرر کے استدلال میں اس طرح کی کوئی خامی یا کمی پائی جائے تو اُس کا طریق استدلال غلط ہے۔وہ دھوکے سے کام لے کر سامعین کو گمراہ کر رہا ہے۔چنانچہ اپنی باری میں آپ مخالف مقرر کے استدلال کی خامیوں پر گرفت کر کے سامعین کے سامنے اُس کے مغالطوں کو واضح کر دیں۔

جذباتی اپیل پر گرفت:

مباحثے کی تقریر کے آخر میں مقرر جذباتی اپیل کر کے سامعین کو اپنے مؤقف کا ہمنوا بنانا چاہتے ہیں۔لہٰذا جذباتی اپیل پر بھی نظر رکھیں۔اگر وہ فکری مواد،دلائل،شواہد اور استدلال کے بغیر ہے تو اُس پر گرفت کر کے اُسے بھی فضول ثابت کر دیں۔

مخالف مؤقف کا رد کیسے کریں؟/مؤثر طریقہ تردید:

مخالف مؤقف پر گرفت کیسے کرنی ہے؟ یہ جاننے کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ مخالف مؤقف کو رد کیسے کرنا ہے؟ فریقِ مخالف کے مؤقف کو رد کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

☆بالواسطہ رد ☆بلاواسطہ رد

بالواسطہ رد:

بالواسطہ رد کا مطلب یہ ہے کہ براہ راست رد نہ کریں،مخالفین نے اپنے مؤقف کی حمایت میں جن پوائنٹس کو پیش کیا ہے آپ براہِ راست اُن کا جواب دے کر اُن کے مؤقف کو غلط ثابت نہ کریں بلکہ اُن کے پیش کردہ پوائنٹس کے مقابلے میں کچھ نئے پوائنٹس اٹھا دیں۔اس سے مخالفین کے پوائنٹس خود بخود بے اثر ہو جائیں گے۔

مثال پر بحث قرارداد ہے:

"طاقت امن کی ضمانت ہے"

فرض کریں موافقین نے امن سے مراد معاشرتی امن لیا اور معاشرے میں امن کی ضمانت کے لیے اپنی تقریر میں طاقت کے عسکری پہلو، طاقت کے اقتصادی پہلو اور طاقت کے سیاسی پہلو پر زور دیا ہے۔ لیکن آپ جب مخالفت کے لیے تشریف لائیں تو یہ مت کہیں کہ معاشرے میں امن کی ضمانت کے لیے طاقت کے عسکری پہلو، اقتصادی پہلو یا سیاسی پہلو کی ضرورت ہی نہیں۔ ان پہلوؤں کو رد کرنے کے بجائے آپ طاقت کی ضرورت کے حوالے سے نئے پوائنٹس اٹھائیں، نئی مباحث چھیڑیں۔ آپ یہ کہیں کہ آج معاشرتی امن کی ضمانت کے لیے اصل میں طاقت کے "اخلاقی پہلو"، "روحانی پہلو" اور "علمی پہلو" پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اب دلائل سے ان پہلوؤں پر عمل کرنے کی ضرورت کو ثابت کردیں۔ اس طرح اگر آپ کے دلائل موافقین کے دلائل سے اور آپ کے پوائنٹس موافقین کے پوائنٹس سے زیادہ وزنی ہیں تو لازماً آپ کے مؤقف کی برتری ثابت ہوجائے گی اور اگر دونوں فریقوں کے دلائل یکساں وزن اور اہمیت رکھتے ہیں تو بھی اس کا فائدہ آپ ہی کو پہنچے گا۔ کیونکہ موافقین کے تینوں پوائنٹس "غالب نہ آنے کے باعث" بے اثر ہو چکے ہیں۔

بلاواسطہ رد:

بلاواسطہ رد کا مطلب یہ ہے کہ مخالف مؤقف کو براہِ راست رد کردیں۔ موافقین نے اپنے مؤقف کی تائید اور تعبیر میں جو دلائل دیے ہیں آپ براہِ راست ان دلائل کو نشانہ بنا کر انہیں رد کردیں۔ موافقین نے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے جن پوائنٹس کو پیش کیا ہے آپ ان پیش کردہ "پوائنٹس" کو رد کردیں۔ "ان کی نامعقولیت، ناموزونیت اور نقائص کو آشکار کریں" اور انہیں غیر مؤثر بنادیں۔ ان کے مقابلے میں نئی مباحث یا نئے پوائنٹس مت اٹھائیں۔

مؤثر طریقۂ تردید:

مخالف نقطۂ نظر کو رد کرنے کے لیے یہ دو طریقے استعمال ہوتے ہیں، لیکن مؤثر طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں طریقوں کو اکٹھے استعمال کیا جائے۔ یعنی موافقین کے دلائل کا جواب بھی دیا جائے،

ان کا براہِ راست رد بھی کیا جائے اور ساتھ ساتھ ایسے نئے سوالات بھی اٹھائے جائیں جو نہ صرف موافقین کے مؤقف کی تردید کریں بلکہ سامعین کے ذہن میں متضاد مؤقف بھی تعمیر کریں۔

صرف الزامی جواب مت دیں:

فریقِ مخالف کی کسی دلیل کو یا اعتراض کو فضول، احمقانہ یا بے وزن ثابت کرنے کے لیے بعض اوقات الزامی جواب کا سہارا لیا جاتا ہے۔ الزامی جواب میں مزاحیہ یا طنزیہ انداز اختیار کر کے سوال یا اعتراض معترض کے اپنے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کا تحقیقی جواب نہیں دیا جاتا۔ مخالفین کے سوالات، دلائل اور اعتراضات کو غیر مؤثر بنانے کے لیے انہیں ہنسی میں اڑا دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ حربہ کافی کامیاب رہتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ الزامی جواب صرف ایک ''پھبتی'' ہے اور پھبتی کبھی ''تحقیقی جواب یا دلیل'' نہیں بن سکتی۔ الزامی جواب کے ذریعے آپ اعتراض یا سوال اٹھانے والے کو شرمندہ تو کر سکتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ''مدلل جواب'' دینے کی ذمہ داری سے بری ہو گئے ہیں۔ الزامی جواب کے بعد سامعین اور مخالفین اس اعتراض یا دلیل کا علمی و تحقیقی اور مدلل جواب سننا چاہتے ہیں۔

اور اگر آپ مدلل جواب نہیں دے پاتے تو آپ کے الزامی جواب سے کبھی بھی سامعین کی تشفی نہیں ہو گی۔ آپ کا الزامی جواب بھی لوگوں کو مطمئن کرنے کی بجائے ہوا میں معلق رہے گا۔ لہٰذا صول یہ ہے کہ فریقِ مخالف کے اعتراضات کی اہمیت کم کرنے اور اس بات سے سامعین کی توجہ ہٹانے کے لیے الزامی جواب دینے کے فوراً بعد آپ اُس مسئلے کا مدلل جواب پیش کریں۔ صرف الزامی جواب دے کر آگے مت بڑھیں۔

مخالفین پر لطیفے اور پھبتیاں کسنے سے گریز کریں:

بعض مباحثوں میں دیکھا گیا کہ قائدین جب اپنی اختتامی تقریر کے لیے آتے ہیں اور اپنے مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینا شروع کرتے ہیں تو ایک دوسرے پر اور ایک دوسرے کے رفقاء پر لطیفے اور پھبتیاں کسنا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پاکستان ڈیبیٹ کونسل کے ناظم محترم جناب سید رضوان صاحب کے بقول ''ہنسی کا پورا پیکج لے کر آتے ہیں۔ کراچی کے مباحثوں میں

جگت بازی کی اس روایت کو ختم کرنے کے لیے رضوان بھائی اپنے شاگردوں کے ساتھ خاصی سختی سے پیش آتے ہیں۔"

یاد رکھیے! جب ہم دلائل سے رد کرنے کے بجائے "پھبتیاں اور جگتیں" مارنا شروع کر دیتے ہیں تو اس سے سامعین ہماری باتوں پر ہنستے تو بہت ہیں مگر ہمارے موقف کے حق میں رائے کبھی نہیں دیتے، کیونکہ ہم نے اُن کے ذہن سے وہ فائل ڈیلیٹ نہیں کی جو ہمارے مخالف نے اُن کے دماغ میں محفوظ کی تھی۔

ردِّ دلیل:

مباحثے میں ردِّ دلیل کے پانچ نمبر ہوتے ہیں۔ سامعین اور منصفین آپ کی تقریر کے اور کسی حصے کی طرف متوجہ ہوں یا نہ ہوں لیکن ردِّ دلیل کی طرف ضرور متوجہ ہوتے ہیں۔ اگر آپ مباحثہ جیتنا چاہتے ہیں تو ردِّ دلیل کے فن پر عبور حاصل کریں۔ ردِّ دلیل کا ملکہ مطالعے کی وسعت سے پیدا ہوتا ہے۔ ردِّ دلیل کے لیے ہمیشہ مضبوط دلیل کا انتخاب کیجیے، کیونکہ مباحثے میں مضبوط دلیل اکثر لوگ لائیں گے اور جب آپ ایک مضبوط دلیل کو رد کردیں گے تو اِس سے اکثر مقررین کا رد ہوجائے گا۔ دوسری بات یہ کہ قائدین کے دلائل کا رد کریں یا سینئر مقررین کے دلائل کا رد کریں، جب بڑے ستون گر جائیں گے تو چھوٹے ستون خود بخود ڈھیر ہو جائیں گے۔

اگر آپ مباحثے کی سب سے اہم تقریر کے کچھ حصے کو رد کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو یہ مخالف سپہ سالار یعنی قائد کو زخمی کرنے کے مترادف ہے۔ اگر آپ اس میں فتح یاب ہو چکے ہیں تو دلائل کی جنگ جیتنے کے لیے باقی کام دیگر مقررین اور اپنے قائد کے لیے چھوڑ دیں۔

آخری بات:

یہ وہ چند اہم مباحث، معلومات، اصطلاحات، نکات، اصول، آداب اور امور ہیں، جنہیں سمجھ لینے کے بعد مباحثہ خواہ تقریری ہو یا تحریری نہ صرف سیکھنا آسان ہو جاتا ہے بلکہ مقابلے میں جیتنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اس فن کو سیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنے دینِ حق کا صحیح معنوں میں محافظ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

پندرہواں باب

فنِ مناظرہ

موضوعاتِ شرعیہ میں بحث کے آداب

فن مناظرہ

موضوعات شرعیہ میں بحث کے آداب

عقلی مسائل میں بحث کے قواعد وضوابط بیان کرنے کے بعد اب شرعی مسائل میں بحث کے اصول، آداب اور اہم اصطلاحات کو بیان کیا جاتا ہے۔

عقلی عنوانات پر بحث کو عرف عام میں مباحثہ جبکہ شرعی مسائل پر بحث کرنے کو علمائے کرام کی اصطلاح میں مناظرہ کہا جاتا ہے۔ مباحثے کو مناظرے پر مقدم اس بنا پر کیا تا کہ دینی مدارس کے طلباء پہلے عقلی موضوعات پر بحث کی مشق کر لیں، اس کے بعد مناظرے کی طرف آئیں۔ اس ترتیب سے مناظرہ سیکھنا ان کے لیے آسان ہو جائے گا۔

فن مناظرہ کی تعریف:

مناظرہ وہ فن ہے جس کے ذریعے انسان اپنے دعویٰ کو دلائل سے ثابت کرنے اور فریق مخالف کے دلائل کو توڑ کر اس کے دعویٰ کو رد کرنے کی معرفت حاصل کر لے۔

فن مناظرہ کا موضوع:

اس فن کا موضوع ''دلائل'' ہیں اس طور پر کہ ان سے دوسرے کے خلاف اپنے دعویٰ یا مدعا کو ثابت کرنا ہوتا ہے۔

فن مناظرہ کی غرض وغایت:

اس فن کو سیکھنے کی غرض وغایت یہ ہے کہ مناظرہ کرنے میں انسان کو مہارت حاصل ہو جائے، تا کہ بحث کو صحیح سمت لے کر چلنے میں ذہن ٹھوکر نہ کھائے اور درست بات ثابت ہو جائے۔

لفظ کے معنوی پہلو اور چند ہدایات:

مناظرہ کے صیغہ اور مادہ کو سامنے رکھتے ہوئے علماء نہ صرف اس لفظ کے معنوی پہلو بیان کرتے ہیں بلکہ اس کے ضمن میں چند اہم فنی ہدایات بھی دیتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

ا۔ لفظ مناظرہ اگر لفظ "نظیر" سے مشتق مانا جائے تو اس کا معنی ہے ہم مثل۔ یہ معنی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مناظرے میں دونوں مناظر ہم پلہ ہونے چاہئیں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک طرف تو بہت بڑا عالم ہو جبکہ دوسری جانب کسی جاہل کو لا کھڑا کیا جائے۔

۲۔ لفظ مناظرہ اگر "نظر" سے ہو تو اس کے دو معنی بیان کیے جاتے ہیں۔

(الف) غور و فکر کرنا

(ب) دیکھنا

اگر غور و فکر مراد لیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا مناظر پوری طرح غور و فکر کے بعد بات کرے اور اگر دیکھنا مراد ہو تو اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ دونوں مناظر دورانِ مناظرہ اپنی نشستیں آمنے سامنے لگائیں تا کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔

۳۔ اور اگر مناظرہ "انتظار" سے ہو تو اس سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ ہر مناظر مدمقابل کی بات مکمل ہونے کا انتظار کرے اور دوسرے کی گفتگو کے درمیان بلا ضرورت نہ بولے۔

مناظرہ اور مکابرہ/ بحث کی دو مذموم صورتیں:

مناظرہ کرنا اس وقت جائز ہوگا جب اس کا مقصد حق اور درست بات کو واضح کرنا ہو۔ اگر مناظرہ کا مقصد یہ نہ ہو بلکہ صرف مدمقابل کو لاجواب کرنے کے لیے مناظرہ کیا جائے تو اسے "مجادلہ" کہا جاتا ہے۔

مجادلہ دراصل آپس میں جھگڑنے کو کہتے ہیں جو درست بات کو ظاہر کرنے کے بجائے مدمقابل

کو لاجواب کرنے کے لیے ہوتا ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص اس نیت سے بحث کر رہا ہے کہ خود کو دوسرے کے مقابلے میں بڑا عالم ثابت کروں گا یا بحث کر کے اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کروں گا تو اسے ''مکابرہ'' کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر مکابرہ نہ تو درست بات کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے اور نہ مقابل کو لاجواب کرنے کی غرض سے ہوتا ہے، یہ محض سینہ زوری ہوتی ہے یا خواہ مخواہ اپنے علم کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔شریعت میں مناظرہ جائز ہے، مکابرہ اور مجادلہ جائز نہیں ہے۔

مناظرے کی اہم اصطلاحات:

مناظرے کے تعارف کے بعد وہ اہم اصطلاحات ذکر کی جاتی ہیں جن کے علم پر اس فن کا سمجھنا موقوف ہے۔

مدعی:

وہ شخص جو مناظرے میں دعویٰ کو دلیل کے ساتھ ثابت کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔

فائدہ: مدعی کے لیے ضروری ہے کہ اپنا دعویٰ صاف اور واضح بیان کرے تاکہ اس پر بحث کی جا سکے۔اگر دعویٰ صاف اور واضح نہ ہو تو بحث ومباحثے کا کوئی فائدہ نہیں۔ چونکہ مدعی نے اپنا دعوی پیش کرنا ہوتا ہے، اس بنا پر پہلے بیان کا موقع اسے دیا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس نے دعویٰ کو ثابت کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہوتی ہے لہذا آخر میں اسے یہ واضح کرنا ہوتا ہے کہ میں اپنی ذمہ داری پوری کر چکا ہوں، اس بنا پر آخری تقریر بھی مدعی کی ہوتی ہے لیکن آخری تقریر میں وہ کوئی ایسی بات ذکر نہیں کر سکتا جس کا جواب دینا سائل کے لیے ضروری ہو۔

سائل:

وہ شخص جو مدعی کے مقابلے میں ہو اور خود کو مدعی کے دعویٰ کی نفی کرنے کا پابند بنائے، چونکہ یہ مدعی کے دعویٰ پر اعتراض اور سوال کرتا ہے اس بناء پر فن مناظرہ میں مدعی کے مقابل کو مدعا علیہ نہیں سائل کہا جاتا ہے۔

موضوع:

وہ عنوان جس پر دو فریقوں کے درمیان مناظرہ ہو رہا ہو۔

دعویٰ:

وہ اصل بات جسے مدعی ثابت کرنا چاہتا ہے اور سائل اس کی نفی کرنا چاہتا ہے۔ منطقی اعتبار سے دعویٰ اس جملہ یا قضیہ کو کہتے ہیں جس میں پائے جانے والے حکم کو ثابت کرنا مقصود ہو۔ جیسے یہ کہا جائے ''تمام صحابہ معیار حق ہیں''۔

اس جملہ میں لفظ ''ہیں'' حکم ہے جس کو ثابت کرنا مقصود ہے اور یہ پورا جملہ یا قضیہ جس میں یہ حکم پایا جارہا ہے ''دعویٰ'' ہے۔ اب مدعی اس قضیے (تمام صحابہ معیار حق ہیں) میں موجود حکم ''ہیں'' کو دلیل سے ثابت کرنے کی کوشش کرے گا اور سائل ''نہیں ہیں'' سے اس حکم کی نفی کرے گا۔

دوسری مثال:

جیسے مسلمان مناظر کہے:

''حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد ظلی یا بروزی کوئی اور نبی اب کبھی نہیں آئے گا۔''

مسلمان مناظر کی یہ بات ''دعویٰ'' ہے۔

مناظرے میں یہ دعویٰ پیش کرنے والا مسلمان مناظر ''مدعی'' ہے۔

اس دعویٰ کا انکار کرنے والا قادیانی اور کافر مناظر ''سائل'' ہے۔

اور اس مناظرے کا موضوع عقیدہ ختم نبوت ہے۔

حکم کے اعتبار سے دعویٰ کی اقسام:

حکم کے اعتبار سے دعویٰ کی تین قسمیں بنتی ہیں۔

☆ نظری ☆ بدیہی اولی ☆ بدیہی غیر اولی

ہر ایک کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

نظری:

وہ دعویٰ جسے ثابت کرنے کے لیے غور وفکر اور استدلال کرنے کی ضرورت ہو۔ جیسے یہ کہا جائے: ''انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں'' اب اس بات کو بغیر دلیل اور غور وفکر کے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

بدیہی اولی:

وہ دعویٰ ہے جسے ثابت کرنے کے لیے غور وفکر اور استدلال کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ جیسے یہ کہا جائے ''کل جز سے بڑا ہوتا ہے'' اب اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کسی واسطے یعنی دلیل یا غور وفکر کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ ہر آدمی کی عقل جونہی اس بات کی طرف توجہ کرتی ہے، پہلی ہی مرتبہ اسے تسلیم کر لیتی ہے۔ بدیہی اولی بدیہی ہونے کی بناء پر دعویٰ نہیں بنتا، البتہ مجادل یا مکابر کے ظن کے مطابق ہم اسے دعویٰ تصور کر لیتے ہیں۔

بدیہی غیر اولی:

وہ دعویٰ ہے جو بدیہی تو ہوتا ہے لیکن بدیہی اولیٰ کی طرح بالکل واضح نہیں ہوتا بلکہ اس میں کچھ اخفاء ہوتا ہے۔ چنانچہ اس دعویٰ میں عقل کو توجہ کرتے ہی پہلی ہی مرتبہ میں یقین حاصل نہیں ہوتا۔ جیسے کہا جائے ''چار کا عدد جفت ہے'' اب چار کا جفت ہونا بدیہی ہے لیکن پہلی ہی مرتبہ میں عقل کو اس پر یقین نہیں آتا عقل پہلے ذہن میں موجود جفت اور چار کے مفہوم کی طرف جاتی ہے پھر چار پر جفت ہونے کا حکم لگاتی ہے۔

بدیہی غیر اولی قضیے میں موجود خفا ہی پہلی مرتبہ عقل کے یقین حاصل کرنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے مگر یہ رکاوٹ اس وقت دور ہو جاتی ہے جب فطری واسطے سے یا انسانی تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں کی گئی وضاحت کے نتیجے میں قضیے کا مفہوم عقل پر واضح ہو جاتا ہے۔

فائدہ:

مناظرہ ہمیشہ اس دعویٰ میں ہوتا ہے جو نظری ہو یا بدیہی غیر اولی ہو۔ بدیہی اولی دعویٰ میں مناظرہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس دعوے کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔ اگر کوئی انکار کرے گا تو وہ مناظر نہیں مجادل یا مکابر کہلائے گا۔ مدعی نظری دعویٰ کو ''دلیل'' سے ثابت کرنا ہے کیونکہ وہاں استدلال اور غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ بدیہی غیر اولی کو تنبیہ سے ثابت کرتا ہے کیونکہ یہاں استدلال نہیں وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اثباتِ دعویٰ کے تین عناصر:

دعویٰ کے ثبوت کے لیے عام طور پر تین چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

☆دلیل ☆تنبیہ ☆امارہ

دلیل:

نظری دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے جو کلام پیش کیا جاتا ہے اسے دلیل کہتے ہیں۔ جیسے مسلمان مناظر آپ ﷺ کی ختم نبوت کا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے کلام پاک سے یہ آیت پیش کرے

ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبيين

(سورۃ احزاب، آیت نمبر 40)

یہ آیت ختم نبوت کے اثبات پر دلیل ہے۔

منطقی اعتبار سے دلیل کہتے ہیں "دو معلوم جملوں کو ایسے ترتیب دینا کہ ان سے ایک نامعلوم چیز کا علم ہو جائے"۔

جیسے کہا جائے یہ جہاں تغیر پذیر ہے اور ہر تغیر پذیر فانی ہے لہٰذا یہ جہان فانی ہے۔ جہان کے فانی ہونے کا علم ہمیں اس وقت ہوا جب ہم نے دو معلوم جملوں کو ایک خاص طریقے سے ترتیب دیا۔ اسی طرح ہمیں اس بات کا علم ہے کہ "انسان جاندار شے ہے" اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ "ہر جاندار شے جسم والی ہے" تو ان دونوں کے جاننے سے ہم یہ جان گئے کہ انسان جسم والا ہے۔

منطق کی اصطلاح میں دلیل ہمیشہ دو تصدیقات کا مجموعہ ہوتی ہے جن میں سے ایک کا کلی ہونا اور دوسری کا موجبہ ہونا ضروری ہے۔ مذکورہ مثالوں میں "دو معلوم جملے" دو تصدیقات ہیں اور ان میں سے پہلا موجبہ اور دوسرا کلیہ ہے۔

تنبیہ:

وہ وضاحتی کلام یا گفتگو ہے جس کے ذریعے بدیہی غیر اولی دعوے میں موجود "خفا" کو زائل کر کے اسے ثابت کیا جاتا ہے۔

فائدہ:

چونکہ یہ دعویٰ نظری نہیں بدیہی ہوتا ہے اس حیثیت سے اس کو ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن بدیہی ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ یہ خفی بھی ہے یعنی پوری طرح سے واضح نہیں ہے لہٰذا اس کے ثبوت کے لیے دلیل کی بجائے ایسی وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے جو جملے میں موجود ''خفایا ابہام'' کو زائل کر کے اسے پوری طرح واضح کردے۔ یہ وضاحت عام طور پر انسانی تجربے، مشاہدے یا فطرت کی روشنی میں کی جاتی ہے۔

مثال:

اہل حق فلسفی یہ دعویٰ کرتا ہے:

''اشیاء کی حقیقتیں ظاہر میں ثابت ہیں'' (یہ دعویٰ بدیہی خفی ہے)۔

سائل سوفسطائی فلسفی یہ سوال کرے گا: کس تنبیہ کی بنیاد پر آپ یہ دعویٰ کر رہے ہیں؟

مدعی اپنے دعویٰ پر اس طرح تنبیہ (وضاحتی کلام) پیش کرے گا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم مختلف چیزیں دیکھتے ہیں اور ان کا مشاہدہ کرتے ہیں اگر یہ چیزیں ظاہر میں ثابت نہ ہوتیں تو ہم انہیں دیکھ سکتے تھے نہ ہی مشاہدہ کر سکتے تھے۔ اب آپ خود کو ہی دیکھ لیجیے۔ آپ بھی تو حقائق میں سے ایک زندہ حقیقت ہیں اور ظاہر میں موجود ہیں۔ اگر آپ ظاہر میں ثابت نہ ہوتے تو ہم سے تنبیہ کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتے تھے چونکہ ''آپ خود ظاہری طور پر ثابت ہیں'' تو ہمارا دعویٰ بھی ثابت ہو گیا کہ ''اشیاء کی حقیقتیں ظاہر میں ثابت ہیں''۔

اس مثال میں بدیہی غیر اولی دعوے کو ثابت کرنے کے لیے ایسی وضاحت کی ضرورت پیش آئی جس کا مشاہدہ ہم تجرباتی طور پر عام روزمرہ کی زندگی میں کرتے ہیں۔''

امارہ:

وہ غیر قطعی دلیل جس کے نتیجے میں یقین کی بجائے ظن یا گمان حاصل ہو۔ اسے دلیلِ ظنی بھی کہا جاتا ہے۔

جیسے یہ کہا جائے کہ ''فلاں سیاسی جماعت کے تمام کارکن مسلمان ہیں اور کوئی مسلمان غلط بیانی

نہیں کرتا لہٰذا اس سیاسی جماعت کا کوئی کارکن غلط بیانی نہیں کرتا"۔

اس استدلال کا نتیجہ یقینی نہیں ملتی ہے کیونکہ دلیل کا دوسرا جملہ قطعی نہیں ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ سیاسی جماعتوں کے کارکنان اپنے مقاصد کے لیے بعض دفعہ غلط بیانی سے بھی کام لیتے ہیں۔

ماخذ استدلال کے اعتبار سے دلیل کی اقسام:

ماخذ استدلال کے اعتبار سے دلیل کی دو قسمیں ہیں۔

☆ دلیل لمی ☆ دلیل انی

دلیل لمی:

اگر استدلال کا ماخذ علت ہو، یعنی کسی دعویٰ کو اس کی حقیقی علت سے ثابت کیا جائے تو اسے دلیل لمی کہا جاتا ہے۔

جیسے یوں کہا جائے:

"قادیانی آپ ﷺ کی ختم نبوت کے عقیدے پر ایمان نہیں رکھتے اور جو ختم نبوت کے عقیدے پر ایمان نہ رکھے وہ کافر ہے لہٰذا قادیانی کافر ہیں۔"

اس استدلال میں کفر کی علت حقیقی عقیدہ ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنا ہے جس کی بنیاد پر قادیانیوں کو کافر قرار دیا جارہا ہے۔

دلیل انی:

اگر استدلال کا ماخذ علامت ہو، یعنی کسی دعویٰ کو اس کی علامت سے ثابت کیا جائے تو اسے دلیلِ انی کہتے ہیں۔

جیسے یوں کہا جائے:

"مرزائیوں کے خلاف علماء نے کفر کا فتویٰ دیا ہے اور جس کے خلاف علماء کفر کا فتویٰ دیں وہ کافر ہے لہٰذا مرزائی کافر ہیں۔"

اس استدلال میں علامت علماء کا فتویٰ کفر ہے جس کی بنیاد پر قادیانیوں کو کافر کہا جارہا ہے۔

اصولِ موضوعہ اور اصول مصادرہ:

دلیل جن مقدمات پر مشتمل ہوگی یا تو فریقِ مخالف کے ہاں تسلیم شدہ اصول ہوں گے یا تسلیم شدہ نہیں ہوں گے۔ استدلال صرف ان اصولوں سے کرنا درست ہوگا جو فریقِ مخالف کے ہاں تسلیم شدہ ہوں۔ اگر استدلال ایسے مقدمات سے کیا گیا جو فریقِ مخالف کے ہاں مسلّم اصول شمار نہیں کیے جاتا تو یہ استدلال درست نہ ہوگا۔ مسلّم اصولوں کو مناظرے کی اصطلاح میں ''اصولِ موضوعہ'' جبکہ غیر مسلّم اصولوں کو اصولِ مصادرہ کہا جاتا ہے۔

تقریبِ تام اور غیر تام:

اگر دلیل اور اس کا چلن ایسا ہو جو لازماً اپنے مطلوب تک پہنچا دے یعنی دلیل سے دعویٰ پوری طرح ثابت ہو جائے تو اسے مناظرے کی اصطلاح میں ''تقریبِ تام'' کہتے ہیں اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی دلیل اور اس کا چلن ایسا ہو جو اپنے مطلوب تک نہ پہنچائے، یعنی اس دلیل سے دعویٰ پوری طرح ثابت نہ ہو تو اسے ''تقریبِ غیر تام'' کہتے ہیں۔

تقریبِ تام کی مثال جیسے:

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین

نقل اور تصحیح نقل:

نقل سے مراد نقلی دلیل پیش کرنا ہے اور تصحیح نقل سے مراد اس نقلی دلیل کی حوالہ جات کے ساتھ تصدیق کرنا ہے۔ اسے یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ ''دوسرے کا قول ذکر کرنا اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ فلاں کا قول ہے نقل کہلاتا ہے''۔

جیسے مناظرِ ختمِ نبوت کہے کہ آپ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے:

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں

اگر سائل کے مطالبہ پر اس حدیث شریف کی تصدیق کے لیے مدعی حوالہ جات بھی بیان کرے تو یہ ''تصحیح نقل'' ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ یہ حدیث ابوداؤد: ۲/۲۳۴ اور ترمذی: ۲/۴۵ پر

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اقتباس:

اگر متکلم دوسروں کے اقوال اور کلام کو اس طرح پیش کرے کہ وہ غیر کی بجائے متکلم کا اپنا کلام محسوس ہو تو اسے ''اقتباس'' کہتے ہیں۔

جیسے تجدد پسند حضرات مستشرقین اور معتزلہ کے اعتراضات چرا چرا کر اسلامی علمیت و روایت پر اس طرح وار کرتے ہیں گویا یہ ان کے اپنے ذہن اور تحقیق سے جنم لینے والے اعتراضات ہیں۔

غصب:

غصب کہتے ہیں دوسرے کا مقام منزلت اچک لینا۔

یعنی مدّعی کی اصل ذمہ داری دلیل پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کرنا ہے اور سائل کہ اصل ذمہ داری مدعی کے دعویٰ کی نفی کرنا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی فرد اپنے منصب کو چھوڑ کر دوسرے کے منصب کو بلا ضرورت اختیار کرلے تو اس کو غصب کہتے ہیں۔

جیسے مدّعی اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی بجائے سائل پر اعتراض کرنا شروع کر دے یا سائل مدّعی کے دعویٰ کی نفی کرنے کی بجائے، اس کی طرف سے دلیل پیش کرنے سے پہلے ہی اس کے خلاف دلائل دینا شروع کر دے تو یہ غصب شمار ہوگا۔

غصب کا حکم:

مناظرے میں ''غصب'' اختیار کرنا ممنوع ہے۔ کسی بھی فریق کے لیے بلا ضرورت غصب درست نہیں۔ البتہ ایک صورت یہ ہے کہ اگر مدعی نے دلیل پیش کی اور سائل نے اس کے خلاف معارضہ کے طور پر دلیل پیش کی تو سائل کی اس دلیل پر مدّعی اعتراض کرسکتا ہے۔ کیونکہ اب ان کی حیثیت الٹ ہوگئی ہے۔ معارضہ کے طور پر دلیل پیش کر کے سائل ایک طرح سے مدّعی بن گیا ہے تو اب اصل مدّعی کو اس کی دلیل پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔

مصادرہ علی المطلوب:

مصادرہ علی المطلوب کہتے ہیں دعویٰ کو ہی دلیل سمجھنا یا مدّعی کا معمولی تبدیلی کے ساتھ دعویٰ کو

ی بطور دلیل پیش کر دینا۔

جیسے یہ کہا جائے:

فلاں صاحب ماہر طبیب ہیں (دعویٰ)

اگر وہ ماہر طبیب نہ ہوتے تو اچھے معالج بھی نہ ہوتے حالانکہ وہ اچھے معالج ہیں (دلیل)

پس وہ ماہر طبیب ہیں (نتیجہ)

سوال یہ ہے کہ ماہر طبیب اور اچھے معالج میں کیا فرق ہے؟ جو ماہر طبیب ہوتا ہے وہی اچھا معالج ہوتا ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ کسی کا ماہر طبیب ہونا یا اچھا معالج ہونا ایک ہی بات ہے۔

مدّعی نے جس چیز کا دعویٰ کیا اسی کو لفظوں کے ہیر پھیر سے دلیل کے طور پر پیش کر دیا حالانکہ ماہر طبیب کا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے مدّعی کو چاہیے تھا کہ وہ میدانِ طب میں اس کے عرصہ مہارت کو ذکر کرتا، کامیاب علاج کرانے والے مریضوں کی تعداد کا ذکر کرتا، ان بڑے بڑے اداروں کا ذکر کرتا جہاں اس نے اپنی پیشہ ورانہ خدمات سرانجام دیں، یا ان اسناد و اعزازات کا ذکر کرتا جو اسے بہترین معالج تسلیم کیے جانے پر عطا کیے گئے۔

حکم:

مصادرہ علی المطلوب بھی مناظرے میں ممنوع ہے۔

فریقِ مخالف کی دلیل کیسے توڑی جائے؟

مدّعی جب اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کر چکے تو اس دلیل کو توڑنے کے لیے سائل کو چاہیے کہ مندرجہ ذیل چار سوالات پر غور کرے۔

سوال نمبر ا۔ کیا پیش کی گئی دلیل کا کوئی جزو صغریٰ یا کبریٰ غیر ثابت تو نہیں؟

سوال نمبر ۲۔ کیا یہ دلیل ایسی تو نہیں جو متنازعہ مقام کے علاوہ کسی اور مقام میں بھی پائی جاتی ہے مگر وہاں اس دلیل سے یہ حکم ثابت نہیں ہوتا؟

سوال نمبر ۳۔ کیا یہ دلیل ایسی تو نہیں جسے درست مان لینے کی صورت میں ایک ایسی چیز ثابت

ہورہی ہو جس کا وجود ہی محال ہے؟

سوال نمبر۴۔ کیا اس دلیل کے مقابلے میں کوئی ایسی دلیل موجود ہے جو اس دلیل سے ثابت ہونے والے دعویٰ کی نفی کر سکتی ہو؟

اگر فریقِ مخالف کی پیش کردہ دلیل پر ان سوالوں میں سے کوئی سوال وارد ہو رہا ہو تو اس کا مطلب ہے مقابل کی دلیل کو توڑ کر رد کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان سوالات کی روشنی میں کسی بھی غلط دلیل پر اعتراض کرنے اور اس کے فساد کو ظاہر کرنے کے لیے عام طور پر فنِ مناظرہ میں تین طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔ ان طریقوں کو منع، نقض اور معارضہ کہا جاتا ہے۔

سوال: منع کسے کہتے ہیں؟

مدّعی نے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے جو دلیل پیش کی سائل اگر اس دلیل کے کسی معیّن مقدمہ صغریٰ یا کبریٰ پر اعتراض کرے اور اس کے ثبوت پر دلیل طلب کرے تو اسے منع کہتے ہیں۔

مثال:

باطل نظریہ رکھنے والا مناظر:

خبرِ واحد حجت نہیں ہے (دعویٰ)

کیونکہ:

اس سے یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا (صغریٰ)

اور جس چیز سے یقین کا فائدہ حاصل نہ ہو وہ حجت نہیں بن سکتی (کبریٰ)

پس خبرِ واحد حجت نہیں بن سکتی (نتیجہ)

اہلِ حق مناظر:

خبرِ واحد اگرچہ یقین کا فائدہ نہیں دیتی لیکن ظن کا فائدہ تو دیتی ہے اور ظنی چیز حجت بن سکتی ہے۔ لہٰذا پہلے آپ یہ ثابت کریں کہ ظنی چیز حجت نہیں بن سکتی۔

اس مثال میں اہلِ حق مناظر نے باطل نظریہ رکھنے والا مناظر کی پیش کردہ دلیل کے دوسرے مقدمے یعنی کبریٰ پر اعتراض کیا اور اس کے ثبوت پر دلیل طلب کی۔

منع کو مناقضہ اور نقضِ تفصیلی بھی کہتے ہیں اور دلیل کا وہ مقدمہ جس پر اعتراض کیا جائے مقدمہ ممنوعہ کہلاتا ہے۔ یہ دلیل کا جز ہوتا ہے اور دلیل کا درست ہونا بھی اسی پر موقوف ہوتا ہے۔

سوال: سند کسے کہتے ہیں؟

اگر سائل نے منع کو تقویت دینے والی کوئی چیز ذکر کی تو اس کو سند اور مستند کہا جاتا ہے۔

مثال:

اسی مثال میں اہلِ حق مناظر مزید یہ بات کرے کہ ظنی چیز کس طرح حجت نہیں بن سکتی؟ کیا شہادت ظنی چیز نہیں ہے؟ مگر اس سے حد ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ رمضان اور عید کا چاند بھی اسی ظنی چیز سے ثابت ہوتا ہے۔ منع کو مضبوط کرنے کے لیے اس انداز سے دلیل ذکر کرنا ''سند'' کہلاتا ہے۔

فائدہ:

ضروری نہیں کہ مناظر جب بھی کسی دلیل پر منع وارد کرے تو ساتھ سند بھی ذکر کرے۔ کبھی سند ذکر کی جاتی ہے اور کبھی بغیر سند کے بھی منع وارد کی جاتی ہے فقط اتنا کہا جاتا ہے کہ ''ہم آپ کی دلیل کے فلاں فلاں مقدمے کو تسلیم نہیں کرتے، لہٰذا پہلے اسے دلیل سے ثابت کرو''۔

مناظر اگر منع کے ساتھ ''سند'' ذکر کرے تو ایسی منع ''مقرون بالسند'' کہلاتی ہے اور اگر بغیر سند کے صرف منع ذکر کرے تو اسے مناظرے کی اصطلاح میں ''منع مجرد عن السند'' کہا جاتا ہے۔

سوال: نقض کسے کہتے ہیں؟

مقابل کی دلیل پر اعتراض کرنے اور اسے توڑنے کا دوسرا طریقہ نقض ہے۔ نقض کہتے ہیں مدّعی کی دلیل پوری ہونے کے بعد اس کو باطل کرنے کے لیے سائل اس پر کوئی ایسی بات کرے جس سے یہ ظاہر ہو کہ مدّعی کو اس دلیل سے استدلال کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اس کے نتیجے میں ''تخلف یا محال'' لازم آتا ہے جو استدلال کے غلط اور فاسد ہونے کی دو واضح صورتیں ہیں۔

سوال: تخلف کسے کہتے ہیں؟

مدّعی کی دلیل پوری ہونے کے بعد اسے باطل کرنے کے لیے سائل یہ ثابت کرے کہ مدّعی کو

اس دلیل سے استدلال کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ یہ دلیل متنازعہ مقام کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی پائی جاتی ہے مگر وہاں مدّعی کے نزدیک بھی اس سے یہ حکم ثابت نہیں ہوتا۔

مثال:

باطل نظریہ رکھنے والا مناظر:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن سے ثابت ہے (دعویٰ)

کیونکہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے قرآن میں ''توفی'' کا لفظ ہے (صغریٰ)

اور توفی کے لفظ کے معنیٰ وفات قرآن سے ثابت ہے (کبریٰ)

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن سے ثابت ہے (نتیجہ)

اہلِ حق مناظر:

آپ نے ''توفی'' کے لفظ سے وفات پر استدلال کیا حالانکہ توفی کا لفظ قرآن میں دیگر مقامات پر بھی آیا ہے، مگر وہاں آپ کے نزدیک بھی یہ لفظ وفات کے معنیٰ کے لیے ثابت نہیں ہے بلکہ بالاتفاق اس سے ''نیند'' مراد ہے۔

لہٰذا آپ کو اس دلیل سے استدلال کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اس کے نتیجے میں تخلف لازم آتا ہے جو غلط اور فاسد استدلال کی ایک بدیہی صورت ہے۔ چنانچہ اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے آپ کا غلط استدلال پیش کرنا خود آپ کے مؤقف کے غلط ہونے کی واضح دلیل ہے۔

سوال: محال کسے کہتے ہیں؟

مدّعی کی دلیل پوری ہو جانے کے بعد اسے باطل کرنے کے لیے سائل یہ ثابت کرے کہ اس دلیل کو درست مان لینے کی صورت میں ایک ایسی چیز ثابت ہو رہی ہے جس کا وجود ہی محال ہے۔

مثال:

باطل نظریہ رکھنے والا مناظر:

فرشتے موجود نہیں ہیں (دعویٰ)

کیونکہ وہ نظر نہیں آتے اور جو چیز نظر نہیں آتی وہ موجود نہیں ہو سکتی (دلیل)

اہلِ حق مناظر:

اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی موجود نہ ہوں کیونکہ وہ بھی نظر نہیں آتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا عدمِ وجود محال ہے۔

لہٰذا:

باطل نظریہ رکھنے والے حضرات کو اس دلیل سے استدلال کا کوئی حق نہیں کیونکہ اس کے نتیجے میں محال لازم آتا ہے جو تمام اہلِ فن کے نزدیک غلط اور باطل استدلال کی ایک مسلمہ صورت ہے۔ چنانچہ اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لیے غلط استدلال پیش کرنا بھی اس نظریے کے غلط ہونے کی واضح دلیل ہے۔

سوال: شاہد کسے کہتے ہیں؟

تخلف اور استلزام محال (جن کے ذریعے نقض وارد کرنے والا دلیل کے فساد کو ظاہر کرتا ہے) شاہد کہلاتے ہیں۔

سوال: معارضہ کسے کہتے ہیں؟

مدّعی کی دلیل کو توڑنے کا تیسرا طریقہ معارضہ ہے۔ معارضہ کہتے ہیں "مدّعی نے جس مدلول پر دلیل قائم کی ہے، سائل اس کے خلاف ایسی دلیل پیش کرے جو اس کے دعویٰ کی نفی کر دے"۔ اسے مقابلہ بھی کہتے ہیں۔

معارضہ کی تقسیمات:

معارضہ کی دو تقسیمات ہیں۔ پہلی تقسیم کا تعلق مدّعی کے دعویٰ کے ساتھ ہے اور دوسری تقسیم کا تعلق مدّعی کی دلیل کے ساتھ ہے۔

پہلی تقسیم:

پھر پہلی تقسیم کے اعتبار سے معارضہ کی دو قسمیں ہیں:

معارضہ فی الدلیل　　　　معارضہ فی المقدمہ

سوال: معارضہ فی الدلیل کسے کہتے ہیں؟

مدّعی نے جو دعویٰ قائم کیا ہے سائل اس دعویٰ کے خلاف دلیل پیش کرے۔

مثال:

باطل نظریہ رکھنے والا مناظر:

مرد وعورت کی شہادت میں فرق نہیں (دعویٰ)

کیونکہ شریعت نے دونوں کو برابر قرار دیا ہے، فرق نہیں کیا (دلیل)

اہلِ حق مناظر:

آیت: واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامراتان الخ

(سورۃ بقرہ، آیت:۲۸۲)

باطل نظریہ رکھنے والا مناظر کا دعویٰ تھا کہ مرد وعورت کی گواہی میں کوئی فرق نہیں۔ اہلِ حق مناظر نے اس کے دعوے کے خلاف دلیل پیش کردی کہ قرآن کی آیت سے مرد وعورت کی شہادت میں فرق ثابت ہے۔

سوال: معارضہ فی المقدمہ کسے کہتے ہیں؟

مدّعی نے اثبات دعویٰ کے لیے جو دلیل پیش کی ہے، سائل اس دلیل کے کسی ایک مقدمے کے خلاف دلیل قائم کرے۔

مثال:

باطل نظریہ رکھنے والا مناظر:

قیامت کے قریب امام مہدی کا ظہور ثابت نہیں (دعویٰ)

دلیل:

کیونکہ اس سے متعلق روایات کچھ ضعیف اور کچھ موضوع ہیں (صغریٰ)

ضعیف وموضوع روایات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا (کبریٰ)

اہلِ حق مناظر:

اس واقعہ سے متعلق صحیح وحسن روایات بھی موجود ہیں جو ابوداؤد شریف اور دیگر کتب حدیث میں ہیں۔

اس میں اہلِ حق مناظر نے باطل کی دلیل کے ایک مقدمے (صغریٰ) کے خلاف دلیل پیش کر کے اس کو توڑا اور رد کیا ہے۔

دوسری تقسیم:

دوسری تقسیم کے اعتبار سے معارضہ کی تین قسمیں ہیں:

معارضہ بالقلب　　　معارضہ بالمثل　　　معارضہ بالغیر

سوال: معارضہ بالقلب کسے کہتے ہیں؟

مدّعی نے اثبات دعویٰ کے لیے جو دلیل قائم کی، سائل نے بعینہٖ وہی دلیل لوٹا کر مدّعی کے خلاف پیش کر دی۔

مثال:

حنفی عالم:

سر کا مسح تین بالوں کی مقدار سے ادا نہیں ہوگا (دعویٰ)

دلیل:

مسح ارکان وضو میں سے ایک رکن ہے، یہ اتنی کم مقدار سے پورا نہیں ہو سکتا جیسا کہ چہرے کا دھونا

شافعی عالم:

مسح ارکان وضو میں سے ایک رکن ہے، اس میں چوتھائی سر پر اکتفاء نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ چہرے کا دھونا۔

سوال: معارضہ بالمثل کسے کہتے ہیں؟

سائل ایسی دلیل پیش کرے جو صورت کے اعتبار سے مدعی کی دلیل جیسی ہو لیکن مادّہ مختلف ہو۔

مثال:

باطل نظریہ رکھنے والا مناظر:

اجماع حجت نہیں ہے (دعویٰ)

دلیل:

یہ فقہاء کی طرف سے اضافہ ہے

قرآن وسنت کے بعد کوئی اضافہ کرنا بدعت ہے، حجت نہیں۔

لہٰذا اجماع حجت نہیں۔

اہلِ حق مناظر:

شریعت کی طرف سے قرآن وسنت کے ساتھ مآخذ اجماع کا اضافی کیا گیا ہے، جس کے دلائل قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ شریعت کی طرف سے یہ اضافہ حجت ہے، بدعت نہیں۔

وضاحت:

اہلِ حق مناظر کی دلیل صورتاً باطل کی دلیل جیسی ہے کہ قیاسِ اقترانی کی شکلِ اول ہے، مگر مادّہ کے اعتبار سے مختلف ہے۔ ایک کا مادّہ فقہاء کا اضافہ ہے اور دوسری کا مادّہ شریعت کا اضافہ ہے۔

سوال: معارضہ بالغیر کسے کہتے ہیں؟

مدّعی کے خلاف سائل ایسی دلیل پیش کرے جو صورت اور مادّہ دونوں اعتبار سے مدّعی کی دلیل سے مختلف ہو۔

مثال:

مدّعی:

عالم قدیم ہے (دعویٰ)

دلیل: اگر عالم حادث ہوتا تو مستغنی نہ ہوتا، حالانکہ عالم مستغنی ہے، معلوم ہوا کہ عالم حادث نہیں، قدیم ہے۔

سائل:

عالم مؤثر کی طرف محتاج ہے۔ ہر محتاج چیز حادث ہوتی ہے پس عالم بھی حادث ہے۔

سائل نے ایسی دلیل پیش کی جو صورت کے اعتبار سے بھی مختلف ہے کہ ایک قیاسِ استثنائی ہے اور دوسری قیاسِ اقترانی، اور مادّہ کے اعتبار سے بھی مختلف ہے۔

مناظرے کی تیاری کے مراحل:

= پہلے مرحلے میں اپنا اور فریقِ مخالف کا مؤقف اور نقطہ نظر اچھی طرح سمجھ کر ایک کاغذ پر اچھی طرح لکھ لیں۔

= دوسرے مرحلے میں اختلافِ فریقین کا اصل اور بنیادی نکتہ متعین کر لیں۔

= تیسرے مرحلے میں متعلقہ موضوع پر کتب، رسائل اور دیگر مواد جس قدر ممکن ہو جمع کر لیں۔

= چوتھے مرحلے میں کتب کا مطالعہ کر کے اپنے دلائل اور فریقِ مخالف کے دلائل کے جوابات تلاش کر کے ترتیب سے نوٹ کر لیں۔

مناظرے سے متعلق چند اہم اور مفید ہدایات:

۱۔ مناظرے کا چیلنج اس وقت قبول کریں جب وہ جماعتی پیڈ یا شامپ پیپر پر باقاعدہ لکھوایا گیا ہو اور اس پر ذمہ داران کے دستخط ہوں۔

۲۔ حفاظتی اقدامات کروا کے امن وامان کی ذمہ داری حاصل کریں۔

۳۔ فریقین کی باہمی رضامندی سے غیر جانبدار جگہ کا انتخاب کیا جائے۔

۴۔ ہر فریق کی تقریر کا دورانیہ وقت کے اعتبار سے طے کر لیں۔

۵۔ مدّعی اور سائل کا پہلے سے تعین کر لیا جائے۔

۶۔ فریقین باہمی اتفاق سے مناظرہ کی شرائط اور اصول وضوابط مقرر کر لیں اور پھر دورانِ مناظرہ ان کی پاسداری کا اہتمام کریں۔

۷۔ فیصلہ کے لیے کوئی ثالث مقرر کر لیں، جو دلائل کو دیکھ کر انصاف سے فیصلہ کرے۔

سولھواں باب

خطیب کے لیے علمی وفنی معلومات

چار اہم مباحث کا علم

خطیب کے لیے علمی وفنی معلومات
چار اہم مباحث کا علم

شخصیت اور زبان خطابت کے دولازمی اجزاء ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ صوتیات اور غیر لفظی ابلاغ دو ایسے عناصر ہیں کہ ایک مؤثر، محقق اور ذہن ساز خطیب کے لیے ان کے مبادیات کا مطالعہ ضروری ہے۔ چنانچہ اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان چاروں موضوعات پر الگ الگ کچھ بنیادی اور معلوماتی مباحث پیش کی جارہی ہیں۔

شخصیت کیا ہے؟

جب بھی ہم ذات یا شخصیت کا ذکر کرتے ہیں تو اسکے ساتھ ہی یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ شخصیت کیا ہوتی ہے؟ کیا شخصیت کا تعلق ظاہری وجاہت اور شکل وصورت سے ہوتا ہے؟ اگر یہی بات ہے تو پھر وہ لوگ جن کی ظاہری حالت ایسی نہیں ہوتی وہ کیوں اعلیٰ شخصیت کے حامل ہوتے ہیں؟

سوال: شخصیت کی تعریف کیا ہے؟

جواب: یہ ایک پیچیدہ امر ہے، لغت کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ شخصیت وہ چیز ہے کہ جس سے کسی کی انفرادیت کا تعین ہوتا ہے۔فردی تشخص بنتا ہو یا خود اختیاری کی قوت کا اظہار ہوتا ہو۔ بس یوں سمجھیے کہ آپ ایک شخصیت ہیں، آپ کا لباس، آپ کے چہرے کے تاثرات، آپ کے

بال، وضع قطع، ظاہری پسند ناپسند یہ سب آپ کی شخصیت کا حصہ ہیں۔ ہم جب کسی نئی جگہ جاتے ہیں، لوگوں سے ملتے ملاتے ہیں تو اولاً ہم ان کے ظاہری اوصاف کا ایک بصری اور نظری جائزہ لیتے ہیں، ان کے ظاہری تاثرات کو نوٹ کرتے ہیں، پھر ہم ان سے تعارف کرتے کراتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا بڑا تاثر ہم ان کو سن کر قائم کرتے ہیں۔ یہاں آواز کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، کیوں کہ آواز بھی کسی شخص کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے اس شخص کی سمعی تشخیص و تجسیم کرتی ہے۔

شخصیت کے تشکیلی عناصر:

شخصیت کی تشکیل میں ارث اور ماحول دو بنیادی عناصر کارفرما ہوتے ہیں۔ ارث کا مطلب شخصیت کے وہ خصائص ہیں جو فرد کو نہ صرف اس کے والدین بلکہ اس کے آباؤ اجداد سے ملتے ہیں۔ یہ وہ خصائص ہوتے ہیں جو نسل در نسل، اولاد در اولاد منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ''ایک جوڑا والدین'' کی تمام اولادوں میں یہ خصائص یکساں پائے جاتے ہوں۔ ساتھ یہ بھی ایک اہم بات ہے کہ تمام ارثی خصائص فرد کی ابتدائی عمر میں ظاہر ہوں یہ بھی ضروری نہیں بلکہ یہ ارثی صفات عمر کے ساتھ ساتھ نمایاں ہوتی رہتی ہیں، اس کی شکل و صورت، جسم کی ساخت اور جلد کی رنگت تو ابتدائی دنوں میں ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن اس کے مزاج اور طبیعت کے رجحانات اور میلانات آہستہ آہستہ عمر کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔

ارث اور ماحول سے مندرجہ ذیل چیزیں شخصیت میں منتقل ہو کر اس پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

ایمان اور خاندانی روایات:

وراثتی اور ماحولیاتی عناصر میں سب سے اہم چیز جو فرد کو منتقل ہوتی ہے وہ اس کا ایمان اور خاندانی روایات ہیں۔ ایمان کسی بھی شخصیت کی تشکیل میں سب سے طاقتور عنصر ہوتا ہے۔ جو اسے خاندان سے بھی ملتا ہے اور انسان خود بھی اسے اپنے علم اور عمل سے تقویت پہنچاتا رہتا ہے۔ ایمان اور خاندانی روایات شخصیت کو اپنے ہالے میں لیے ہوئے ہوتی ہیں۔

میل جول:

سماج میں میل جول سے فرد کی شخصیت بہت متاثر ہوتی ہے لیکن یہ اثرات مختلف افراد پر مختلف رفتار سے اور مختلف شدت سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ بہت جلد اثر لے لیتے ہیں اور کچھ بہت دیر میں اور آہستہ آہستہ۔ یوں ایک فرد اپنی زندگی میں معاشرتی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنے اندر تبدیلی لانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس سے انسانی مزاج تشکیل پاتا ہے۔

مواقع:

ایک اہم بات یہ کہ ہر فرد کو زندگی میں جو مواقع ملتے ہیں وہ الگ الگ ہو سکتے ہیں اور ان کا اثر فرد کی تہذیب پر، اس کے رہن سہن پر ہی نہیں اس کے مزاج پر بھی پڑتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی اہم ہے کہ ہر فرد کے اپنے کچھ تجربات ہوتے ہیں جو اس کی شخصیت اور مزاج پر اثر انداز ہوتے ہیں کیوں کہ فرد سماج میں سموئے جانے کے عمل کے دوران جن تجربات سے دوچار ہوتا ہے وہ بھی اس کی شخصیت کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی حد تک فرد کی اپنی پہچان، اپنی ذات کے بارے میں اس کے خیالات بھی اس کے عمل میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

مزاج:

ہر فرد کی شخصیت اپنے بہت سے خصائص کے ساتھ سماجیائے جانے کے عمل سے نکل کر معاشرہ میں اس فرد کی پہچان قائم کر دیتی ہے اور ان خصائص کی وجہ سے اس کے اردگرد رہنے والے اس کے بارے میں ایک رائے قائم کر لیتے ہیں اور ان کی رائے مختلف زاویوں سے گہرے تاثرات مرتب کرتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم چیز فرد کا اپنا مزاج ہے جو اس کے رویوں اور فیصلوں کی بنیاد بنتا ہے۔ مزاج کی تشکیل بھی کئی عناصر سے ہوتی ہے اور اس میں فرد کی اپنی رائے اور اپنی زندگی کے بارے میں اس کا نظریہ بھی اہم ہوتا ہے۔ وہ خود دنیا کو کس نظر سے دیکھتا ہے اور مختلف شعبوں کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے، یہ بھی اس کے مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے۔ فرد کا مزاج سوسائٹی میں اس کے لیے ایک اہم مقام اور ایک منصب کا بھی تعین کر سکتا ہے۔

شخصیت اور آواز:

آدمی میں بولنے کی فضیلت اسے ہر دوسرے حیوان سے ممتاز کرتی ہے، آدمی جب بولتا ہے تو اسے اپنے الفاظ کے معانی کا شعور بھی ہوتا ہے۔ لفظوں کی طاقت اور مخفی معانی کا علم بھی ہوتا ہے، آدمی بولتے وقت اپنی پسند اور مرضی کے الفاظ کا انتخاب کر سکتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنا مدعی بیان کرنے کے لیے محتاط الفاظ ادا کرتا ہے۔ آدمی میں بولنے اور کلام کرنے کی صلاحیت چھوٹی عمر سے ہی پیدا ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی خداداد صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہماری آواز صحیح یا غلط طور پر جو بھی تاثر دے، اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہمارے مزاج یا افتادِ طبع کا اظہار ہو اور خیالات کی ترسیل ہوتی رہے۔ آدمی کی شخصیت کے دیگر خصائص کی طرح اس کی آواز بھی جداگانہ ہوتی ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی فون پر ہم آواز سن کر اندازہ لگا لیتے ہیں کہ بولنے والی شخصیت کون ہے اور پھر اس کے ساتھ اس کا پورا سراپا ہمارے ذہن میں گھوم جاتا ہے۔

متفرق خصائص:

مذکورہ خصائص کے علاوہ بھی کئی خصائص ایسے ہیں جو معاشرہ میں فرد کی شخصیت پر اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ان میں بہت اہم وہ ہیں جن کے ہونے، نہ ہونے کی وجہ سے کسی فرد کی ذات کے بارے میں ایک خیال قائم کر لیا جاتا ہے اور معاشرے کے اسی خیال پر فرد سے دوسروں کے تعلقات کا انحصار ہوتا ہے۔ جیسے وضع قطع، جسمانی ساخت، کردار، عادات واطوار، اندازِ گفتگو، پسند ناپسند، حرکت پذیری، مختلف معاملات پر اپنے جذبات وخیالات اور احساسات کا اظہار، قوت فیصلہ اور سماجی تعلقات اہم ہیں۔

زبان کیا ہے؟

زبان معاشرے میں ہمارے خیالات، جذبات، احساسات اور نظریات ایک دوسرے تک پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ ایک ایسا انسانی عمل ہے جس کے دو رخ ہیں۔ ایک طرف تو یہ عمل اس شخص کی طرف ہے جو اپنے دل کی بات دوسرے کو سمجھانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف اس شخص کی جانب ہے جو دوسرے کے دل کی بات سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے بولی بھی کہتے ہیں۔

دنیا میں مختلف اقوام ہیں اور ان کی جداگانہ زبانیں ہیں۔ کلام پاک میں مختلف زبانوں کو اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔

بولی کا انسانی زبان سے تعلق:

کسی بھی زبان یعنی بولی کا انسان کی زبان سے بہت گہرا تعلق ہے۔ کتنا گہرا تعلق ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس طرح اردو میں زبان (عضو) اور زبان ایک ہی ہیں، اسی طرح انگریزی میں بھی Tongue کا لفظ عضو کے ساتھ ساتھ زبان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور عربی میں بھی دونوں پر ''لسان'' کا اطلاق ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کی مختلف حرکات ہی مختلف النوع الفاظ ادا کرتی ہیں۔ اس لیے زبان سے زبان یوں مشروط ہوئی کہ دونوں یک نام ہوگئیں۔ آج اس بات کا تعین مشکل ہے کہ عضو کو پہلے زبان کہا گیا یا زبان کی مناسبت سے بعد میں عضو کو زبان قرار دیا گیا، صورت جو بھی رہی ہو اب عضو اور صوت ایک ہو چکے ہیں۔

زبان کا آہنگ:

آواز براہ راست اعصاب پر اثر انداز ہو کر اچھے برے یے خوشگوار یا ناخوش گوار اثرات مرتب کرتی ہے۔ شیریں دہنی دراصل اصوات کی شیرینی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں زبان میں مٹھاس زیادہ ہے اور وہ خوش آہنگ ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں دوسری کرخت ہے اور اس سے ثقل سماعت ہوتا ہے، تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کے بولنے والے ملائم یا ثقیل اصوات کے اخراج پر قادر ہیں۔ چنانچہ اردو کے مقابلے میں فارسی اور انگریزی کے مقابلے میں فرانسیسی زبانیں اگر زیادہ خوش آہنگ سمجھی جاتی ہیں تو اس سے مراد یہی ہے کہ فارسی اور فرانسیسی بولنے والے کرخت اور ثقیل الفاظ کی ادائیگی پر قادر نہیں جیسے ٹ اور T۔ اسی بنا پر زبان کو نرم آہنگ یا خوش آہنگ کہا جاتا ہے۔

حرف کا سانچہ/ اردو کی خصوصیت:

حروف تہجی اس امر کے مظہر ہوتے ہیں کہ اس زبان کے بولنے والے کون کون سی آوازیں حلق سے ادا کرنے پر قادر ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے لوگ اس بناء پر خوش قسمت ہیں کہ ہر طرح کی

آوازیں ادا کرنے کے اہل ہیں چنانچہ اگر ایک طرف سنسکرت اور دراوڑی الفاظ سے مخصوص کرخت اصوات ادا کر سکتے ہیں تو دوسری طرف عربی، ترکی، فارسی اور مغربی زبانوں سے مخصوص آوازیں بھی حلق سے نکال سکتے ہیں۔ اردو کے حروف تہجی اس امر کے مظہر ہیں کہ یہاں کے باشندے تعداد میں کئی اصوات کی ادائیگی پر قادر ہیں۔ اردو کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دنیا کی ہر زبان کا لفظ اپنا اصل لہجہ برقرار رکھتے ہوئے ادا ہو جاتا ہے، اس کا یہی سبب ہے کہ اہل اردو متنوع اصوات کی درست ادائیگی پر قادر ہیں۔ فارسی برصغیر کی تہذیبی اور تخلیقی زبان تھی، اس لیے اس کے تمام حروف تو برقرار رہنے ہی تھے جبکہ اسلام، قرآن مجید، عبادات، اور دینی روایات کی بناء پر عربی زبان کا بول بالا رہا۔ چنانچہ عربی کے ،ص،ظ،ط،ع،غ، بھی اردو حروف میں شامل ہو گئے مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو ہندو دھرم اور سنسکرت کلچر بھی رہا۔ چنانچہ ڑ، ڈ، ٹ، اور دو چشمی ھ والے تمام حروف جیسے بھ، ٹھ، تھ، ڈھ، دھ، وغیرہ بھی حروف تہجی کا حصہ بن گئے۔ یہ اثرات باہمی تھے ، چناچہ اردو کی مانند ہندی میں بھی ان حروف کا اضافہ کیا گیا مگر یوں کہ جو صوت جس طرح ادا ہو سکے اسے اسی طرح ادا کیا، اس کا اصل لہجہ متروک کر دیا۔

اردو اصوات کا جدول:

ذیل میں اردو اصوات کا جدول درج کیا جاتا ہے۔

خالص ہندی کی آوازیں:

پھ، بھ، تھ، دھ، ٹھ، ڈھ، چھ، جھ، کھ، گھ، ٹ، ڈ ڑ ڑھ۔

ہندی اور عربی فارسی کی مشترک آوازیں:

ب، پ، ت، ج، چ، د، ر، س، ش، ک، گ، ل، م، ن، و، ہ، ی۔

عربی فارسی کی مشترک آوازیں جو ہندی میں بھی ہیں:

ق، خ، غ، ز، ف۔

اردو حروف تہجی جہاں پر متنوع اصوات کے مظہر ہیں، وہاں س، ص، ، ت، ط، ز، ذ، ض، ظ، جیسی اصوات کی تکرار بھی ملتی ہے۔ اسی طرح ژ کی صورت میں ایک حرف ایسا بھی ملتا ہے جس کا استعمال

اردو کے بہت کم الفاظ میں ہوتا ہے۔

عام انسان عام زندگی میں ہر طرح کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو دراصل ہر لفظ کی ادائیگی کے وقت وہ کام ودہن کی مدد سے مختلف النوع آوازیں ہی خارج کر رہا ہوتا ہے۔ سامع بھی چونکہ ایسی ہی آوازوں کا علم رکھتا ہے یا عادی ہوتا ہے اس لیے اظہار ابلاغ میں دقت نہیں ہوتی۔ زبان غیر اسی لیے پلے نہیں پڑتی کہ کان اس زبان کی اصوات سے مانوس نہیں ہوتے اور ذہن ان اصوات سے بننے والے الفاظ کے مفہوم سے ناآشنا ہوتا ہے۔

زبانوں کے خاندان:

ماہرین لسانیات نے بحیثیت مجموعی زبانوں کے آٹھ عظیم خاندان بنائے ہیں۔ یہ آٹھ لسانی خاندان کچھ یوں ہیں:

(۱) سامی (۲) ہند چینی (۳) دراوڑی (۴) مونڑا (۵) افریقہ کی بانتو (۶) امریکی (۷) ملایا (۸) ہند یورپی۔ ان کی تفصیل کچھ یوں بنتی ہے۔

(۱) سامی:

اس میں عبرانی، فنیقی، عاشوری اور قدیم شام اور بابل کی وہ زبانیں شامل ہیں جو اب ناپید ہو چکی ہیں۔ موجودہ دور میں عربی اور افریقہ میں چند حبشی زبانیں اس کی نمائندگی کرتی ہیں۔

(۲) ہند چینی:

اس میں چینی سیامی (اس سلسلے کی سات زبانیں) تبتی (ہمالوی اور اس سلسلے کی تمیس زبانیں) اور برمی معہ چھبیس زبانوں کے شامل ہیں۔

(۳) دراوڑی:

تامل۔ تلگو، ملیالم، کنٹری ہندوستان میں، پاکستان میں براہوی۔

(۴) مونڑا:

اس میں ہندوستان کی گونڈ، سنتھال، منڈلی، راج محل، اور سنبھل پوری۔

(۵) بانتو:

افریقہ کی ایک سو پچاس زبانیں۔

(٦) امریکی ریڈ انڈین قبائل:

متعدد ریڈ انڈین قبائل کی زبانیں، ان میں سے بعض اب ان قبائل کے ساتھ ہی ناپید ہو چکی ہیں۔

(۷) ملایا:

اس علاقے کی متعدد زبانیں۔

(۸) ہند یورپی:

زبانوں کے اس عظیم سلسلے کو آریائی اور ہند جرمانی بھی کہتے ہیں ۔ ہندوستان کی بیشتر بڑی زبانوں کے علاوہ یورپ کی تمام اہم زبانیں جیسے :انگریزی، جرمن فرانسیسی، اطالوی اور کیلٹک زبانیں۔

لسانی اشتراک کا مغربی نظریہ:

بعض مغربی ماہرین لسانیات اس بات کے قائل ہیں کہ یقیناً ابتداء میں کوئی ایک زبان ہوگی۔ اس ضمن میں یہ بنیادی دلیل دی جاتی ہے کہ پہلے پہل انسان نے کسی ایک خطہ ارض پر مل جل کر رہنا شروع کیا۔ بعض ماہرین کے نزدیک یہ آرین تھے۔ جنہوں نے پہلی مرتبہ ایک سماج کی صورت میں رہنا شروع کیا اور انہی کو موجودہ یورپ کی اقوام کا جدامجد سمجھا جاتا ہے۔(یہ مغربی فلاسفہ کا ذاتی خیال ہے، اس کے ذریعے وہ اپنی قومی اور نسلی برتری ثابت کرنا چاہتے ہیں۔)

بہر حال آریوں کی جو بھی حیثیت ہو، آج سے ہزاروں برس پہلے جب وہ دریائے ڈینوب (موجودہ جرمنی) سے نکلے تو انہوں نے دوگروہ کی صورت میں مختلف ممالک کا رخ کیا ،کچھ ہندوستان پہنچے تو کچھ یورپ۔ مختلف ممالک میں آباد ہو جانے کے بعد وہاں کے مخصوص جغرافیائی ماحول اور سماجی تغیرات کے نتیجے میں، وہ خود اور ان کی زبان یوں بدلی کہ ماضی بعید کے بھائیوں سے کوئی رابطہ نہ رہا۔ جدید لسانی محققین اب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جرمنی، لاطینی، یونانی، سنسکرت اور اوستا کی اصل ایک ہی ہے۔ ان زبانوں کے خاندان کو "Indo Europian"

یا ''Indo Germanic'' کہتے ہیں۔ زمانی بعد کے باوجود آج بھی ان زبانوں میں لسانی اشتراک کی کچھ صورتیں نظر آجاتی ہیں، جیسے اردو، سنسکرت، فارسی، یونانی اور لاطینی کے یہ مشترک الاصل الفاظ بطور مثال درج ذیل ہیں:

اردو	سنسکرت	فارسی	یونانی	لاطینی
ماں	ماتر، ماتا	مادر	میتر	ماتر
باپ	پیتر، پتا	پدر	پاتر	پیتر
بھائی	بھراتر	برادر	بھراتر	فراتر
بیٹی	دوہتر	دختر	تختر	تختر
دانت	دانت	دندان	دنتوس	دنیت
پاؤں	پد	پا	پاؤس	پیس
چھ	شش	شش	ہیکس	سیکس
سات	سبت	ہفت	ہپت	ہپتم
آٹھ	اشٹ	ہشت	اکتو	اوکتو

اردو زبان کی قدیم تاریخ ص ۲۰

لسانی اشتراک کا یہ تصور دراصل اساطیر کے ''واحد اسطور'' Mono Myth کے متوازی نظریہ ہے یعنی دنیا میں ابتدا میں صرف ایک ہی اساطیر تھی اور بقیہ اس سرچشمے سے پھوٹی ہیں لیکن علم الانسان سے اس لسانی اشتراک کی قطعی توثیق نہیں ہوتی مثلاً اب یہ قطعی طور پر ثابت کیا جاچکا ہے کہ ہندوستان میں آریوں کی آمد سے پہلے دراوڑ اور ان سے بھی پہلے ''منڈا'' آباد تھے اور اس زمانے کے لحاظ سے متمدن تھے۔ وہ بستیوں میں رہتے تھے نیز عمارت سازی اور زراعت سے واقف تھے، اب یہ الگ بات ہے فاتح آریوں نے انہیں جنوب کی طرف دھکیل دیا۔ خود کو اعلیٰ نسل قرار دے کر انہیں شودر، ملیچھ اور راکھشش بنا کر سماجی لحاظ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پس ماندہ بلکہ

راندہ درگاہ بنادیا۔

آریوں کی آمد سے قبل اس خطے میں منڈا اور دراوڑی زبان کا چلن تھا یہی نہیں اب تو ماہرین کا ایک ایسا گروہ بھی ملتا ہے جن کی دانست میں خود ''اردو'' نے بھی دراوڑی سے ہی جنم لیا ہے۔ان حالات میں ''لسانی اشتراک کا نظریہ زیادہ سے زیادہ جزدی طور پر صحیح ہوسکتا ہے۔''

ہمارے لیے اردو ہی کیوں؟

لفظ جو منہ سے ادا ہوتا ہے محض ایک لفظ تو نہیں ہوتا۔ ہر لفظ ایک خاص تہذیب، تاریخ، ثقافت، روایت اور علمیت کی امانت اٹھائے ابلاغ کے سفر میں ہوتا ہے۔ ہر بول محض ایک آواز یا تحریر کا نقش نہیں ہوتا بلکہ اس کی ایک مابعد الطبیعاتی اساس ہوتی ہے۔اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی تصور خیر یا تصور شر وابستہ ہوتا ہے اور جب کوئی لفظ کسی بولی یا زبان سے نکلتا ہے تو صرف ایک لفظ خارج نہیں ہوتا بلکہ اس لفظ سے جڑی ایک روایت اور ایک حقیقت بھی اس زبان کے بولنے والوں سے رخصت ہو جاتی ہے۔ ''سفل دان'' کا لفظ اردو زبان میں اب استعمال نہیں ہوتا۔ یہ لفظ متروک ہو چکا ہے۔ سفل دان دسترخوان پر رکھے اس برتن کو کہا جاتا تھا جس میں ہڈیوں کو چوسنے کے بعد اس کا چورہ ڈال کر اوپر سے ڈھکن بند کر دیا جاتا تھا۔آج ''سفل دان'' کا لفظ اردو بولنے والوں کی زبان سے غائب ہو چکا ہے تو صرف یہ لفظ ہی غائب نہیں ہوا بلکہ وہ برتن بھی مارکیٹ سے غائب ہو چکا ہے جسے سفل دان کہا جاتا تھا۔

آکسفرڈ یونیورسٹی پریس سے شائع ہونے والی زبیدہ مصطفیٰ کی کتاب ''The tyranny of language in education'' ہمیں پاکستان میں قومی زبان اردو اور علاقائی زبانوں سے لوگوں کی لاتعلقی کی نئی جہت سے آگاہ کرتی ہے۔ان کی تحقیق کے مطابق 2013ء کے گیلپ سروے کے مطابق پاکستان کے چاروں صوبوں کے لوگوں کی اکثریت جو انگریزی زبان سے واقف نہیں یا کم واقفیت رکھتی ہے، ان کی خواہش ہے کہ ان کے بچوں کو ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ درجوں تک انگریزی میں تعلیم دی جائے۔قومی زبان اردو اور مقامی زبانوں میں ہرگز تعلیم نہ دی جائے۔زبیدہ مصطفیٰ نے لکھا ہے کہ ماں باپ اور بچوں کی زبان بالکل الگ ہوگئی ہے۔انگلش اور

اردو کا عجیب وغریب مرکب (Compound) تیار ہو رہا ہے۔ اگر یہ آمیزہ (Mixture) ہوتا تو شاید کبھی دونوں کو الگ کیا جا سکتا۔ نئی مخلوط زبان نہ اردو ہے نہ انگلش بلکہ ارلش (Urlish) ہے۔

قومی زبان سے ہماری یہ دوری ہمیں اپنی تاریخ، تہذیب اور قومی ورثے سے کاٹ رہی ہے۔ اخبارات، میڈیا، ٹی وی، اشتہارات اردو کے بہترین الفاظ استعمال کرنے کے بجائے ان کے غیر معروف انگریزی متبادل استعمال کر رہے ہیں۔ کچھ عرصے بعد ان انگریزی الفاظ کے اردو متبادل خود بخود لوگ بھول جائیں گے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہماری زبان کے بہترین الفاظ سے جڑی شاندار روایتیں بھی دم توڑ جائیں گے اور انگریزی الفاظ کے داخل کیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اب ایسی روایات، اقدار اور رویوں کو اپنانا پڑے گا جو ہمارے تمدن، جغرافیے، مزاج، رہن سہن اور ثقافت سے بالکل میل نہیں کھاتی۔ اگر ہم اپنی زبان سے کٹ رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی تاریخ سے کٹ رہے ہیں اور اپنی تاریخ سے منقطع لوگ اس سر سبز درخت کی طرح نہیں ہوتے جس کی جڑیں اپنی زمین میں پیوست ہوتی ہیں اور جس پر پھل پھول لگتے ہیں۔ بلکہ وہ اس ''منی پلانٹ'' کی طرح ہیں جو دیوار پر شیشے کی ایک بوتل میں پانی کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ کیا پانی میں بنائے گئے اور پانی پر لکھے گئے نقوش ہمیشہ باقی رہ سکتے ہیں؟

زبان اور لباس تہذیب کی دو علامتیں ہیں۔ آج ہم ان دونوں علامتوں سے محروم ہو رہے ہیں۔ ان سوالوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا انگریزی زبان دنیا کی تمام زبانوں کے لیے واقعتاً ایک سنگین خطرہ بن چکی ہے؟ کیا تعلیم، روزگار، کاروبار اور صنعتی اداروں کی انگریزی سے وابستگی کے نتیجے میں دنیا بھر میں ایک تہذیب، ایک ثقافت، ایک جیسا طرز فکر اور ایک جیسی سوچ پیدا ہو رہی ہے جس نے تنوع (Diversity) کو ختم کر دیا ہے؟ امریکہ کے ممتاز تاریخ دان جیرڈ ڈائمنڈ Jared Diamond نے اپنی کتاب The world until yesterday کے دسویں باب Speaking in many toungues میں لکھا ہے کہ زبانیں جس تیز رفتاری سے مٹ رہی ہیں اگر یہ رفتار جاری رہی تو 2100 ویں صدی کے اختتام تک 95 فیصد زبانیں ختم ہو جائیں گی اور انسان ہزاروں سال کی تاریخ و تجربات کی منتقلی کے ایک مستند ذریعے سے محروم ہو جائے گا۔

ہر 9 ویں دن دنیا سے ایک زبان ختم ہو رہی ہے۔ وہ زبانوں کے تحفظ کا طریقہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں ۔"کیا آپ کو یہ خیال متاثر کرے گا کہ جس قدر جلد ممکن ہو پوری دنیا انگریزی بولنا ترک کر دے؟"

زبانوں کے اس قدر تیزی سے مٹتے ہوئے تناظر میں ضروری ہے کہ ہماری قومی زبان جو آہستہ آہستہ "منی پلانٹ" بنتی جا رہی ہے۔اس کی جڑیں پھر سے اپنی زمین میں پیوست کر دی جائیں تا کہ وہ اپنے لکھنے بولنے والوں کے لیے ایک ایسے سرسبز درخت کا روپ دھار لے، جس کی ٹھنڈی گھنی چھاؤں میں تہذیب و ثقافت، تاریخ و تمدن اور علوم و فنون کے قافلے پڑاؤ ڈالنے لگیں اور وطن عزیز علمی اور عملی دونوں میدانوں میں اقوام عالم کے لیے قائدانہ کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔

فن صوتیات کیا ہے؟

صوتیات الفاظ سے وابستہ اصوات کے مطالعہ کا علم ہے۔صوتیات میں آواز کی ان تبدیلیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو حرف اور لفظ کی ادائیگی کے وقت وقوع پذیر ہوتی ہے۔زبان کے اجزائے ترکیبی میں صوتی عنصر کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔کیونکہ اس کی بدولت وہ اظہار و ابلاغ کا ذریعہ بنتی ہے۔

صوتیات کی قدیم اور جدید روایات:

مغرب میں صوتیات کا فن ایک جدید روایت ہے۔جبکہ اس سے پہلے فن صوتیات کی تین اہم اور قدیم روایتیں موجود تھیں۔صوتیات کی تعریف جاننے کے بعد اب ہم اس فن کی قدیم اور جدید روایات کا جائزہ لیتے ہیں۔

مغرب میں صوتیات:

مغربی لسانیات میں انیسویں صدی میں صوتیات کو اہمیت ملنی شروع ہوئی۔ کے،ایم،راپ (K.M.RAPP) نے اپنی کتاب "تاریخ لسان کی اساس...... اصوات کی ماہیت و گروہ بندی کا عضویاتی و نامیاتی جائزہ" میں پہلی بار یونانی، لاطینی اور گاتھک کے حروف کے مخارج اور اصوات

کی صیغوں اور صوت نگاری کی طرف توجہ دی۔ گرم (GRIMM) انیسویں صدی کے آغاز میں نظریہ حروف کے ذیل میں صوتی تبادل کا ذکر چھیڑتا ہے۔ بعض مغربی علماء لسانیات کے خیال میں مغربی لسانیات نے قدیم ہند کی لسانی روایت سے صوتیات کے اثرات زیادہ تر قبول کیے ہیں۔ سنسکرت اصوات کی گروہ بندی اور کچھ اہم اصطلاحات مغربی صوتیات کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ برطانوی عالم لسانیات جی۔ آر فرتھ کی رائے یہ ہے کہ ولیم جونز نے قدیم ہند کے جن قواعد نویسوں اور ماہرین صوتیات سے ہمیں روشناس کرایا ہے ان کے بغیر ہماری انیسویں صدی کی صوتیات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وھٹے اور لیپسیس (LEPSIUS) نے سنسکرت ماہرین صوتیات کے مباحث سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ جرمن ماہرین لسانیات نے با صدا (VOICED) اور بے صدا (UNVOICED) اصوات میں تفریق و تمیز سنسکرت قواعد دانوں سے بالواسطہ سیکھی ہے۔

(صوتیات قدیم ہند میں)

صوتیات کی تین اہم روایتیں:

مغربی صوتیات سے پہلے تین اہم روایتیں موجود ہیں۔

☆قدیم ہند کی روایت ☆یونانی روایت ☆عربی روایت

قدیم ہند کی روایت:

اس روایت کا تعلق ویدک اور سنسکرت سے ہے۔ قدیم ہند میں سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والے ویدک، بھجنے، حمدیہ اور دعائیہ مصرعے، اشلوک اور منتر جس زبان میں تھے وہ مروجہ نہیں رہی تھی۔ دوسری ارتقاء پذیر زبانوں کے صوتی نظام کچھ مختلف تھے۔ اس لیے عبادت کی رسوم بجالاتے وقت مقدس متن (TEXT) کے ادا کرنے میں غلطیاں ہوسکتی تھیں اور ہوتی بھی تھیں۔ متن کے تقدس کو محفوظ رکھنے اور عبادت کا حق ادا کرنے کے لیے تلفظ کی صحت برقرار رکھنا لازمی تھا، چنانچہ زبان کے قواعد وضوابط کی تدوین، مخارج ادا اور اجراء اصوات کے طریقوں کی وضاحت کی طرف توجہ دی گئی۔ جس کے نتیجے میں گرائمر اور صوتیات نے فروغ پایا۔ سنسکرت کے صوتی کارناموں کو دو

زمروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) پراتشا کھیوں (Pratisa Kyas) دوسرا شکشاؤں (Siksas) پہلے میں چاروں ویدوں کے متن (Texts) کے تلفظ کے مباحث ہیں۔ جب کہ دوسرے زمرے میں کسی مخصوص وید کے متن کے مباحث ہیں اور یہ برائے نام ہیں۔ البتہ پراتشا کھیوں کی تفصیل زیادہ ملتی ہے۔ ان تمام شکشاؤں میں کلموں کے تلفظ، حروف کے مخارج اور طریقہ ادا کے اختلافات ملتے ہیں۔ اصل مقصد متن کی زبانی منتقل ہونے والی روایت کو محفوظ رکھنا تھا۔ کیونکہ تلفظ کی غلطی دوزخ کا ایندھن بنا سکتی تھی۔

لسانی اکائی:

قدیم سنسکرت قواعد داں، جملے کو لسانی اکائی قرار دیتے تھے۔ ''بھرتر ہری'' کے خیال میں صوتی اکائی کے اندر اجزائے ترکیبی کا کلموں کے اندر صوتی اکائیوں کا اور جملوں کے اندر کلموں کا اپنا علیحدہ وجود نہیں۔ صوتی توضیحات کے لیے ایک ''پران بھاؤ'' بنیادی اکائی ہے۔ ایک پران بھاؤ ویدک منتر کی پوری سطر یا مصرعہ ہے۔

اجزائے آواز:

سنسکرت صوتیات میں اجزائے آواز کے عمل کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) ابھینتر پریتن:

انگریزی اصطلاح میں Intrabuccal کہہ سکتے ہیں۔ اس میں وہ اصوات شامل کی گئی ہیں جو منہ بند کرنے، کھولنے اور ضیق یا تنگی سے تشکیل پاتی ہیں۔

(۲) باہیہ پریتن:

اجزائے آواز کی اس قسم میں حلقی باصدا اور بے صدا، ہائیہ اور انفی آوازیں شامل ہیں۔

آواز کے پانچ حلقے:

''تیتریہ پراتشا کھیہ'' میں آواز کے پانچ حلقے بتائے گئے ہیں۔

(۱) منہ (۲) حلقوم (۳) ناک کا بانسہ (۴) سینہ (۵) سر

باصدا اور بے صدا آوازیں:

قدیم سنسکرت صوتیات کے ماہرین آوازوں کو گھوش وت (Voiced) باصدا اور اگھوش وت (Un voiced) بے صدا میں تقسیم کرتے ہیں۔

غنہ کرنا:

سنسکرت میں اجرائے آواز کے دوران غنہ کرنے کا عمل بھی موجود ہے جسے انوناسک کہا گیا ہے۔اور بتایا گیا ہے کہ ناک کے بانسے کے کھل جانے سے انوناسک آواز پیدا ہوتی ہے اور اس کا اطلاق میم اور نون پر ہوتا ہے۔

ادغام کرنا:

سنسکرت صوتیات میں آوازوں کے اتصال و ادغام کا عمل بھی موجود ہے اور اس کی مختلف نوعیتوں کے لیے ''سندھی'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

صوت کی تشکیل کے چار مدارج:

سنسکرت شعریات'' کے مولف عنبر بہرائچی کے بموجب ''سنسکرت شعریات میں نظریہ صوت کو باقاعدہ پیش کرنے کا کارنامہ آچاریہ آنند وردھن نے نویں صدی عیسویں کے وسط میں اپنی مشہور تصنیف دھونیالوک کے ذریعہ انجام دیا...... دھونیالوک کے آغاز میں ہی آنند وردھن نے ایک اہم جملہ کہا ہے۔شعر کی روح دھون یعنی صوت ہے۔

دھون (صوت) کے سلسلے میں ودوانوں نے خاصی نکتہ طرازی کی ہے۔آچاریہ آنند وردھن نے جسم میں صوت کی تشکیل کے چار مدارج یا درجات کا ذکر کیا ہے:

(۱) پراواک:

ہوا کی طاقت سے شکم میں کلام کا آغاز ہوتا ہے۔اسے ''پراواک'' کہا جاتا ہے۔

(۲) پشینی واک:

ناف کے نزدیک جب کلام پہنچ کر آگے بڑھتا ہے تو اسے ''پشینی واک'' کہا جاتا ہے۔

(۳) مدھیما واک:

دل کے نزدیک جب کلام پہنچ کر آگے بڑھتا ہے تو اسے ''مدھیما واک'' کہا جاتا ہے اور اسی کو ''سپھوٹ'' بھی کہا جاتا ہے۔

(۴) ویکھری واک:

جب کلام قلب سے آگے بڑھ کر زبان، تالو اور حلق سے ٹکراتا ہوا باہر ظاہر ہوتا ہے تو اسے ''ویکھری واک'' کہا جاتا ہے۔

سپھوٹ کی حالت یعنی ''مدھیما واک'' کی حالت میں سبھی لفظوں کے معانی ایک ہوتے ہیں لیکن وہ مختلف اصوات کے ذریعے مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی لیے سنسکرت صرف ونحو میں ''ویکھری واک'' ہی کو ''دھون'' کہا گیا ہے۔ ''مدھیما واک کی حالت میں سبھی لفظوں کے معانی ایک ہوتے ہیں لیکن وہ مختلف اصوات کے ذریعہ شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔'' یعنی یہاں بھی ہونٹوں، تالو اور حلق کی کارکردگی کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو سادہ صوت کو حروف کی شکل دیتی ہے۔

دائمی اور عارضی لفظ کی بحث:

''آنند وردھن'' سے قبل قدیم ہندوستانی فلسفے کے میدان میں ''قوت لفظ'' کے بارے میں کافی غور خوض کیا جا چکا تھا اور سنسکرت صرف ونحو کے ماہرین نے بھی قوت لفظ پر کافی غور خوض کیا تھا اور انہوں نے پایا کہ حرف اور جزو کا فرق زبانی ادائیگی کے فوراً بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان کا زمرہ خلق نہیں ہو پاتا جبکہ صورت حال یہ ہے کہ اخذ معنی کے لیے زمرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ چاہے وہ حرف کا زمرہ ہو چاہے جزوں کا...... متکلم جو لفظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اس کے سارے حروف کو ایک ساتھ ادا نہیں کر سکتا مثلاً لفظ ''تاب'' کو ادا کرنے میں متکلم سب سے پہلے ''ت'' کو ادا کرے گا۔ واضح رہے کہ جس وقت وہ ''ب'' کو ادا کرے گا تو اس وقت ''ت'' اور ''ا'' کی ادئیگی موجود نہیں رہے گی۔ ''ت''، ''الف'' اور ''ب'' ادا ہوتے ہی فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملنے کا انتظار کیے بغیر اپنا وجود غیاب میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ اس لیے سنسکرت صرف ونحو کے علماء نے انہیں

عارضی یا لحاتی مانا اور اس کے مقابلے میں ایک دائمی لفظ کا تصور پیش کیا جس سے معنی اخذ ہو۔ اسی لفظ کو انہوں نے ''سپھوٹ'' کا نام دیا۔ اس پر اولین اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب زبان سے ادائیگی کے وقت انفرادی طور پر ہر ہر حرف فضا میں تحلیل ہوتا جاتا ہے تو پھر مکمل لفظ کے معنی کا ادراک کیسے ممکن ہو گا۔ اس کے جواب میں یہ کہا گیا:

''لفظ کا ہر حرف ادا ہوتے ہی فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے تو اگرچہ درست معلوم ہوتا ہے لیکن وہ غائب ہونے پر ہی سامع کے قلب و ذہن پر اپنے اثرات مرتب کر جاتا ہے کیونکہ سامع نے لفظ کے ہر ہر حرف کو سنا ضرور ہے اس لیے ہر لفظ کے ہر حرف کی بتدریج سماعت لفظ کے معنی کا ادراک کراتی ہے۔ ظاہر ہوا کہ لفظ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک دائمی اور دوسرا عارضی۔ دائمی لفظ ظاہر نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ ہمارے قلب میں موجود رہتا ہے جبکہ عارضی لفظ ظاہر ہوتا ہے اور اسے زبان سے ادا ہوتے ہی فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ تربیت یافتہ دائمی لفظ عارضی لفظ کے خصوصی ٹکراؤ سے جاگ پڑتا ہے۔ یہی عمل ہی سپھوٹ ہے جسے دھون بھی کہا جاتا ہے۔''

قدیم ہند کی صوتیات کے مختلف تجزیوں سے جو صوتیاتی خاکہ تیار ہوتا ہے اس کے پیش نظر ماہرین کا کہنا ہے کہ سنسکرت صوتیات میں آوازوں کا تجزیہ، ان کے مخارج، طریقہ ادا کی وضاحت، گروہ بندی، لہجہ اور آہنگ (P r o s o d y) مغربی ماہرین لسانیات کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سنسکرت صوتیات کا امام، ''پانینی'':

سنسکرت صوتیات میں پانینی (Paneny) کو اہم مقام حاصل ہے۔ اس نے نہ صرف اصول مرتب کیے بلکہ صوتیات کی تعریف و تشریح میں جو تصریحات کیں وہ آج بھی کارآمد ہیں۔ پانینی نے ۳۰۰ قبل مسیح لاہور میں جنم لیا۔ اشوک کے عہد کی ٹیکسلا یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ اسے سنسکرت زبان کا سب سے بڑا عالم اور گرائمرین تسلیم کیا جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر ابواللیث صدیقی: ''وہ ماہر لسانیات جس نے اردو کی صوتیات کا علمی تجزیہ کیا، پانینی ہے جو ٹیکسلا کا رہنے والا تھا۔'' جدید ماہرین لسانیات نے تسلیم کیا ہے کہ صوتیات کے بہت سے بنیادی اصول جن کو آج بھی جدید

لسانیات کی تشریح اور تفہیم کے سلسلے میں اختیار کیا جاتا ہے، پانینی کے مرہون منت ہے۔

یونانی صوتیات:

قدیم یونانی صوتیات کی روایتوں کا تعلق اسکندریائی دور سے ہے۔ لیکن صوتیات کی یہ روایتیں بے نام ہیں۔ افلاطون نے باصدا آوازوں میں تفریق ضرور کی ہے اور ارسطو اور تھریکس نے باصدا یا مجہورہ (Sonant or Voiced) اور نیم باصدا (Half Voiced) آوازوں کا تذکرہ کیا ہے۔ تھریکس نے جاریہ (Liquid) اصوات کی مثالیں بھی دی ہیں۔ لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ ان سب نے زبان کا صوتیاتی تجزیہ کر کے مخارجِ اصوات اور طریق اجراء کی توضیح و تشریح اور درجہ بندی نہیں کی ہے اور اس سلسلے میں زینو اور ارسطو نے جن ذہنی اعمال کا ذکر کیا ہے وہ سرسری اور مبہم سے ہیں۔

عربی صوتیات:

قرونِ وسطیٰ میں علمائے تجوید نے عربی حروف کے مخارج سے مفصل بحث کی ہے۔ مشہور عربی قواعد دان الخلیل بن احمدؒ نے عربی کی تکلمی آوازوں کی صوتی اور لسانیاتی درجہ بندی کی ہے جب کہ علامہ سیبویہ اور علامہ زمخشری عربی صوتیات کے مستند علماء سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بوعلی سینا اور ابن جنی جیسے حضرات نے بھی صوتیات پر کام کیا ہے۔

حضرات علماء اور قراء کرام کی خدمات:

مسلمان علماء کرام اور قراء حضرات نے قرآن پاک کی خدمت کے حوالے سے صوتیات پر ایسا شاندار، عظیم اور بے مثال کام کیا ہے کہ جو کسی دوسری زبان کی صوتی روایت میں نہیں ملتا۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ معروف مغربی ماہر صوتیات K.I.Samaan نے ”امام سیبویہؒ“ کی تقسیم حروف کا تقابل ”گارڈنر اور جونز“ کی درجہ بندی سے کرتے ہوئے جو رائے ظاہر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی ماہرین لسانیات نے بیسیوں صدی میں عربی تکلمی آوازوں کی جو درجہ بندی کی ہے مسلمان علمائے تجوید آٹھویں صدی عیسوی میں ہی وہ درجہ بندی کر چکے تھے۔

		امام سیبویہ	گاڈنر اور جونز
حلقی	Glottal	ہمزہ/ہ	ہمزہ/ہ
حلقوی	Pharyngal	ع/ح	ع/ح
لہاتی	Uvular	ق	ق
غشائی	Volar	ک	ک
حنکی	Palatal	خ/غ	خ/غ
لثوی	Alveolar	ش/ن	ش/ن
غشائی لثوی	Velar Alveolar	ط/ظ/ص/ض	ط/ظ/ص/ض
اسنانی	Dental	ت/د/ث/ذ/ل	ت/د/ث/ذ/ل
لب دندانی	Labio Dental	ف	ف
شفوی	Labial	ب/م	ب/م

اسلامی علوم میں صوتیات/فن تجوید وقرأت:

اسلامی علوم میں صوتیات کا مطالعہ فنِ تجوید وقرآت کے ضمن میں بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ جس میں حضرات قراء کرام، علماء کرام اور اساتذہ فن کی محنت، لگن اور تحقیق یقیناً صوتیات کی تمام روایات کے محققین کو حیران کرسکتی ہے لیکن فنِ تجوید وقرات کا مقصود چونکہ کلام اللہ کی خدمت ہے اس لیے آغاز اسلام ہی سے اس فن کا اپنا ایک مخصوص دائرہ اور تمام کاوشوں کا مرکز ذات باری تعالیٰ کا کلام عظیم رہا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حوالے سے دلچسپی رکھتا ہے تو فنِ تجوید وقرآت کے کسی ماہر استاد اور صاحب فن سے رہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔

فن صوتیات کی بنیادی اصطلاحات:

حرف صامت = (Consonent) حرف مصوت = (Vowel)

☆دوہر امصوتہ(Diphthongs) ☆انفی مصمتہ(Nasal Consonent)

☆کثیر الاستعمال مصمتہ(High Ranking Consonant)

☆ہکاری(Aspirated) ☆کوزی(Retroflex)

☆غیر مسموع(Voice less) ☆مسموع(Voiced)

☆صفیری(Fricative) ☆صوتی حس(Euphony)

☆صوتی جمالیات(phono Aesthetic) ☆مصمتی تکرار(Consonance)

☆آہنگ(Rhythm) ☆رکن صوت(Syllable)

☆صوتی علامت(Sound Symbolism) ☆انفی آواز(Nasal Sound)

☆سسکار آواز(Sibilant) ☆آواز کی علامات(Semantics)

☆صوتیات(Phoneme) ☆صوتیہ(Phonology)

☆آواز کی نوعیت(Semiotics)

مندرجہ بالا اصطلاحات میں سے بعض تو واضح ہیں لیکن کچھ اصطلاحات کی وضاحت کی ضرورت ہے:

مصوتہ(Vowel):

حلق سے ہوا(سانس) کے بلا روک ٹوک گزرنے سے جو آواز پیدا ہوگی اسے مصوتہ(Vowel) کہتے ہیں۔

انفی(Nasal):

جب ہوا صرف ناک سے خارج ہو کر آواز پیدا کرے تو وہ انفی (Nasal) ہوگی (جیسے م اور ن کے راستے سے "غنہ" کرنا)

صفیری(Fricative):

سانس کے تنگ راستے سے پیدا ہونے والی آواز صفیری(Fricative)(ف، و، ز، خ، غ، س، ح، ش) کہلاتی ہیں۔

مصمتہ(Consonent):

مصوتہ کے برعکس حلق سے ہوا کے اخراج میں کسی طرح کی رکاوٹ ہو تو اسے مصمتہ (Consonent)(ل،ی،م) کہتے ہیں۔

ہکاری(Aspirated):

جب کسی مصمتے کی ادائیگی میں پھیپھڑوں پر ضرورت سے زیادہ زور پڑے تو اسے ہکاری (Aspirated) کہتے ہیں (اردو میں دوچشمی ھ والے تمام الفاظ ہکاری ہیں)

کوزی:

ٹ، ڈ، کوزی آوازیں ہیں۔ جبکہ سرائیکی، سندھی اور امریکی زبان میں یہ خاص پلٹے دار آواز کہلاتی ہے۔ جیسے سرائیکی میں "ڈوں" اپنے اصل تلفظ کے ساتھ پلٹے دار آواز ہے۔

صوتیات کی اساس:

عام انسان ہو خطیب، شاعر یا ادیب، گفتگو، تقریر یا تحریر میں شعوری طور سے کسی کو بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ جو الفاظ استعمال کر رہا ہے یا جن الفاظ سے وہ تخلیق کا جادو جگا رہا ہے ان کی نوعیت کیا ہے۔ یا ان کی ادائیگی میں سانس کس طرح سے خارج ہوتی ہے۔ تالو کیا کردار ادا کرتا ہے۔ اور پھیپھڑے کتنا زور لگاتے ہیں جبکہ صوتیات کی اساس ہی ان امور پر استوار ہے۔

صوت (آواز) کس طرح پیدا ہوتی ہے؟

طبیعاتی طور پر آواز تین مراحل میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے جاننا چاہیے کہ زبان صرف ابلاغ کا حق ادا کرنے والی مربوط آوازوں کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اعصابی، عضلاتی اور طبیعاتی اعمال و کیفیات کا ایک پیچیدہ نظام بھی ہے۔ جو انسان کے نظام عصبی سے براہ راست منسلک ہے۔ نظام عصبی اعصاب کے بہت سے خلیوں اور ان کے مجموعوں سے مرکب ہوتا ہے۔ اور ہر مجموعے کے مخصوص وظائف (functions) ہوتے ہیں۔ مثلاً دماغ کا ایک حصہ آنکھوں کے ذریعے سے تاثر قبول کرتا ہے۔ دماغ کا دوسرا حصہ کانوں کے ذریعے سے تاثر لیتا ہے۔ جبکہ دماغ کے بقیہ حصے دوسرے حواس کے وسیلے سے اثرات قبول کرتے ہیں۔

دماغ کے ہر حصے سے باریک دھاگوں کی صورت میں اعصاب چاروں طرف پھیلے ہوتے ہیں جو براہ راست جسم کے تمام عضلات تک رسائی رکھتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد ہم آواز کی پیدائش کے پہلے مرحلے کو سمجھنا شروع کرتے ہیں۔

پہلا مرحلہ

انسان کے نظام عصبی میں دماغ یا مرکز عصبیہ کے علاوہ ذہن سے تعلق رکھنے والے اور بھی اعضا ہوتے ہیں، جنہیں "نخاع" کہتے ہیں۔ یہ حس وحرکت کی قوت کے مبدا ہوتے ہیں۔ ان میں حس وحرکت کی قوتیں پیدا ہوتی ہیں، جو باریک اعصابی دھاگوں کے ذریعے سے جسم کے تمام عضلات تک پھیل جاتی ہیں۔ جب ہم کسی خیال یا تصور یا احساس کے اظہار کے لیے اسے گویائی میں لانا چاہتے ہیں تو شعوری یا غیر شعوری طور پر "نخاع" میں ایک قسم کا عصبی فعل مرتب ہوتا ہے۔ نخاع ہی ان عضلات پر قابو رکھتا ہے جن کی حرکات وسکنات ہی سے مطلوبہ تکلمی آوازیں وضع کرنے میں مدد ملتی ہے۔ علماءِ عضویات کا یہ خیال ہے کہ یہ عمل دراصل عصبی خلیوں میں ہونے والا کیمیائی عمل ہے اور عضلات تک پہنچ کر یہ عصبی عمل گویائی کا پہلا مرحلہ بن جاتا ہے۔ عضلاتی خلیوں میں جو کیمیائی عمل ہوتا ہے اس کے نتیجے میں عضلات حرکت میں آجاتے ہیں، ان میں فشار پیدا ہوتا ہے یا دباؤ اور سکڑن۔ متحرک عضلات اپنے متعلقات کو بھی کھینچتے ہیں۔ عملاً کولہے کے اوپر کے تمام عضلات کسی نہ کسی نطق یا گویائی سے متعلق ہو جاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی ایسا وظیفہ (Function) سرانجام دیتے ہیں جو آواز کی پیدائش میں تھوڑی بہت مدد دے سکے۔

جیسے:

(۱) پیٹ اور سینے کے عضلات:

پیٹ اور سینے کے عضلات، امواج نفس یا سانس کے بہاؤ پر قابو رکھتے ہیں۔

(۲) حلق اور نرخرے کے عضلات:

حلق اور نرخرے کے عضلات اصوات کے توازن اور آہنگ کے زیر و بم پر قابو رکھتے ہیں۔

(۳) سر اور گردن کے عضلات:

سر اور گردن کے عضلات، جبڑوں، زبان، ہونٹوں وغیرہ کی حرکت پر کنٹرول رکھتے ہیں تا کہ آوازوں میں ضرورت کے مطابق اعتدال وتناسب قائم رہے۔

دوسرا مرحلہ

ان حرکات وسکنات سے گویائی کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے۔جس میں تین کام ہوتے ہیں:

(۱) صوتی لہروں کی پیدائش:

پھیپھڑوں سے نکل کر منہ، ناک یا دونوں گزرگاہوں سے خارج ہونے والی سانس کے عناصر جنہیں ہم ہوائی ذرے کہہ سکتے ہیں، باہر آ کر باہر کی ہوا میں ہلکا سا تموج پیدا کرتے ہیں اور تکثیف (CONDENSATION) اور تکسیر (RARE FACTION) کے عمل سے صوتی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ مرحلہ طبیعاتی ہوتا ہے، اس لیے اس کے منصب ووظائف (Functions) ہر لحاظ سے آواز کی طبیعات کے اصول سے مطابقت رکھتے ہیں۔

(۲) صوتی لبوں کا عمل:

انسان کے گلے کے حجرے میں صوتی لب (Vocal chords) ہوتے ہیں۔ باہر آنے والی سانس ان کے درمیان سے گزرتی ہے۔ اگر صوتی لب جدا یا کشادہ ہوتے ہیں تو پھیپھڑے سے آنے والی سانس بغیر کسی رگڑ یا تصادم کے باہر آتی ہے، لیکن اگر صوتی لب ملے ہوئے یا بند ہوں تو سانس کے اخراج میں کچھ رکاوٹ ہوتی ہے۔ پہلی صورت کے نتیجے میں جو صوتی لہر یا آواز پیدا ہوتی ہے وہ دوسری صورت میں پیدا ہونے والی آواز سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح زبان کے دانت، ہونٹ اور تالو وغیرہ سے لمس کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔

(۳) ارتعاش:

صوتی لہروں سے کان کی اندرونی سطح پر بچھے ہوئے عصبات کے اردگرد ویسا ہی ارتعاش ہوتا ہے جو کان میں گونج کو موزوں اعضائے حواس پر عمل مرتب کرتا ہے۔ یہ عمل سامع کے

اعصاب کے لیے مہیج سے کم نہیں۔ یہ عصبی عمل اعصاب کے ذریعے سے سامع کے دماغ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

تیسرا مرحلہ/صوتی علامتوں کا کشف (Decode):

جب کان کے پردے سے دماغ کے خلیوں تک اعصاب حرکت میں آجاتے ہیں تو یہاں سے تیسرے مرحلے کی ابتدا ہوتی ہے۔ یعنی سمعی حواس کا وظیفہ (Function) شروع ہوجاتا ہے۔ سمعی حواس صوتی لہروں کو سلجھاتے ہیں اور ذہن میں موصول ہونے والی صوتی علامتوں کے کشف (Decode) کرتے ہیں یوں سامع کے ذہن میں اس معنی کا تصور پیدا ہوتا ہے، جس کے لیے علامت وضع کی گئی تھی یا اس مدلول کا خاکہ ابھرتا ہے جس پر علامت دلالت کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں سننے والوں کے ذہن میں وہ خیال ابھر آتا ہے جو کہنے والے کے خیال کے مماثل یا اس سے زیادہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اس طرح مدعا، مطلب یا کہی گئی بات کا قریب ترین مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔

حرکی حواس اور سمعی حواس کا باہمی تعاون:

عضلاتی حرکات سے زبان، حلق، مسوڑوں، ہونٹوں کے جوڑوں اور سطح کے عضلاتی ریشوں پر دباؤ پڑتا ہے، جس سے وہ حرکی حواس پیدا کرتے ہیں جن کی بدولت عمل میں آنے والی حرکت کے وقوع، ان کی نوعیت، وسعت اور حدود کا اندازہ ہوتا ہے۔ حرکی حواس اور سمعی حواس کے باہمی تعاون سے ہمیں گفتگو کے عمل اور کوائف پر عمل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ انہی کی مدد سے ہمیں اجزائے آواز کے انداز، مخارج، نوعیت یا تلفظ کی ماہیت، حیثیت اور غلطیوں کا علم بھی ہوتا ہے۔

صوت کی پیدائش میں سانس کی حیثیت:

سانس جو صوت کی ادائیگی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے، اس کی اصل غرض وغایت گویائی نہیں بلکہ یہ تو ایک حیاتیاتی ضرورت ہے۔ اسی طرح جن اعضاء سے آواز کی پیدائش میں مدد ملتی ہے، وہ بھی اسی طرح ہیں۔ اس لیے جب انہیں اعضاء صوت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو یہ مراد نہیں لی جاتی کہ ان کی غرض وغایت وضع صوت یا گویائی ہے۔ بول چال سانس لینے کے عمل کی ضمنی پیداوار ہے، جس

میں بعض اعضاء کی مدد شامل ہوتی ہے۔ سانس لینے کا عمل عموماً بے آواز اور خاموش ہوتا ہے، لیکن صوتی لبوں کی وجہ سے ارتعاش یا ہلکہ سا زناٹا ہوتا ہے، جس سے صدائی عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر زناٹا نہ ہو تو یہ عنصر پیدا نہیں ہوتا۔ جوف دہن میں دوسرے اعضاء کی تبدیلیاں سانس کی گزرگاہ میں تغیرات پیدا کر دیتی ہیں، جن کی وجہ سے مختلف صوتی کیفیات وجود میں آتی ہیں۔

اعضائے صوت:

اگرچہ کولہے کے اوپر کے عضلات کسی نہ کسی اعتبار سے گویائی یا ''ادا'' (Articulation) سے متعلق ہو جاتے ہیں، لیکن ان سب کو اعضاء صوت میں شمار نہیں کیا جاتا۔ جسم کے وہ اعضاء جو نرخرے یا سانس کی نالی سے اوپر ہوتے ہیں اور وضع صوت یا ادا سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں، اعضائے صوت کہلاتے ہیں۔ ماہرین صوتیات کی توجہ انہی پر مرکوز ہوتی ہے۔

اہم اعضائے اصوات درج ذیل ہیں:

ا۔ نرخرہ یا حنجرہ

پہلا قابل ذکر عضو صوت نرخرہ یا حنجرہ ہے۔ جس کا سرا زبان کی جڑ کی کرکری سے جسے لسان المزمار (Epifglottis) کہتے ہیں، نوالہ نگلتے وقت ڈھک جاتا ہے۔ بعض اصوات کی تشکیل میں ''لسان المزمار'' کا نمایاں حصہ ہوتا ہے۔ اس کے دبنے اور نرخرے کو ڈھانپنے کا عمل مصوتوں کی کیفیات پر اثر انداز ہوتا ہے۔

لسان المزمار اور منہ کے پچھلے حصے کا درمیانی جوف ''حلقوم'' مختلف مصوتوں کے ادا میں اپنی ہیئت بدلتا رہتا ہے۔ اس کی ہلکی سی جھنکار پیدا کرنے کی صلاحیت حنجری گمک (Tone) میں تغیر و تبدل کرتی رہتی ہے۔

۲۔ صوتی لب (Vocal Chords)

نرخرے میں ہونٹوں سے ملتے جلتے دو لچکدار پٹھے ایک دوسرے کے متقابل ہوتے ہیں، جن کو ہونٹوں سے مشابہت کے باوجود (Vocal Chords) کہا جاتا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ''وتران الصوت'' رہا ہے، لیکن صوتی لب کہنا زیادہ موزوں ہے۔ یہ صوتی لب وضع صوت کے سلسلے

میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ نرخرے کے مختلف حصوں کی حرکت پذیری کے نتیجے میں صوتی لب کھنچ بھی سکتے ہیں اور ڈھیلے بھی ہو سکتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کچھ منفصل بھی کیے جا سکتے ہیں، کچھ متصل بھی اور بالکل بند بھی۔ ان کے درمیان کشادگی بھی ہو سکتی ہے اور بستگی بھی۔

۳۔ خلائے دہن یا جوف دہن کے اعضائے صوت

خلائے دہن یا جوف دہن میں جو اعضائے صوت ہیں، وہ زیادہ اہم ہیں۔ یہ اعضاء درج ذیل ہیں: زبان، تالو، دانت، مسوڑے اور ہونٹ۔ ان سب میں سب سے زیادہ اہم ترین زبان ہے۔ بولتے وقت حسب ضرورت حلق اور صوتی لبوں کے اوپر، زبان کے کسی حصے اور اوپر کے دانتوں، ان کے پچھلے سروں یا مسوڑوں یا نرم تالو یا دونوں ہونٹوں کے درمیان ہوا کے بہاؤ میں رکاوٹ پیدا کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں زبان کے پچھلے، درمیانی اور سامنے کے سرے یا(Blade Of Tongue) کا خاصہ اہم کردار ہوتا ہے، کیونکہ عموماً انہی میں سے کوئی فاعلی حیثیت(Active Particulator) رکھتا ہے۔

زبان کی ساخت:

عضویاتی لحاظ سے زبان ایک اکائی ہے اور اس کی ساخت کے پیش نظر پچھلے، وسطی اور سامنے کے حصے میں حد فاصل قائم کرنا دشوار ہے۔ تاہم ماہرین صوتیات نے "ادا" کے تجزیے اور وضاحت کی سہولت کے لیے اسے مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) زبان کا پچھلا حصہ نرم تالو کے مقابل ہوتا ہے۔

(۲) اگلا یا وسطی حصہ سخت تالو کے مقابل ہوتا ہے۔

(۳) اور بالکل سامنے کا حصہ جس کا آخری سرا نوک زبان ہوتا ہے پھل (بلیڈ) کہلاتا ہے۔ جو اپنی عضویاتی حیثیت لچکیلے پن کی وجہ سے جوف دہن کے بعض مقامات سے لمس کرتا ہے۔

زبان کی یہ حالت اصوات کے تجزیے اور وضاحتی بیان میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ دوران گفتگو جوف دہن کی بالائی سطح کے پانچ مقامات میں سے کوئی سطح زبان کے کسی نہ کسی حصے سے متصل یا بہت زیادہ قریب ہو جاتی ہے۔ یہ مقامات درج ذیل ہیں:

☆لہات (کوا)　☆نرم تالو　☆سخت تالو

☆اوپر کے دانتوں کا اگلہ حصہ (نوک)　☆مسوڑے

پہلی صورت میں لہات اور زبان کے آخری حصے یا جڑ کے اتصال سے ہوا کا بہاؤ رک جاتا ہے اور مخصوص آواز پیدا ہوتی ہے جسے مجہول عضوِ صوت کی نسبت سے لہاتی کہا جاتا ہے۔عربی (ق) اس کی مثال ہے، جو اردو میں بھی بولا جاتا ہے۔

اعضائے اصوات کا چارٹ:

اہم اعضائے اصوات جو آواز کی پیدائش میں حصہ لیتے ہیں، درج ذیل ہیں۔

(۱)ہونٹ	(۲)دانت	(۳)اوپر والے مسوڑے
(۴)سخت تالو	(۵)نرم تالو	(۶)لہات
(۷)لسانی بلیڈ	(۸)زبان کا اگلا حصہ	(۹)زبان کی جڑ
(۱۰)حلقوم	(۱۱)لسان المزمار	(۱۲)صوتی لب
(۱۳)نوک زبان	(۱۴)ناک	

(ناک بھی اعضائے اصوت میں بھی شمار کی جاسکتی ہے کیونکہ بعض اصوات کے ادا میں اس کا خاصہ اہم کردار ادا ہوتا ہے۔)

غیر لفظی ابلاغ:

اب تک فن خطابت اور ابلاغ کے حوالے سے جس قدر مباحث بیان کی گئیں وہ سب کی سب لفظی تھیں۔ابلاغ کی ایک قسم غیر لفظی بھی ہے۔ہمارے معاشرے میں عام لوگ زیادہ تر سیدھے سادھے اور صاف دل ہوتے ہیں۔جو بات ان کے دل میں ہوتی ہے وہی زبان پر ہوتی ہے۔اس لیے ان کی گفتگو میں جسمانی حرکات وسکنات کم ہوتی ہیں، اور بدن بولی میں پیشہ ورانہ عنصر بھی شامل نہیں ہوتے، جبکہ سرمایہ دارانہ نظام کی اخلاقیات پیسہ کمانے کے لیے اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ آپ کے ظاہر میں کچھ اور ہو اور باطن میں کچھ اور ہو۔اس بنیاد پر ایک روایتی مذہبی اور مشرقی آدمی اور مغربی ذہنیت کے جدید انسان کے انداز گفتگو اور نشست وبرخاست میں فرق

نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ اہلیانِ مغرب گفتگو کے دوران حرکات وسکنات کا زیادہ اظہار کرتے ہیں، جسے وہ ''غیر لفظی ابلاغ'' کا نام دیتے ہیں۔

اس غیر لفظی ابلاغ سے سماجی رویوں کے درست معانی و مفاہیم اخذ کرنے کے کچھ اصول ہیں۔ ذیل میں ہم اسی غیر لفظی ابلاغ اور اس کے درست مفاہیم کی چند مثالیں پیش کر رہے ہیں کیونکہ مغربی تہذیب کی یلغار کے باعث بڑے شہروں میں اب ہمارا معاشرہ بھی اسی چلن کا شکار ہو رہا ہے۔ لہذا ایک خطیب جو عین ممکن ہے ایک قائد، ایک مدرس یا استاد بھی ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عصر حاضر میں جدید انسان کی نفسیات کو جاننے کے لیے باڈی لینگویج کے اس مغربی چلن سے واقف ہو جو ناچ گانوں اور فلموں ڈراموں کے ذریعے ہماری نئی نسل میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔

ہاتھ اور ٹھوڑی کا تأثر:

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک منفی تأثر ہے، مثلاً جب کوئی بات سمجھ نہ آئے تو ہم ہاتھوں کو ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہیں یا ٹھوڑی کھجاتے ہیں۔ گہرا مطالعہ کرنے والوں کو اس طرح دیکھا جا سکتا ہے، اس وقت یہ سوچ و بچار کی علامت ہے اور بات کرنے والا اگر اس طرح کرے تو یہ ہچکچاہٹ کی علامت ہے۔

باڈی لینگویج آپ کے الفاظ سے دس گنا زیادہ طاقتور ہے، کیونکہ پہلی ملاقات میں بات چیت تو زیادہ نہیں ہوتی، رویے سے آدمی متأثر ہوتا ہے۔

ہاتھ ملانا:

ہاتھ ملاتے ہوئے کوئی شخص اگر ہاتھ پر ہاتھ رکھے تو جس کا ہاتھ اوپر ہے وہ خود کو دوسرے سے برتر اور بڑا سمجھتا ہے۔ ہاتھ اگر نیچے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ یہ شخص کم درجے کا ہے۔ ہاتھ اگر ڈھیلا ہو تو اس کا مطلب ہے ایسا آدمی خود کو غیر محفوظ سمجھتا ہے، مگر یہ قاعدہ اکثری ہے، کلی نہیں۔

نظروں کا تأثر:

اگر گفتگو کرتے ہوئے آدمی دائیں بائیں دیکھ رہا ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ آدمی جھوٹ بول

رہا ہے یا جھوٹ بولنے کی کوشش میں ہے۔

آواز کا تاثر:

تفتیش کے دوران اگر ملزم آواز بلند کر رہا ہے تو اس کا معنی ہے کہ اعتماد کی کمی ہے، کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ سچ بولتے ہوئے آدمی کی آواز نارمل ہوتی ہے۔ جواب دینے سے پہلے لعاب نگلنا، بار بار آنکھیں جھپکنا، اس کا مطلب ہے کہ کوئی گڑ بڑ ہے۔

شعور اور لاشعور کا اثر:

اگر کوئی پریشانی کی بات پیش آ جائے تو دل اور پیٹ لاشعوری طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ دل تیز دھڑکنا شروع کر دیتا ہے اور پیٹ میں ہلکا پھلکا مروڑ محسوس ہوتا ہے۔

جھوٹ پہچاننے کی علامت:

(۱) آنسو:

اگر رونے والے کے آنسوؤں میں کمی ہے تو یہ جھوٹ موٹ رونے کی علامت ہے، کیونکہ حقیقی مظلوم رونے پیٹنے سے زیادہ اپنے رویے سے غصے کا اور ظالم کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

(۲) ہونٹ چبانا:

گفتگو کے دوران ہونٹ چبانے کا مطلب ہے کہ یہ آدمی کسی ایسی بات کے کہنے سے بچنا چاہتا ہے جس پر بعد میں پچھتانا پڑے، لہٰذا ہونٹ چبانا اکثر جھوٹ کی علامت ہوتا ہے۔ جب کوئی آپ کو کچھ بتاتے بتاتے اچانک چپ ہو کر اپنا نچلا ہونٹ چبائے تو زیادہ امکانات یہ ہیں کہ اس نے ابھی ابھی آپ سے جھوٹ بولا ہے یا اس نے معاملے سے متعلق اہم معلومات ''غتر بود'' کر دی ہیں۔ اس تناظر میں ہونٹ چبانا ایک لاشعوری ردِعمل ہے اور خود کو بچانے کی کوشش اور یہ سگنل ہے کہ وہ مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

(۳) نچلا جبڑا:

اکثر اوقات جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس کا نچلا جبڑا کسی گگر کی طرح آگے کی طرف بڑھا نظر آتا ہے۔ یہی ردِعمل اس وقت بھی نظر آتا ہے جب کسی شخص سے سوال جواب کیے جا رہے

ہوں یا اس پر شک کا اظہار کیا جا رہا ہو۔

(۴) سانس لینا:

جب کوئی جھوٹ بول رہا ہوتا ہے تو آپ جو پہلی چیز نوٹ کریں گے، وہ اس کے سانس لینے کے عمل میں تبدیلی ہے۔ کیونکہ جب لوگ پُرسکون اور بے فکری کی حالت میں ہوتے ہیں تو اس انداز میں سانس لے رہے ہوتے ہیں کہ آپ ہوا کے پھیپھڑوں میں جانے کے ساتھ ان کے پیٹ کو اوپر نیچے ہوتا دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن جب کوئی جھوٹ بول رہا ہو یا بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہو تو وہ عموماً ایسے انداز میں سانس لیتا ہے کہ اس کا پیٹ اوپر نیچے ہوتا دکھائی دینے کے بجائے اس کے سینے کا اوپر والا حصہ اور کندھے سانس لینے کے ساتھ اوپر نیچے ہو رہے ہوتے ہیں۔

(۵) جلد کی رنگت اور پسینہ:

جب لوگ جھوٹ بولیں تو آپ ان کی جلد کے رنگت بدلنے اور ان کے جسم کے مختلف حصوں پر پسینے کی بوندیں نمودار ہونے کا بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ دروغ گوئی کے دوران اوپری ہونٹ کے پٹھوں میں تناؤ کے سبب پسینے کی بوندیں نمودار ہوتی ہیں۔

(۶) سر کی جنبش:

اپنی طرف سے دیے گئے کسی سوال کی تائید میں تاخیر سے سر ہلانا جھوٹ کی واضح علامت ہے، کیونکہ جب لوگ سچ بول رہے ہوتے ہیں تو وہ بیان کے ساتھ ساتھ سر کو جنبش دے رہے ہوتے ہیں۔

(۷) ناک چھونا:

کسی جرم کے اعتراف یا انکار کے دوران ناک چھونا عموماً جھوٹ چھپانے کی لاشعوری علامت ہوتی ہے۔

بات سن کر دور ہٹنا:

اگر کوئی بڑا کسی کو حکم دے اور وہ حکم سن کر دور جانے لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکم عدولی کرنا چاہتا ہے یا ایسا شخص مزید آپ کی بات سننا گوارا نہیں کرتا۔

باڈی لینگویج کا جرم کے ثبوت میں کردار:

جسم کی حرکات وسکنات انسان کی مختلف حالت کو ظاہر کرتی ہیں، جیسے: ماں دودھ پیتے بچے کی شکل دیکھ کر بتا دیتی ہے کہ اب یہ پشی یا پوٹی کرے گا۔

(۱) لاتعلقی:

ماہرین کے مطابق اگر عام زندگی میں خوش مزاج اور پُر جوش کوئی شخص پوچھ گچھ کے دوران سرد مہری یا لاتعلقی کا مظاہرہ کرے تو اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ وہ کوئی بات چھپانا چاہتا ہے۔

(۲) گہری سوچ:

اگر کوئی شخص گہری سوچ میں ڈوبا ہونے کے دوران کئی بار وہ دونوں ہاتھوں کے پنجے آپس میں جکڑ لے یا اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر جمالے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس سوال کا جواب نہیں ہے۔

(۳) پلکیں جھکنا:

دورانِ سوالات مجرم کی پلکیں جھک جانا بھی جرم کے ثبوت کی ایک علامت ہے۔

کسی کارروائی کے متعلق سوچنا:

اگر کوئی غیر متعلق شخص کسی خاص مقام پر ویسے ہی کھڑا ہوا اچانک گہری سانس لینے لگے، خصوصاً اس کے نتھنے تیزی سے پھیلنے، سکڑنے لگیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے تیور بدل رہے ہیں اور یہ کوئی کارروائی کرنے کے لیے اپنے سینے میں اضافی آکسیجن جمع کر رہا ہے۔

خطرے کے وقت چہرے کے تأثرات:

آنکھیں ڈھانپنا اور نظریں چرانا، وہ ایسی غیر بیانیہ حرکتیں ہیں جو اس وقت رونما ہوتی ہیں جب کوئی خود کو خطرے کی زد میں محسوس کر رہا ہو یا جو منظر سامنے ہو اسے دیکھنا پسند نہ کرتا ہو۔ کیونکہ پہلی نظر میں بھنوؤں کو اوپر اٹھا کر محراب کی شکل میں دیکھنا پسندیدگی کی علامت ہے۔

گردن چھونے کا تأثر:

کسی کی باڈی کی لینگویج میں تبدیلی کا مشاہدہ ممکنہ خطرات سے بچا سکتا ہے۔ گردن چھونا اور

تھپتھپانا یا دونوں حرکتیں ایک ساتھ کرنا ایسے طرز عمل ہیں جو ذہنی تناؤ کے دوران خود کو پُر سکون کرنے کے لیے اکثر اپنائے جاتے ہیں۔ جب خواتین گردن چھونے کے ذریعے خود کو پر سکون کرتی ہیں تو وہ اپنے حلقوم کے نیچے واقع اس گڑھے کو ڈھانپتی ہیں یا چھوتی ہیں جسے گردن کا ڈمپل بھی کہا جاتا ہے۔ اس حرکت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ خود کو تناؤ کا شکار، خطرے کی زد میں بے سکون، غیر محفوظ یا خوف زدہ محسوس کر رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا نمایاں طرز عمل ہے جو دیگر چیزوں کے علاوہ اُس بے سکونی اور بے چینی کی شناخت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے جو کوئی شخص جھوٹ بولتے ہوئے یا کوئی اہم معلومات چھپاتے ہوئے محسوس کر رہا ہوتا ہے۔

پاؤں کا تأثر/ ''Happy Feet'' کا مطلب:

ہاتھوں اور چہرے کی طرح لوگوں کے پیروں کی حرکات و سکنات بھی ہمیں ان کی دلی کیفیت کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی ہیں۔ خصوصاً پیروں کا غیر شعوری طور پر تھرکنا اور تسلسل سے ہلنا دلی مسرت کی عکاسی کرتا ہے۔ پیروں کی اس حرکت کو ''ہیپی فیٹ'' کہتے ہیں۔ جب لوگ اچانک ہیپی فیٹ کا اظہار کرنے لگیں خصوصاً کوئی اہم بات سننے یا دیکھنے کے بعد، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات یا واقعے نے ان کے جذبات کو مثبت انداز میں متاثر کیا ہے۔

ہونٹ کی حرکت:

باڈی لینگویج کی ماہر ''ڈاکٹر للین گلاس'' کے مطابق گفتگو کے درمیان ہونٹ سکیڑنا بھی کسی شخص کی ناپسندیدگی، اضطراب یا اختلافی سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔

دورانِ گفتگو ران پر ہاتھ پھیرنے کا تأثر:

باڈی لینگویج کے ماہرین کے مطابق کسی انٹرویو یا پوچھ گچھ کے دوران سوالات کا جواب دیتے ہوئے کسی فرد کا اپنی ٹانگ سہلانا یا ران پر اس طرح ہاتھ پھیرنا جیسے وہاں موجود مٹی یا گرد و غبار صاف کر رہا ہو، صرف خود کو پُر سکون کرنے کی ایک لاشعوری کوشش ہوتی ہے۔ تاہم یہ حرکت عموماً نظروں میں نہیں آتی کیونکہ صفائی کا یہ عمل اکثر ڈیسک یا میز کے نیچے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس مخصوص باڈی لینگویج میں متعلقہ فرد اپنی ایک یا دونوں ہتھیلیاں رانوں پر رکھتا ہے اور پھر انہیں

گھٹنوں تک لے جاتا ہے۔ بعض افراد جان بوجھ کر یہ عمل ایک بار کرتے ہیں تاہم اکثر یہ بار بار کرتے ہیں، جبکہ بعض مواقع پر یہ عمل مساج سے مشابہ نظر آتا ہے۔ یہ عمل پسینے میں بھیگی ہتھیلیوں کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے جسے پریشانی سے منسوب کیا جاتا ہے، لیکن بنیادی طور پر یہ جذباتی اور ذہنی تناؤ سے نجات کی ایک لاشعوری کوشش ہوتی ہے۔

الگ الگ سمت میں دیکھنے کا تأثر:

ڈاکٹر للین گلاس کے مطابق جب کوئی میاں بیوی کا جوڑا مستقلاً ایک دوسرے سے مختلف سمتوں میں دیکھ رہا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں افراد ذہنی ہم آہنگی نہیں رکھتے اور اپنا اپنا الگ ایجنڈا رکھتے ہیں، کیونکہ ان کی سوچ آپس میں نہیں ملتی لہٰذا طویل دورانیے میں ان کے تعلقات میں بہت مشکلات آتی ہیں۔

سینے پر ہاتھ باندھنے کا تأثر:

بچے جب ناخوش ہوں یا ان کی بات نہ مانی جارہی ہو تو آپ انہیں بھی اپنے سینے پر ہاتھ باندھے دیکھ سکتے ہیں، حتیٰ کہ خاصی کم عمری میں بھی ان کا یہ احتجاج یا ناراضی ظاہر کرنے کا انداز سامنے آتا ہے۔ یہ درست ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنا بہت سے لوگوں کے لیے آرام دہ انداز ہو سکتا ہے، تاہم جب کوئی شخص اچانک اپنے سینے کے سامنے سے بازو گزارے اور انہیں مضبوطی سے آپس میں جکڑ لے تو یہ بے چینی کی واضح علامت ہے۔ تاہم جب وہ پُرسکون ہو جاتا ہے تو ہاتھوں کو کھول دیتا ہے۔

بین/کالر کو حرکت دینے کا تأثر:

بین یا کالر کھینچنا ڈھیلا کرنا جھوٹ کی علامت ہو سکتی ہے۔ ایسے ہی گفتگو کے دوران منہ ڈھانپنے سے سچ چھپایا جاتا ہے۔

منہ پر ہاتھ رکھنا:

جھوٹ کی ایک واضح علامت یہ ہے جب لوگ کسی معاملے میں نہ الجھنا چاہتے ہوں یا کسی مسئلے یا سوال کا جواب دینے سے بچنا چاہتے ہوں تو وہ خود بہ خود اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔ مثلاً جب

ایک رپورٹر نے معروف کھلاڑی ''لانس آرمسٹرانگ'' سے ممنوعہ ادویات کو استعمال کے بارے میں سوال کیا تو ہاتھ سے اپنا منہ ڈھانپنا اس کا پہلا ردِّعمل تھا جو اس بات کی واضح علامت تھی کہ وہ اس موضوع پر زبان نہیں کھولنا چاہتا۔

لعاب کا نگلنا:

جب کوئی شخص تشویش میں مبتلا ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کہہ رہا ہوتا ہے جو اسے نہیں کہنی چاہیے تو ایسے میں اس کے حلق میں لعاب پیدا ہونا رک جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اسے اپنا گلا خشک اور کھردرا محسوس ہوتا ہے اور وہ اپنا حلق تر کرنے ور اپنی بات آگے بڑھانے لے لیے لعاب نگلتا ہے، جس سے اسے اس بے آرامی سے وقتی نجات مل جاتی ہے۔

نظروں اور پلکوں کا تأثر:

ذہنی تناؤ میں پلکیں جھپکنے کی شرح بڑھ جاتی ہے، جبکہ خوشی اور اطمینان میں رفتار کم ہو جاتی ہے۔ لوگ اپنے منفی احساسات کا اظہار پلکیں جلدی جلدی جھپکا کر، جبکہ مثبت احساسات کا اظہار زیادہ وقفے سے پلکیں جھکا کر کرتے ہیں۔ دورانِ گفتگو زمین پر نظریں جمانے والا کوئی راز چھپا رہا ہوتا ہے۔

ہتھیلیاں چھپانا:

باڈی لینگویج کی ماہر ڈاکٹر للین گلاس کہتی ہیں: ''جب کوئی شخص جھوٹ بول کر آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہو تو وہ اپنی ہتھیلی یا ہتھیلیاں آپ سے مخالف سمت میں اس طرح موڑے گا کہ آپ صرف اس کے ہاتھوں کی پشت دیکھ پائیں گے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص سچ بول رہا ہوگا تو آپ عموماً اس کے کھلے ہاتھوں کی ہتھیلیاں دیکھ سکیں گے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس شخص کے پاس چھپانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔''

ہاتھ کی حرکات:

جب آپ ہاتھ کی حرکات میں تبدیلی کا مشاہدہ کریں تو سب سے قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ وہ کب ساکت ہوتے ہیں۔ جب ہاتھ کسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے، اپنے موقف پر زور ڈالتے ہوئے اچانک ساکت ہو جائیں تو یہ عموماً دماغ کی سرگرمی میں تبدیلی کا اشارہ ہوتا ہے۔

حقیقی مسکراہٹ کی علامت:

باڈی لینگویج کی ماہر "ڈاکٹر للیین گلاس" کہتی ہیں: "حقیقی مسکراہٹ کے لیے چار چیزوں کی موجودگی ضروری ہے۔ پہلی، مسکراتے ہوئے آنکھوں کے گرد جھریاں پڑ رہی ہوں دوسری، گالوں کے ابھار اوپر کی طرف اٹھے ہوئے ہوں۔ تیسری، دانتوں کی جھلک لازماً نظر آئے۔ اور چوتھی، ہونٹ ایک دوسرے سے الگ ہوں اور ان کے کونے الٹی محراب کی شکل میں اوپر کی طرف اٹھے ہوئے ہوں۔ اگر یہ چاروں علامات دکھائی نہ دیں تو یا تو اس شخص کی مسکراہٹ مصنوعی ہوگی یا وہ تناؤ میں مبتلا ہوگا یا وہ مجبوراً مسکرانے کی کوشش کر رہا ہوگا اور اپنے اصل جذبات مسکراہٹ کی آڑ میں چھپانے کی کوشش کر رہا ہوگا۔"

مصنوعی مسکراہٹ کی علامت:

ماہرین کے مطابق مسکرانے کے بہت سے انداز ہوتے ہیں۔ ایک تخمینے کے مطابق لگ بھگ 50 مختلف اقسام کی مسکراہٹیں مشاہدے میں آئی ہیں۔ یہ سب خاصی حد تک ایک جیسی محسوس ہوتی ہیں، لیکن چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں ہر مسکراہٹ کو ایک منفرد مفہوم دیتی ہیں۔

ہونٹ بھینچ کر یا باہم ملا کر مسکرانا، مسکراہٹ کی سب سے عام قسم ہے، کیونکہ حقیقی مسکراہٹ کے علاوہ اسے جھوٹ موٹ کی مسکراہٹ کے طور پر بھی باآسانی اپنایا جا سکتا ہے۔ ایسا عموماً ایسی صورتحال میں ہوتا ہے جب ہم کسی کا دل رکھنے یا محض رسم نبھانے کے لیے مسکرا رہے ہوتے ہیں، لہٰذا ایسے مواقع پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جھوٹی مسکراہٹ ہے۔ ہونٹ بھینچ کر مسکرانا خوف، شرمیلا پن، شائستگی، روایت پسند سوچ یا حقیقی جذبات چھپانے کی کوشش ہو سکتی ہے۔ اس کا بالکل درست مطلب جو بھی ہو، یہ ایک رازدارانہ رویہ ہے اور اس معاملے میں دانت چھپانا حقیقی خیالات چھپانے کے مساوی ہوتا ہے۔

مسکراہٹ کی ایک اور قسم جس سے ہم سب مانوس ہیں، بے نیازانہ مسکراہٹ ہے، جو ذاتی طمانیت، خود پسندی اور کسی قدر شرانگیزی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اس طرح کی مسکراہٹ میں ہونٹ آپس میں ملے ہوتے ہیں اور ان ملے ہوئے ہونٹوں کا صرف ایک سرا بروئے کار آتا ہے۔

اس دوران میں آنکھیں قدرے سکڑ کر ایک مشتبہ تاثر قائم کرتی ہیں۔ یہ عموماً ذاتی طمانیت، خود پسندی اور برتری کا اظہار ہوسکتا ہے۔ یہ شک کی علامت اور کسی کی رائے کو مسترد کرنے کی ایک کوشش بھی ہوسکتی ہے۔

ادھوری مسکراہٹ مسکرانے کی ایک اور قسم ہے۔ ادھوری مسکراہٹ سب سے زیادہ کنفیوز کرنے والے چہرے کے تاثرات میں سے ایک ہے، کیونکہ اکثر یہ اندازہ لگانا مشکل ہوجاتا ہے کہ یہ مسکراہٹ روکنے کی کوشش ہے یا طنز کی علامت ہے۔ طنز کے علاوہ یہ خوداعتمادی اور اس شخص کے مقابلے میں احساسِ برتری کی بھی علامت ہوسکتی ہے جس کے رُوبرو اس مسکراہٹ کا مظاہرہ کیا جارہا ہو۔ ایسا منجمد قہقہہ شاذونادر ہی دکھائی دیتا ہے۔ خواہ مصنوعی ہو یا حقیقی، یہ مبالغہ آمیز مسکراہٹ اپنے اندر ایک جادوئی اثر رکھتی ہے۔

مسکراہٹ کی ایک قسم وہ بھی ہے جو ہوتی تو حقیقی ہے، لیکن اسے باقاعدہ دعوت دینی پڑتی ہے۔ یہ مسکراہٹ پیدا کرنے کے لیے اپنی زندگی کے سب سے پُرلطف اور دلچسپ لمحات کو اپنے ذہن میں تازہ کریں، آپ کے چہرے پر خودبہ خود ایک من موہنی مسکراہٹ بکھر جائے گی۔

سترہواں باب

اصناف خطابت کے نمونے

درس قرآن

موضوع: روزے کی فرضیت اور حکمت

یاایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرة: 183)

ترجمہ:- اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر روزے فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

سامعین مکرم!

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 183 آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے جس میں روزے کی فرضیت اور حکمت کو بیان کیا گیا ہے، روزہ ارکان اسلام کا تیسرا رکن ہے، ایمان لانے یعنی کلمہ طیبہ اور نماز کے بعد فرض کا حکم رکھتا ہے، دوسری صدی ہجری میں تحویل کعبہ کے واقعے سے کم و بیش دو ہفتے بعد روزہ کی فرضیت کا حکم نازل ہوا اور رمضان المبارک کو ماہ صیام قرار دیا گیا۔ فرضیت رمضان کی جو آیت کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے معبود برحق نے اس آیت میں حکمت رمضان کو ذکر فرمایا ہے کہ روزے کا مقصد حضرت انسان کو پرہیزگار بنانا ہے۔ پرہیزگاری کا یہ سفر کس طرح طے ہوتا ہے۔ آیئے! اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

سال بھر کا ایندھن:

جس طرح انسان کو سفر درپیش ہو اسے کسی خاص منزل یا ہدف تک پہنچنا ہو تو یہ سفر اس وقت ہی ممکن ہو سکے گا جب گاڑی مسلسل چلتی رہے اور اسے برابر ایندھن ملتا رہے اسی طرح انسان بھی شاہراہ حیات کا مسافر ہے اس کی منزل آخرت ہے۔ دنیا آخرت تک پہنچنے کا راستہ ہے، دنیا سے گزر کر آخرت تک پہنچنے کے لیے ہماری گاڑی کو ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔

رمضان کا مہینہ آخرت کے سفر میں آنے والا وہ پڑاؤ ہے جہاں زندگی کی گاڑی ایک سال کا سفر طے کر کے پہنچتی ہے اپنی روح کی گاڑی میں بیٹھ کر جب ہم رمضان کے پڑاؤ تک پہنچتے ہیں تو ہماری گاڑی کا بہت سارا کام نکل آتا ہے اسے سروس کی بھی ضرورت ہوتی ہے، خراب پرزوں کی دیکھ بھال اور maintanince کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اس کے علاوہ اگلے پڑاؤ تک سفر جاری رکھنے کے لیے سال بھر کا ایندھن بھی چاہیے ہوتا ہے، چنانچہ "رمضان سرائے" میں اللہ تعالی کی طرف سے ہمیں یہ تمام سفری ضروریات مہیا کر دی جاتی ہیں، یوں زندگی کی گاڑی ایک مرتبہ پھر سال بھر کا روحانی ایندھن لے کر سفر آخرت کی طرف رواں دواں ہو جاتی ہے۔ آیئے رمضان کی حکمتوں کو ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں:

تربیت انسان کورس:

رمضان کے مقدس مہینے میں باری تعالی اپنے بندوں کے لیے ایک ماہ کا تربیتی کورس منعقد کرتے ہیں، اس کورس کو باقاعدہ طور پر اور پورے نظم وضبط کے ساتھ چلایا جاتا ہے، ایک ماہ کی ٹریننگ میں زندگی کے چلتے ہوئے معمولات کو تبدیل کر دیا جاتا ہے، حتی کہ کھانے، پینے، سونے، جاگنے، آرام اور عبادت کے لیے بندوں کو اپنا پورا نظام الاوقات تبدیل کرنا پڑتا ہے۔ اس کورس میں یا تربیتی سیشن میں جن اہم امور کی مشق کروائی جاتی ہے وہ کچھ اس طرح ہیں۔

ا۔ صبر:

حدیث شریف میں ماہ صیام کو ماہ صبر قرار دیا گیا ہے، "وھو شھر الصبر و الصبر ثوابہ

الجنة "(صحیح ابن خزیمۃ (3/191)) رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے (بروایت حضرت سلمان فارسی، بیہقی) صبر کا معنی ہے رکنا، جب آدمی اللہ کے لیے سارا دن کھانے پینے اور لغویات سے رکتا ہے تو اس کے اندر اللہ کے لیے لوگوں کی باتیں برداشت کرنے، انہیں معاف کرنے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، صبر کی قوت مل جانے سے زندگی پرسکون ہو جاتی ہے انسان کے مزاج میں نرمی آجاتی ہے اجتماعی اور انفرادی امور حیات کو سلیقے کے ساتھ نبھانے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو اللہ تعالی کا ساتھ نصیب ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:"واصبروا ان اللہ مع الصابرین" [الانفال: 46] ترجمہ:۔صبر کرو، بیشک اللہ تعالی صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔

۲۔احساس اور دردمندی:

حدیث شریف میں ہے:"وھو شھر المواساة "(صحیح ابن خزیمۃ (3/191)) رمضان غم خواری کا مہینہ ہے، روزے کے ذریعے انسانی نفس کو "احساس" کی تربیت بھی کروائی جاتی ہے، اور دردمندی کا سبق بھی یاد کروایا جاتا ہے اپنی بھوک اور پیاس انسان کو دوسرں کی بھوک اور پیاس سے آشنا کرتی ہے اور روزے دار کو دنیا کے رنگین دھوکے سے نکال کر ایک خالص حقیقت کا مشاہدہ کرواتی ہے جس سے انسان کے دل کا زنگ اترتا ہے، اور وہ اپنی ذات کے حصار کو توڑ کر امت کے وجود کا حصہ بن جاتا ہے، اور پھر امت کے جسم میں کہیں بھی تکلیف ہو وہ اسے اپنی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔امت کا درد اسے بھی بے چین کر دیتا ہے اور امت کا غم اسے بھی نڈھال کر دیتا ہے، اسی طرح روزہ فرد کا تعلق پوری امت کے ساتھ جوڑتا ہے اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے دکھ درد کا ساتھی بناتا ہے۔

۳۔شیطان سے مقابلے کی تربیت:

انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے اور ایسا دشمن ہے جو کبھی بھی ہتھیار ڈال کر نہیں بیٹھا، بلکہ ہر لمحہ مرتے دم تک لڑائی لڑتا ہے، اور ہر آن نئے داؤ نئی چال اور نئے جال کیساتھ سامنے آتا ہے اس کی دو چالیں ایسی ہیں جو انتہائی خطرناک ہیں، قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے

ٰ نے ان کو ذکر کیا ہے:"الشیطان یعدکم الفقر و یامر کم بالفحشاء "[البقرۃ: 268] شیطان تمہیں بھوک کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

روزہ انسان کے دل سے بھوک کا خوف نکال دیتا ہے اور بے حیائی کا دروازہ بھی بند کر دیتا ہے،شیطان انسان کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ آج کے دور میں سادگی کے ساتھ زندگی بسر نہیں کی جاسکتی، وگرنہ بھوکے مر جاؤ گے، روزہ اس بات کی تربیت کرتا ہے کہ بھوک سے کوئی نہیں مرتا، اللہ کے نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے گھر میں کئی کئی دن تک چولہا نہیں جلتا تھا، صحابہ روزے کے ساتھ دشمن کے خلاف جہاد کرتے تھے۔ کھانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا تو صرف پانی اور کھجور پر اکتفاء کرتے تھے اور پھر صحت مند رہتے تھے آج مغرب کی شیطانی تہذیب زر پرستی کا عادی بنانے کے لیے مسلمانوں کو بھوک سے ڈراتی ہے، رپورٹیں شائع ہوتی ہیں فلاں مسلمان ملک میں اتنے فیصد لوگ خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں اگر مغربی اداروں کے قائم کردہ معیار کو دیکھا جائے تو پھر انبیاء کرام میں سے تو کوئی بھی ان کے معیار پر پورا نہیں اترتا سبھی کی زندگی خط غربت سے نیچے دکھائی دے گی،"غریب ہونا" کوئی بری بات نہیں، غریب آدمی اپنے ہاتھ سے روزی کمانے والا تو اللہ تعالی کا دوست ہے، لیکن بے حیا ہونا بہت بری بات ہے، قرآن پاک میں بے حیائی پھیلانے والوں کو سزا "وقتلوا تقتیلا " [الاحزاب:61] بیان کی گئی ہے، آج کی طاغوتی قوتوں نے شیطانی منصوبے کے تحت پوری دنیا کو بھوک کے خوف میں مبتلا کر رکھا ہے اور بے حیائی کو عام کر دیا ہے۔ عالمی بینک غربت کے خاتمے کے نام پر سربراہان مملکت کو قرض دیتا ہے اور انہیں اپنے اپنے ممالک میں بے حیائی کے فروغ کے ساتھ مشروط کرتا ہے۔ مغربی ممالک کی این جی اوز غریب ملکوں میں غریبوں کی امداد اور فلاح کی آڑ میں فحاشی کے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہیں، اور روشن خیالی کا نعرہ لگواتی ہیں۔ روزے کی اگر ان تمام حکمتوں کو ایک لفظ میں سمیٹا جائے تو وہ ہے " تقوی " یعنی روزے کا فلسفہ، حکمت اور مقصد اصلی کیا ہے؟ "متقی بنانا"۔

سامعین کرام!

غریب ہونا، کم کھانا یا بھوکا رہنا کوئی بری بات نہیں اسے برا سمجھنا شیطانی دھوکا ہے۔ معروف

کتاب "The World Until Yesterday" میں تہذیب جدید ہی کے ایک محقق "جیرڈ ڈائمنڈ" نے لکھا ہے کہ بھوکا رہنے والا آدمی نہیں مرتا بلکہ زیادہ کھانے والا مرتا ہے۔ اسی لیے اقبال نے کہا:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

روزہ "روح محمد" پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، جس کے سامنے شیطان کا کوئی مکر کوئی فریب، کوئی دجل، کوئی داؤ، کوئی چال، کوئی جال اور کوئی ہتھیار نہیں چل سکتا۔

خلاصہ اور پیغام:

برادران اسلام!

ہمارا آج کا درس حکمت رمضان کے حوالے سے تھا، جس میں رمضان کی پانچ اہم حکمتوں کو بیان گیا، ان میں سے پہلی حکمت یہ ہے کہ رمضان آخرت کے سفر میں شاہراہ حیات پر زندگی کی گاڑی کو سال بھر کا روحانی ایندھن مہیا کرتا ہے۔ دوسری حکمت یہ بیان کی گئی کہ رمضان دراصل ایک ماہ پر مشتمل تربیت انسان کورس ہے۔ تیسری حکمت یہ تھی کہ ماہ صیام کو حدیث شریف میں ماہ صبر قرار دیا گیا ہے۔ رمضان انسان کو صبر کرنا سکھاتا ہے، جس سے زندگی پر سکون ہو جاتی ہے۔ چوتھی حکمت یہ تھی کہ حدیث شریف میں رمضان کو ہمدردی اور دردمندی کا مہینہ قرار دیا گیا ہے یہ فرد کو خود غرضی کے دائرے سے نکال کرامت کا غم خوار بناتا ہے۔ پانچوی آخری اور سب سے اہم حکمت یہ تھی کہ روزہ انسان میں روح محمد کرتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

درس حدیث

موضوع: رمضان اور عصر حاضر میں ہماری کیفیت ایمانی

عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: من قام رمضان ایمانا و احتسابا، غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (متفق علیہ)

سامعین مکرم!

ذخیرہ احادیث میں سے صحیحین یعنی بخاری اور مسلم شریف کی ایک روایت آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے۔ اس کے راوی مشہور اور جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرۃؓ ہے۔ آپ کا اصل نام مشہور قول کے مطابق عبدالرحمٰن بن صخر ہے۔ سن 8 ہجری میں آپ نے اسلام قبول کیا۔ آقا علیہ السلام سے سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے۔ آپ کی مرویات کی تعداد 5374 ہے۔ اس حدیث مبارکہ میں رمضان کی مقدس ساعتوں میں ایمانی کیفیت کے ساتھ تراویح پڑھنے والوں کو سابقہ گناہوں کے بخشے جانے کی خوشخبری دی گئی ہے۔ چنانچہ راوی فرماتے ہیں: ”دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان کی راتوں میں ایمانی کیفیت اور اجر آخرت کی نیت کے ساتھ نماز تراویح پڑھی تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔“

حاضرین محترم!

رمضان کی مقدس اور سہانی راتوں میں ایمانی کیفیت سے تراویح پڑھنے کے لیے ضروری ہے کہ افطار کے وقت آدمی ایسا کھائے جو اس کے معدے اور طبیعت کو تراویح کے وقت خراب نہ کرے اور اتنا کھائے کہ اس پر سستی، کاہلی اور نیند کا غلبہ نہ ہو بلکہ قیام اللیل کے لیے طبیعت میں داعیہ، بشاشت، چستی اور توانائی پیدا ہو جائے، اسے خود محسوس ہو کہ افطار کے بعد اللہ کی طرف میلان اور دھیان مزید بڑھ گیا ہے، کیونکہ رمضان درحقیقت لذات ایمانی کے حصول کا مہینہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ عصر حاضر میں کتنے لوگ ہیں جو اس ماہ میں لذات ایمانی کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جو اس ماہ کو بھی لذات نفسانی کے حصول کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔

ہمارے یہاں کتنے لوگ ہیں جو رمضان میں اچھی سے اچھی ''پھینی، کھجلہ، پکوڑے، دہی بڑے اور سموسے'' تلاش کرنے کے لیے نکلتے ہیں، اور وہ کتنے لوگ ہیں جو تراویح میں دلوں کی رقت کے لیے اچھی تلاوت یا اچھا درس تلاش کرنے کے لیے نکلتے ہیں۔

حضرات محترم!

لذت ایمانی بھی کیسے حاصل ہو! رمضان صبر کا مہینہ ہے لیکن اس میں ہم صبر نہیں کرتے مہنگائی کرتے ہیں، یہ انفاق کا مہینہ ہے لیکن ہم انفاق نہیں کر سکتے کیونکہ اخراجات بڑھ جاتے ہیں، یہ کم کھانے اور دوسروں کو کھلانے کا مہینہ ہے لیکن اس میں ہم خود زیادہ کھاتے ہیں دوسروں کو کم کھلاتے ہیں۔

یہ عبادت کا مہینہ ہے مگر ہم تہجد اور عصر سے مغرب خورد ونوش کی تیاریوں میں مصروف رہتے ہیں، بالخصوص خواتین تو اس وقت ''لائیو کوکنگ'' کر رہی ہوتی ہیں، اگر ان سے کہا جائے کہ یہ تلاوت اور تسبیح کا وقت ہے تو وہ کہتی ہیں ہمیں مردوں نے مجبور کیا ہے، کراچی کی خواتین اگر یہ بات کریں تو بالکل اعتبار نہیں آتا کیونکہ سارا سال تو یہاں خواتین مردوں کی بات نہیں مانتیں لیکن صرف ایک مہینے کے لیے پتہ نہیں کیسے اتنی فرمانبردار بن جاتی ہیں، اگر مردوں سے پوچھا جائے کہ

آپ خواتین کو ماہ مقدس میں عبادت کا موقع فراہم کرنے کی بجائے کھانے پکانے پر کیوں مجبور کرتے ہیں تو ان کی طرف سے جواب آتا ہے صاحب! ہم نے تو مجبور نہیں کیا، ان کا اپنا شوق ہے، اب ہم ان کا دل تو نہیں توڑ سکتے۔ چنانچہ رمضان کی مبارک ساعتوں میں خواتین کا اکثر وقت کھانوں کی ترکیبیں پڑھنے، مارکیٹ سے سبزی گوشت لانے یا مصالحہ جات تلاش کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔

سامعین گرامی!

عجیب بات ہے، عین دعا کے وقت جب اللہ تعالی ہماری طرف متوجہ ہوتے ہیں، ہم اللہ تعالی کو چھوڑ کر کچن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، کھانوں کے حوالے سے اس وقت جیسا جوش خروش اور گہما گہمی ہمارے گھروں میں دکھائی دیتی ہے، وہ پورا سال نظر نہیں آتی، یوں لگتا ہے جیسے روزہ نہ ہو کوئی ''فوڈ فیسٹیول'' منایا جا رہا ہو، اور جونہی روزہ افطار ہوتا ہے ہم اتنا کچھ کھا لیتے ہیں کہ نماز کے لیے اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے، اور پھر مغرب کے بعد تراویح کی تیاری کرنے کے بجائے ٹی وی کے سامنے لیٹ کر چینل پر چینل بدلتے جانا ہمارا مشغلہ بن جاتا ہے جہاں افطار کی خصوصی ٹرانسمیشن میں کوئی بے پردہ خاتون اینکر واعظہ کے روپ میں ناظرین کو استغفار کروا رہی ہوتی ہے، یا پھر پاکستان کے پچاس فیصد عوام جو روزانہ دودھ خرید کر نہیں پی سکتے انہیں ٹیلی ویژن اسکرین پر ایسی افطار پارٹیوں کے مناظر دکھائے جاتے ہیں، جہاں میزوں پر سجی پچاس پچاس ڈشیں غریبوں کے سادہ دستر خوانوں کا مذاق اڑا رہی ہوتی ہیں۔

سوال یہ ہے کیا رمضان کی مقدس ساعات میں رب کے حضور گڑگڑانے کی بجائے مارکیٹ کے چکر لگانے، نت نئی اقسام کے کھانے پکانے، حد سے زیادہ کھانے اور مغرب کے بعد ٹیلی ویژن کے سامنے آ کر بیٹھ جانے سے ہمیں تراویح میں وہ ایمانی کیفیت حاصل ہو جائیگی جس پر ہمارے پچھلے گناہوں کی بخشش کا مدار ہے؟ آخر کیا وجہ کہ رمضان کے چند ایام گزرنے کے بعد تراویح اور دیگر نمازوں میں نمازیوں کی صفیں کم ہونا شروع ہو جاتی ہیں؟ جبکہ بازار کی رونقیں بڑھنا شروع ہو جاتی ہیں، اور ہر گزرنے والے دن کے ساتھ وہاں رش میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا

ہے، حتی کہ بعض لوگوں کا روزہ بھی بازار میں افطار ہونے لگتا ہے۔

خلاصہ اور پیغام:

برادران اسلام!

ہمارے آج کے درس کا خلاصہ اور پیغام یہ ہے کہ اللہ کے پاک پیغمبر نے ارشاد فرمایا جس نے رمضان کی راتوں میں ایمانی کیفیت اور اجر و آخرت کی نیت کے ساتھ نماز تراویح پڑھی تو اس کے پچھلے گناہوں کو اللہ تعالی معاف فرمادیں گے۔ رمضان روحانی لذات اور ایمانی کیفیات کے حصول کا مہینہ ہے لیکن آج کل ہم جس طرز کی زندگی گزار رہے ہیں، یعنی ہمارا موجودہ لائف اسٹائل اور الیکٹرونک میڈیا یہ ہمیں روحانی لذات کو تلاش کرنیکی بجائے مادی لذات کی تلاش میں لگا دیتے ہیں، جس سے ہمیں وہ ایمانی کیفیت صحیح معنوں میں حاصل نہیں ہو پاتی جو رمضان کی خاص و عام عبادات کے لیے مطلوب ہے اور جس پر ہماری بخشش کا دارومدار ہے لہذا ضروری ہے کہ رمضان سے پہلے ہی یہ سوچ لیا جائے کہ ہمیں رمضان کیسے گزارنا ہے، تا کہ رمضان کی پہلے سے بھرپور تیاری کی جائے۔

دعا فرمائیں اللہ رب العزت ہمیں صحیح معنوں میں روزے دار بنائے اور رمضان میں ایمان کی لذت سے محروم نہ فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

علمی وفکری خطاب

ذیل میں علمی وفکری خطاب کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کو پڑھ کر ہم اس کی ترتیب سے عملی طور پر واقف ہو سکیں۔ فرض کریں آپ کو منشیات کے عالمی دن کے موقع پر کسی ادارے کی طرف سے لیکچر کے لیے بلایا گیا ہے۔

موضوع: منشیات کا استعمال اور نقصانات دین اور سماج کی نظر میں

قابل قدر سامعین! آج کا لیکچر آئے روز منشیات کے بڑھتے ہوئے استعمال اور ان سے جنم لینے والی معاشرتی برائیوں اور بیماریوں کے بارے میں ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت نمبر 90 میں ذاتِ لم یزل نے چار قسم کے گناہوں کو ذکر کر کے انہیں شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ ان چار گناہوں میں سب سے پہلا گناہ شراب ہے جو منشیات سے تعلق رکھتا ہے۔ لہو ولعب، عیش ونشاط، گناہ ومستی اور عادت کی بنا پر نشہ آور اشیا کا استعمال ہمارے معاشرے کا ایک ایسا گھناونا فعل ہے جس کے نتیجے میں افرادِ معاشرہ بالخصوص نوجوان نسل تباہی اور بربادی کے دہانے کی طرف کھینچی چلی جارہی ہے۔ چنانچہ آج کے درس میں اس اہم موضوع پر تین پہلوؤں سے گفتگو ہوگی۔

(ا) منشیات کا تعارف

(۲) عقل میں فتور پیدا کرنے والی نشہ آور اشیا کا حکم

(۳) ان اشیا کے استعمال سے پیدا ہونے والی بیماریاں اور معاشرتی مسائل

حاضرین گرامی!

ہمارے ہاں جب منشیات کا لفظ بولا جاتا ہے اور اس کی مذمت کی جاتی ہے یا اس کے انسداد کی بات ہوتی ہے تو اس سے مراد عموماً وہ چیزیں لی جاتی ہیں جو نشہ آور ہوں اور ان کے استعمال سے عقل میں فتور پیدا ہوتا ہو۔ جیسے ہمارے ہاں عام طور پر شراب، چرس، افیون، ہیروئن اور بھنگ وغیرہ کو لوگ لہو لعب کے لیے یا عادت کے طور پر بلا ضرورت صرف نشہ کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ نشہ ہی وہ بنیادی وجہ یا علت ہے جس کی بنیاد پر شراب کے ساتھ ساتھ چرس، افیون، ہیروئن، بھنگ اور دیگر نشہ آور اشیا حرام ہیں۔ کیونکہ حرام کرنے والی جو چیز شراب میں پائی جا رہی ہے وہی چیز ان اشیاء میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہذا جو حکم شراب کا ہے وہی حکم ان اشیاء کا بھی ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم اور دار قطنی میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: "کل مسکر خمر و کل خمر حرام" ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے۔ ایسے ہی صحیح مسلم، ابوداود اور ترمذی میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: کل مسکر خمر و کل خمر حرام ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے۔ بعض خود فریبی میں مبتلا لوگ یہ کہتے ہیں کہ منشیات کی اتنی مقدار جس سے عقل میں فتور اس سے پہلے اگر کم مقدار میں پی لی جس سے عقل درست رہی اور نشہ بھی نہیں آیا تو وہ حرام نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند امام احمد و معانی الآثار (طحاوی شریف) میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ما استکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنی جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ کیونکہ نشہ آور شی کی کثیر مقدار جو نشہ لاتی ہے اس وقت تک اس کا وجود ہی نہیں ہو سکتا جب تک اس سے پہلے اس کی کوئی قلیل مقدار موجود نہ ہو۔ کیونکہ کثیر چیز قلیل چیز سے مل کر بنتی ہے۔ شراب کا وہ آخری گھونٹ جس کے بعد نشہ طاری ہو جاتا ہے اس وقت تک نشہ نہیں لا سکتا جب تک اس میں پہلا دوسرا اور بقیہ گھونٹ شامل نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوا نشہ جس

طرح آخری گھونٹ میں پایا جاتا ہے اسی طرح پہلے گھونٹ میں بھی پایا جاتا ہے۔

حضرات محترم !اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک کلام سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے ہاں رائج نشہ آور اشیاء جنہیں لوگ عیاشی، مستی یا عادت سے مجبور ہو کر پیتے ہیں۔ جیسے: چرس، افیون، ہیروئن اور بھنگ وغیرہ یہ بالکل شراب کی طرح ہیں۔تو اس سے ہمیں ان نشہ آور اشیا کا اسلامی تعلیمات میں حکم بھی معلوم ہو گیا یعنی جس طرح شراب کے عادی شخص پر شراب پینا حرام ہے۔ ویسے ہی چرس کے عادی شخص پر چرس پینا حرام ہے۔ ہیروئن کے عادی پر ہیروئن پینا حرام ہے۔افیون کے عادی پر افیون اور بھنگ کے عادی شخص کے لیے بھنگ پینا حرام ہے۔خواہ تھوڑی پیئے یا زیادہ پیئے۔

منشیات کے تعارف اور اس کے حکم کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے پیدا ہونے والے معاشرتی مسائل اور بیماریاں کیا کیا ہیں؟

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر 90 جو درس کی ابتدا میں تلاوت کی گئی جس میں اللہ تعالیٰ نے شراب سے بچنے اور اس کو چھوڑنے کا حکم فرمایا۔اس میں الہ العالمین نے نشہ آور اشیا کو ’’رجس‘‘ قرار دیا ہے اور شیطانی عمل کہا ہے۔

رجس کیا ہے؟ رجس گندگی کو کہتے ہیں۔امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی رجس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے گندگی اور غلاظت کے معنی میں لیا ہے۔گویا چرس، ہیروئن، افیون، بھنگ یا شراب کا عادی مجرم معاشرے کا انتہائی گھٹیا، نجس اور ناپاک آدمی ہے جو نشہ نہیں کر رہا بلکہ غلاظت کھا رہا ہے۔نجاست اور گندگی استعمال کر رہا ہے۔جسے دیکھ کر ہی گھن آنے لگتی ہے۔ اور ہر سلیم الطبع آدمی کا جی متلانے لگتا ہے۔اس کے ساتھ بیٹھنے والے کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اس آیت کریمہ میں اس سے بچنے کا حکم فرمایا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا ’’فاجتنبوه لعلكم تفلحون‘‘ ان سے بچو تا کہ تم فلاح پا سکو۔یعنی خدائے ذوالجلال نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ منشیات کا عادی شخص نہ تو اس دنیا

میں کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس دنیا میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ یہاں بھی اس کے حصہ میں ذلت ہے اور آخرت میں بھی وہ رسوا ہوگا۔ ہم یقیناً مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ جو آدمی بھی نشے کا عادی ہوتا ہے معاشرے میں اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس کے خاندان کے لوگ بھی اسے ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں۔ اس سے کتراتے ہیں۔ اس کے ساتھ رشتہ ناطہ جوڑتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اپنے گھر میں آنے سے منع کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ آدمی بالکل تنہا رہ جاتا ہے اور جب ساری کمائی شراب کی بوتل، ہیروئن کی پڑیا اور چرس کے سگریٹ لینے کے چکر میں لٹ جاتی ہے تو پھر آدمی اپنے گھر کا سامان حتیٰ کہ اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کے کپڑے تک بیچ ڈالتا ہے تاکہ اپنا نشہ پورا کر سکے۔ جب کچھ نہیں بچتا تو پھر کسی پُل کے نیچے، سڑک کے کنارے، گندگی کے ڈھیر پر، کہیں کسی کچرا کنڈی کے پاس سے ایک لاش ملتی ہے ۔۔۔۔۔ کمزور ۔۔۔۔۔ لاغر ۔۔۔۔۔ وقت سے پہلے بوڑھی ہو جانے والی ۔۔۔۔۔ چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی لاش ۔۔۔۔۔ جس کا ایک خوشیوں بھرا گھر ہوا کرتا تھا ۔۔۔۔۔ ایک خوشحال خاندان ہوا کرتا تھا ۔۔۔۔۔ مگر آج اس لاش کا وارث کوئی بھی نہیں۔ لہٰذا فاجتنبوہ لعلکم تفلحون سے معلوم ہوا منشیات سے نہ بچنے والوں اور اس کی لت میں گرفتار ہونے والوں کو کہیں امان نہیں ملتی۔

معاشرے اور ریاست کا مسئلہ:

منشیات کے استعمال سے پیدا ہونے والا دوسرا بڑا معاشرتی مسئلہ: بغض، عداوت، ایک دوسرے سے دشمنی اور لڑائی جھگڑے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت نمبر 91 میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر۔ شیطان تو چاہتا ہی یہی ہے کہ شراب اور جوے سے تمارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے۔ بغض و عداوت دنیاوی خرابیوں میں سب سے زیادہ خطرناک برائیوں میں ہیں۔ کیونکہ ان کے نتیجے میں معاشرہ فساد کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ اور جان، مال، عزت، آبرو کے حوالے سے مختلف قسم کے گناہ وجود میں آتے ہیں۔ لوگ خود غرض اور پتھر دل ہو جاتے ہیں۔ منشیات کی لعنت کو پورا کرنے کے لئے جرائم کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔ برٹش ہوم آفس کی ویب

سائٹ کے مطابق دنیا کے 90 فی صد مجرم سلامتی کونسل کے پانچ رکن ممالک یعنی امریکہ، روس، چین، برطانیہ اور فرانس میں پائے جاتے ہیں۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں جرائم کے اس قدر پھیلاؤ کا بنیادی سبب شراب اور دیگر منشیات کا استعمال ہے۔

اگر یورپی لوگوں کے جرائم کی داستان پڑھی جائے تو معلوم ہوگا کہ یورپ کے اکثر باشندوں کو سڑکوں اور گلیوں میں چوری اور ڈکیتی کا خوف رہتا ہے۔ اس خوف کی وجہ سے لوگ نفسیاتی مریض بن رہے ہیں۔ امریکہ کی جیلوں میں دنیا کی سب سے زیادہ مجرم قید ہیں۔ ہر چوتھا امریکی زندگی میں ایک بار کسی نہ کسی جرم میں مبتلا ہو کر سزا پا چکا ہے۔ اس ساری غنڈہ گردی کا براہِ راست تعلق شراب کے استعمال کی کثرت ہے۔ یورپی ممالک کی سیرگاہوں، باغات اور پارکوں میں منشیات استعمال کرنے والوں کی کثرت ہے جو سرنج سے منشیات استعمال کر کے انہیں پھینک دیتے ہیں، اور ہنگامے مچاتے ہیں۔ جبکہ یونان، پرتگال، لکسمبرگ، اسپین، اٹلی، فن لینڈ سویڈن، ہنگری اور ڈنمارک میں منشیات سے ملحق جرائم کا کوئی شمار نہیں۔ یہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کا حال ہے جنہیں دنیا کی جنت کہا جاتا ہے۔ وہاں شراب اور منشیات کے عام استعمال کے نتیجے میں لوگ شرافت کی زندگی چھوڑ کر جرائم کی دنیا میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور اقبال کے الفاظ میں "اپنے ہی خنجر سے خودکشی کر رہے ہیں۔"

منشیات کے استعمال سے پیدا ہونے والا بغض وعداوت کا معاشرتی مسئلہ صرف افراد معاشرہ تک ہی محدود نہیں بلکہ ریاستوں اور مملکتوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ جیسے حال ہی میں یعنی نومبر 2014ء میں روس اور اب امریکہ کے درمیان سخت چپقلش رہی۔ اور سفارتی سطح پر خاصی گرما گرمی ہوئی۔ روس نیٹو پر مسلسل تنقید کرتا رہا۔ وجہ یہ تھی کہ روس افغانستان میں افیون کے حوالے سے امریکی اقدامات سے غیر مطمئن تھا۔ کیونکہ افغانستان میں کاشت ہونے والی ہیروئن اور اس سے بننے والی ہیروئن کے نتیجے میں حکومت کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق روس میں ہر سال 30 ہزار نوجوان منشیات کے عادی ہو کر ہلاک ہو رہے ہیں۔ اور روس ہر سال اپنے 30 ہزار نوجوانوں کی ہلاکت کا ذمہ دار امریکہ کو قرار دیتا ہے۔ جس سے دونوں ملکوں کے درمیان بغض و

عداوت کی جنگ چل رہی ہے۔ گویا قرآن پاک نے سورہ مائدہ کی آیت نمبر 91 میں شراب و منشیات کے حوالے سے جس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ اس کے استعمال سے بغض وعداوت پیدا ہو تی ہے، اس حقیقت کا مشاہدہ صرف ایک فرد یا معاشرے تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیا کی طاقتور ترین ریاستوں میں بھی قرآن پاک کے اس فرمان کو سچ ہوتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرات محترم !

پوری انسانیت کا مسئلہ

منشیات سے پیدا ہونے والے معاشرتی مسائل میں سے تیسرا بڑا مسئلہ پوری انسانیت سے تعلق رکھتا ہے اور یہ فحاشی، عریانی اور بے راہ روی کا فروغ ہے۔ طبرانی اوسط کی حدیث ہے جس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : الخمرام الخبائث۔۔۔۔ شراب تمام خباثتوں کی جڑ ہے۔ یقیناً ہم اپنے آس پاس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سچ ہوتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ جو آدمی شرابی ہوگا وہ بدکرداری میں بھی ضرور مبتلا ہوگا۔ ہمارے ہاں بڑے بڑے ہوٹلوں میں جہاں شراب عام ہے وہاں بے حیائی تو عام ہی ہے کیونکہ وہاں آزادی ہے۔ بے حیائی پر کوئی قدغن نہیں۔ لیکن اس آزادی اور فحاشی سے جو جرائم جنم لے رہے ہیں تاریخ میں اس کی مثال کوئی نہیں ملتی۔ مثلاً: زنا کی آزادی، ہم جنس پرستی کی قانونی اجازت کے بعد محرم رشتوں سے بدکاری کی مثالیں بھی وہاں عام ہیں۔ باپ بیٹی اور بہو سے، داماد ساس اور سالی سے، بھتیجا پھوپھی سے غلط کاری کر رہا ہے۔ بھائی، بہن کی آبرو لوٹ رہا ہے۔ مغرب میں محرمات سے جبر اور بالرضا جنسی تعلق عام سی بات ہے۔ انسان اس قدر گر جائے گا یہ کسی کے تصور میں نہ تھا۔ لیکن مغرب میں ام الخبائث کی خباثتوں کے نتیجے میں آج سب کچھ عام ہے۔ یہ اخلاقی قحط کی بدترین شکل ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی صداقت بھی روز روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے۔ جسے ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھما آپ سے شراب کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں: ھی اکبر الکبائر وام الفواحش من شرب الخمر ترک الصلوٰۃ وقع علی امہ وخالتہ وعمتہ (الزواجر 2/ 156 الخمرام الخبائث ص16)

ترجمہ: یہ شراب کبائر سے بھی بڑا گناہ اور فحاشی کی جڑ ہے۔ جو شخص شراب پیتا ہے وہ تارک نماز ہوجاتا ہے۔ اور اپنی ماں، خالہ اور پھوپھی سے بھی برائی کر بیٹھتا ہے۔

سامعین گرامی!

اب ہم شراب کے نتیجے میں معاشرے میں پیدا ہونے والی فحاشی اور اس سے جنم لینے والے جرائم کی ایک رپورٹ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ رپورٹ بھی ترقی یافتہ ممالک کے مکروہ چہرے سے نہ صرف نقاب اٹھاتی ہے بلکہ شراب کے پیدا کردہ ایک بہت بڑے معاشرتی بگاڑ کی طرف بھی توجہ دلاتی ہے۔ Apc کی ویب سائٹ سے حاصل کی گئی یہ ہولناک رپورٹ بتاتی ہے کہ یورپی یونین کے 28 مہذب ممالک میں خواتین شدید قسم کے گھریلو تشدد، جسمانی، جنسی اور ذہنی تشدد کا شکار ہیں۔ رپورٹ (6 مارچ 2014 تک) کے مطابق ڈنمارک میں 52 فی صد، فن لینڈ میں 47 فی صد، سویڈن میں 46 فی صد، پولینڈ میں 19 فی صد، آسٹریلیا میں 20 فی صد اور کروشیا میں 21 فی صد عورتوں نے گھریلو تشدد، جنسی زیادتی اور جسمانی اذیت کی رپورٹ درج کروائی ہے جبکہ اپنے دوستوں کے ہاتھوں شدید تشدد کا شکار ہونے والی صرف 14 خواتین رپورٹ درج کراتی ہیں۔ بقیہ رپورٹ ہی درج نہیں کرواتی۔

مغرب میں عورتوں پر اس قدر ظلم کرنے والے مردوہ ہوتے ہیں جو شراب کے نشے میں مست ہوتے ہیں۔ شراب ان کو تمام گناہوں پر اکساتی ہے۔ اسی لیے شراب کو اسلام میں ام الخبائث اور دیگر مذاہب میں فساد کی جڑ کہا گیا ہے۔ شراب کے نتیجے میں زنا عام ہونے کے باعث آج مغربی ممالک میں خاندانی نظام ختم ہوچکا ہے۔ لوگ شادی کر کے گھر بسانے پر تیار نہیں۔ جس کی وجہ سے مغرب کے لیے اگلی صدی کا سب سے بڑا خطرہ اپنی آبادی اور نسل کو باقی رکھنے کا ہے۔ مغرب کی آبادی بہت تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ جبکہ نئے بچے شادیاں نہ ہونے کے باعث پیدا نہیں ہو رہے اور اس خطرناک صورتحال کا براہ راست تعلق شراب اور زنا سے ہے۔

حضرات محترم!

منشیات کے حوالے سے ہم اپنی گفتگو کے تینوں پہلوؤں یعنی منشیات کا تعارف، اس کا حکم اور اس سے جنم لینے والے معاشرتی مسائل پر تفصیلی بات کر چکے ہیں۔ اب ایک نظر سگریٹ، نسوار اور شیشے پر بھی ڈالتے ہیں تا کہ ہماری سوسائٹی میں پھیلی ہوئی اس وبا کے برے اثرات اور اس سے پھیلنے والے امراض کو جان کر ہم اس سے بچنے کی کوشش کریں۔ حضرات علما کرام اگر چہ ان اشیا پر حرام ہونے کا حکم تو نہیں لگاتے لیکن ''ضرر شدید'' کی صورت میں یعنی جب انسان کی صحت کو ان کے استعمال سے بہت زیادہ نقصان پہنچ رہا ہو تو پھر ان کا حکم ممنوع کا ہے یعنی لوگوں کو ان اشیا کے استعمال سے رکنے کا کہا جائے گا۔

آج جب ہم تمباکو نوشی کے طبی نقصانات کا جائزہ لیتے ہیں تو 31 مئی 2014 کو عالمی یوم انسداد تمباکو مناتے ہوئے عالمی ادارہ صحت نے جو اعداد شمار شائع کیے ہیں ان کے مطابق ایک محتاط اندازے کے مطابق ہر سال 60 لاکھ افراد تمباکو نوشی کے باعث لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ جناح پوسٹ گریجویٹ میڈیکل کالج کراچی کے شعبہ میڈیسن کے سربراہ اور چیسٹ ہیلتھ اینڈ ایجوکیشن سوسائٹی کے صدر پروفیسر ڈاکٹر ندیم رضوی کا کہنا ہے کہ عالمی ادارہ صحت نے دنیا بھر میں 8 امراض جان لیوا قرار دیے ہیں جن میں سے 6 عوارض کے لاحق ہونے کی بنیادی وجہ تمباکو نوشی ہے۔ مثلاً: عارضہ قلب، دمہ، ٹی بی اور پھیپڑوں کا کینسر وغیرہ۔ اسی طرح پیسیو اسموکنگ یعنی سگریٹ کے دھوئیں سے ساتھ بیٹھے شخص کو بھی پھیپھڑوں کا کینسر ہو سکتا ہے۔ پاکستان میں 2 کروڑ کے لگ بھگ افراد جن میں 33 فی صد مرد اور 74 فی صد خواتین ہیں اسی موذی مرض کا شکار ہیں۔ کیا سگریٹ اور تمباکو نوشی کے یہ نقصانات اس بات کے لیے کافی نہیں کہ ہم اس عادت بد کو چھوڑ دیں۔

1443 میں کولمبس کے امریکہ دریافت کے سفر میں راہب vamonpane کی ایجاد کردہ نسوار جو اٹھارویں صدی تک یورپ میں پورے طریقے سے پھیل چکی تھی۔ اور نپولین بونا پارٹ جیسے مشہور لوگ نسوار استعمال کر رہے تھے، غیر ملکی کمپنیوں کی آمد کے ساتھ ہندوستان میں بھی پہنچ گئی۔

اور آج صوبہ خیبر پختونخواہ کے 35 فی صد نوجوان بہت شوق سے نسوار استعمال کر رہے ہیں۔
محکمہ صحت کی رپورٹ کے مطابق نسوار استعمال کرنے والے 80 فی صد افراد کو مسوڑھوں کے کینسر کے خطرات لاحق ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ شیشہ پینے والے جامعات کے 42 فی صد طلبا اور 11 فی صد طالبات شیشہ پینے کی لت میں مبتلا ہیں۔ اور وہ تمام لوگ جو گٹکا، پان اور مین پوری کے استعمال سے خطرناک امراض میں مبتلا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا ہمیں یہ پیغام نہیں دیتے کہ سگریٹ، نسوار، گٹکا اور شیشہ موت کے راستے کی طرف لے جاتے ہیں۔ کیا جب ان اشیاء سے پہنچنے والا نقصان اس قدر زیادہ ہے تو شرعاً ہمیں اس کے استعمال سے رکنا نہیں چاہیے؟ محدود وسائل کے بعد بھی جب وطن عزیز کے لوگ سالانہ 20 ارب صرف تمباکو نوشی پر صرف کرتے ہیں اور خیبر پختونخواہ کے 15 سے 25 سال کے نوجوان روزانہ 2 کروڑ 16 لاکھ 52 ہزار روپے کی نسوار کھاتے ہیں کیا پاکستانیوں کا یہ عمل فضول خرچی کے زمرے میں نہیں آتا؟

کیا کلام پاک میں فضول خرچی کرنے کی اجازت دی گئی ہے؟

شیطان کا بھائی کون ہے؟

جب پیاز کھا کر مسجد میں آنا شریعت کی رو سے منع ہے کیونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے تو کیا جگہ جگہ گری ہوئی نسوار کی استعمال شدہ غلیظ گولیاں اور سگریٹ کے بو سے مسلمانوں کو تکلیف نہیں پہنچتی؟

جب مسلمان کو تکلیف پہنچانا حرام ہے تو کیا تمباکو نوشی کرنے والوں کو کبھی یہ خیال آیا کہ ہم اپنے عمل سے لوگوں کو تکلیف پہنچا کر حرام کام کر رہے ہیں؟

جب یہ جسم ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے تو کیا منشیات کے استعمال کے نتیجے میں اپنے جسم کو خطرناک امراض میں مبتلا کر کے اللہ کی امانت میں ہمیں خیانت کرنے کا کوئی حق حاصل ہے؟

خلاصہ و پیغام :

حضرات محترم

ہمارا آج کا لیکچر منشیات کے استعمال کے حوالے سے تھا جس میں ہم نے تین اہم نکات پر گفتگو کی۔

(1) منشیات کا تعارف

(2) عقل میں فتور پیدا کرنے والی نشہ آور اشیا کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حکم

(۳) نشے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشرتی مسائل اور اسی کے ضمن میں ہم نے سگریٹ، نسوار اور شیشے کے طبی نقصانات اور معاشرے کے دیگر افراد کو اس سے پہنچنے والی تکلیف اور ایذا پر بات کی۔ ساتھ یہ بھی بتایا کہ محدود وسائل کے باوجود پاکستانی قوم سالانہ 20 ارب روپے تمباکو نوشی کر کے نہ صرف فضول خرچی کا ارتکاب کرتی ہے بلکہ خطرناک بیماریوں کا شکار بھی ہوتی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ منشیات کی لت سے چھٹکارا کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اس کے لیے جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ روحانی علاج انتہائی ضروری ہے۔ سب سے پہلے برے دوستوں کی دوستی چھوڑ کر اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ اس سے نہ صرف پریشان کن حالات میں دل پرسکون رہے گا بلکہ غیر معمولی برداشت اور مضبوط قوتِ ارادی بھی میسر آئے گی۔ جس سے نشہ کی عادت آسانی سے چھوڑی جا سکتی ہے۔ اور دوسری چیز جس کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ہر اس راستے سے واپس لوٹ آئیں جو عریانی، فحاشی اور بے حیائی کی طرف جاتا ہے۔ اگر ان دو باتوں پر انسان عمل کر لے، ایک تو یہ کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کر لے، دوسرا کسی بھی صورت میں بے حیائی کی طرف نہ جائے تو اللہ سے امید ہے کہ وہ اپنے بندے کو نشے کی موذی عادت سے ہمیشہ محفوظ رکھیں گے۔ رب کریم ہم سب پر رحم فرمائے اور ہمیشہ اپنے فضل و کرم کے سائے میں رکھے۔

وما علینا الا البلاغ

مجلسی تقریر

عنوان: اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم أما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ یاایها الناس قد جاء کم برهان من ربکم ﴾

صدق اللہ العظیم.

سامعین گرامی!

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے، میرا محبوب ﷺ میری ربوبیت اور الوہیت کی دلیل بن کر آیا، اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو معجزات عطا فرمائے، لیکن اپنے محبوب کو مجسم معجزہ بنایا، آج کسی نبی کا کوئی معجزہ دنیا میں موجود نہیں۔ ان کے معجزات ان کے دور تک محدود تھے، لیکن امام الانبیاء ﷺ کے چند معجزات قیامت تک موجود رہیں گے، ان معجزوں میں ایک معجزہ سرکار دو عالم ﷺ کے دونوں اسمائے گرامی، نام نامی احمد اور محمد ہیں، جناب رسالت مآب کے دونوں اسمائے ذاتی احمد اور محمد کو اعجاز لفظی، تاثیر معنوی، فضائل و برکات، معرفت حق، اسرار و رموز اور عظمت و رفعت کے لحاظ سے رہتی دنیا تک بقاء و دوام حاصل ہے، ہزاروں برس سے یہ نام ہواؤں میں، فضاؤں میں، خلاؤں

میں، پہاڑوں میں، جنگلوں میں، صحراؤں میں، سمندروں میں، دریاؤں میں، حتی کہ عرش وفرش پر مسلسل قیامت تک گونجتا رہے گا، یہ معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔

حضرات محترم!

جناب رسالت مآب کے ذاتی نام احمد اور محمد ہیں، جب کہ صفاتی نام بے شمار ہیں، ایک روایت ہے کہ آپکے 99 صفاتی نام ہیں، دوسری روایت ہے کہ آپ کے 300 صفاتی نام ہیں، جب کہ علامہ سخاویؒ نے 400 صفاتی نام بیان کئے ہیں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے 500 صفاتی نام بیان کئے ہیں، صاحب "روح البیان" نے ایک ہزار (1000) صفاتی نام بیان کئے ہیں، قاضی ابوبکر ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح اللہ تعالی کے ہزاروں صفاتی نام ہیں، اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے صفاتی اسماء ایک ہزار ہیں، چنانچہ رحمت عالم صادق ہیں، امین ہیں، رحیم ہیں، کریم ہیں، یاسین ہیں، طٰہٰ ہیں، احسن ہیں، اجمل ہیں، اکمل ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابوطالب یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

وشق له من اسمه ليجله
فذو العرش محمود و هذا محمد

اللہ تعالی نے آپ ﷺ کی عزت افزائی کیلئے اپنے نام سے آپ کا نام مبارک نکالا، چنانچہ عرش والا محمود اور آپ محمد ہیں۔

یعنی رب تعالی کی سب سے زیادہ جس نے تعریف کی..................وہ احمد ہیں۔
اور رب تعالی نے سب سے زیادہ جس کی تعریف کی..................وہ محمد ہیں۔
رحمت عالم نے اللہ کی اس قدر حمد کی کہ آپ احمد ہو گئے۔
اللہ نے آپ کی اس قدر تعریف کی کہ آپ محمد ہو گئے۔

شمع رسالت کے پروانو!

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے اسم مبارک پر نام رکھنا مبارک اور نافع ہے، یہ دنیا میں

حالات اور آخرت میں نجات کا باعث بنے گا۔ حضرت علامہ امام یوسف بن اسماعیل نبھانیؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالی ایسے شخص کو طلب فرمائیں گے، جس کا نام محمد ہوگا، پروردگار عالم فرمائے گا تو نے میرے محبوب کے نام پر نام رکھا تجھے گناہ کرتے شرم نہ آئی لیکن مجھے تم کو عذاب دیتے شرم آتی ہے، تو نے حبیب کا نام اختیار کیا، اس مقدس اور پاکیزہ نام کے صدقے جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرکار دو عالم نے فرمایا کہ قیامت کے روز دو اشخاص دربار خداوندی میں پیش کئے جائیں گے، حکم ہوگا کہ انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے، انہیں تعجب ہوگا، عرض کریں گے کہ مولا کریم ہمارے اعمال نامے میں تو نیکی ہی کوئی نہیں، ہم تو جنت کے مستحق نہیں، پھر اس طرح فضل و کرم کا معاملہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ حکم ہوگا میرے بندو جنت میں جاؤ مجھے اپنی کبریائی کی قسم میرے جس بندے کا نام محمد اور احمد ہوگا اسے جہنم کی آگ میں نہ ڈالوں گا حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے بیٹے کا نام میری محبت، میری دوستی اور میرے تعلق کی بنا پر محمد رکھا، وہ شخص اور اس کا لخت جگر میرے ہمراہ جنت میں جائیں گے۔ جنت میں امام الانبیاء حضرت محمد کے ساتھ جانا کتنی بڑی سعادت ہوگی۔

حضرات محترم!

یہ ارض و سما کی وسعتیں..................... اسم محمد سے ہیں۔

یہ بزم کونین کی رونقیں..................... اسم محمد سے ہیں۔

یہ جہاں رنگ و بو..................... اسم محمد سے ہے۔

یہ چاند کا حسن، سورج کی تمتماہٹ، ستاروں کی جھلملاہٹ، سمندروں کا تلاطم، دریاؤں کی روانی، آبشاروں کا بہاؤ اور فرش کے سارے جلوے اسم محمد ﷺ سے ہیں۔

کائنات حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام بن کر رہ گئی

حاضرین مجلس!

تخلیق کائنات سے پہلے، تخلیق کائنات کے بعد اور پھر رحمت عالم کی بعثت کے بعد جس نام کی دھوم ہے، جس نام کے چرچے ہیں وہ اسم محمد ہے۔

یہی وہ مبارک نام ہے، جو اللہ کے نام کے بعد سب سے زیادہ پکارا گیا۔

یہی وہ مبارک نام ہے، جو اللہ کے نام کے ساتھ سب سے زیادہ پکارا گیا۔

میرے دوستو!

جناب رسالت مآب ﷺ کے ذاتی نام محمد اور پروردگار عالم کے ذاتی نام اللہ میں جو مماثلت ہے، یہ محبوبیت اور مقبولیت کا ثبوت ہے۔

لفظ اللہ کے حرف چار ہیں، تو لفظ محمد کے حرف بھی چار ہیں۔

اللہ کے نام میں بھی تشدید ہے تو محمدؐ کے نام میں بھی تشدید ہے۔

اللہ کے نام میں کوئی نقطہ نہیں تو محمد کے نام میں بھی کوئی نقطہ نہیں۔

اللہ کے نام میں حرف لام دو مرتبہ ہے تو محمد کے نام میں حرف میم دو مرتبہ ہے۔

اللہ کے نام میں لام جلال کا ہے تو محمد کے نام میں میم جمال کا ہے۔

اسم اللہ کے اعداد جفت ہیں، تو اسم محمد کے اعداد بھی جفت ہیں۔

اللہ کا نام لیں تو دونوں ہونٹ علیحدہ ہو جاتے ہیں، محمد کا نام لیں تو دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں۔

اللہ کے نام سے لبوں کا ایک دوسرے سے ہٹ جانا خالق اور مخلوق میں فاصلے کی نشاندہی کرتا ہے، اور محمد کے نام میں ہونٹوں کا مل جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر بندوں کو اللہ سے کوئی ملا سکتا ہے تو وہ یہی مبارک نام ہے۔

حضرات محترم!

اللہ کے حرف چار ہیں، چار کا عدد بھی کیا خوب ہے۔

ذرا غور کیجئے!

اللہ کے حرف چار۔۔۔۔محمد کے حرف چار۔۔۔۔احمد کے حرف چار۔۔۔۔قرآن کے حرف

چار۔۔۔کلمہ طیبہ کے حرف چار۔۔۔نماز کے حرف چار۔۔۔روزہ کے حرف چار۔۔۔زکوۃ کے حرف چار۔۔۔جہاد کے حرف چار۔۔۔عمرہ کے حرف چار۔۔۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے کلمے چار۔۔۔لا الہ الا اللہ کے کلمے چار۔۔۔مقرب ملائکہ چار (جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل)۔۔۔آسمانی کتابیں چار (توریت، انجیل، زبور، قرآن)۔۔۔بنیادی عناصر چار (آگ، پانی، مٹی، ہوا)۔۔۔افضل جماعتیں چار (انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین)۔۔۔جنت کے دریا چار (شہد، دودھ، پانی، شراب)۔۔۔جنت کے باغات چار (فردوس، نعیم، عدن، مادی)۔۔۔جنت کی نہریں چار (زنجبیل، سلسبیل، رحیق، تسنیم)۔۔۔جنت کی سرائیں چار (دارالحیوان، دار الخلد، دارالسلام، دار المقام)۔۔۔سمتیں چار۔۔۔موسم چار۔۔۔طریقت کے سلسلے چار (چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی)۔۔۔امام چار (امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ)۔۔۔اور خلفائے راشدین بھی چار ہیں (ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ)

سامعین گرامی!

جناب رسالت مآب کے دونوں اسمائے گرامی احمد اور محمد کا ہر حرف اپنے اندر معانی، مفاہیم اور مطالب کا سمندر سموئے ہوئے ہے، حضرت شیخ شہاب الدین نے اسم محمد کے چاروں حروف کے ضمن میں عجیب وغریب نکتے بیان کئے ہیں، اسم محمد م، ح، م، د، چار حروف کا مجموعہ ہے، محمد ﷺ کی "م" کے ایک معنی مٹانے کے ہیں۔

آپ دنیا میں آئے تو شرک مٹا۔

آپ دنیا میں آئے تو بدعت مٹی۔

آپ دنیا میں آئے تو فسق وفجور مٹا۔

آپ دنیا میں آئے تو بری رسموں کا خاتمہ ہوا۔

آپ دنیا میں آئے تو جہالت ختم ہوئی۔

آپ دنیا میں آئے تو بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا ختم ہوا۔

آپ دنیا میں آئے تو سوتیلی ماں سے نکاح ختم ہوا۔

آپ دنیا میں آئے تو شراب نوشی کا خاتمہ ہوا۔

آپ دنیا میں آئے تو ظلم کا خاتمہ ہوا۔

محمد کی "ح" کے ایک معنی حیات ابدی کے ہیں، جو آپ سے جڑ گئے، وہ قیامت تک کے لئے تابندہ ہو گئے، انہیں حیات ابدی نصیب ہو گئی، جنہوں نے دامن مصطفیٰ پکڑ لیا وہ قیامت تک کیلئے روشن ہو گئے۔

ذرا محبوب سے نسبت کا کمال تو دیکھئے:

آیا تو ابو بکر بن کے---------دامن مصطفیٰ سے جڑا تو صدیق بن گیا۔

آیا تو عمر بن کے---------دامن مصطفیٰ سے جڑا تو فاروق بن گیا۔

آیا تو عثمان بن کے---------دامن مصطفیٰ سے جڑا تو ذوالنورین بن گیا۔

آیا تو علی المرتضیٰ بن کے---------دامن مصطفیٰ سے جڑا تو حیدر کرار بن گیا۔

آیا تو بلال حبشی بن کے---------دامن مصطفیٰ سے جڑا تو مؤذن اسلام بن گیا۔

سید الکونین ﷺ ختم نبوت کے تاجدار تھے اپنی امت کے غم خوار تھے، آپ سراپا رحمت تھے، کرم کا سمندر تھے، رؤف الرحیم پیغمبر تھے، آپ نے ساری زندگی امت کی بخشش طلب کرنے میں گزاری، محمد کی دوسری "م" اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی دلیل ہے۔ لفظ محمد کی دال اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کا تعارف کروانے والی اگر کوئی ذات ہے تو وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات ہے۔ امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "م" کے معنی امین اور مامون کے ہیں۔ "ح" سے حبیب خدا مراد ہے۔ "م" ثانی محبت الٰہی اور مغفرت الٰہی کی علامت ہے۔ "د" دین کا نشان ہے۔

حضرات محترم!

پروردگار عالم نے بعض انبیاءؑ کو اپنے محبوب کے پیارے نام سے ایک ایک حرف عطا فرمایا ہے۔

جیسے آدم میں محمد کی "م" ----ابراہیم میں محمد کی "م" ----اسماعیل میں محمد کی "م"

سلیمان میں محمد کی "م" ---مسیح میں محمد کی "م" --نوح میں محمد کی "ح"

صالح میں محمد کی "ح" ----یحیی میں محمد کی "ح" ----اسحاق میں محمد کی "ح"

ہود میں محمد کی "د" ----آدم میں محمد کی "د" ----ادریس میں محمد کی "د"

برادران اسلام!

یہ دنیا بظاہر چاند سورج اور ستاروں سے روشن ہے، لیکن درحقیقت اسم محمد سے جگمگا رہی ہے۔

کیوں چاند میں کھوئے ہو، الجھے ہو ستاروں میں
آقا کو میرے دیکھو! قرآن کے پاروں میں

وما علینا الی البلاغ

نقابت

سب سے پہلے میں اپنے تمام معزز مہمانان گرامی کا انتہائی ممنون ہوں جو اپنی مصروفیت کے باوجود آقا علیہ الصلاۃ والسلام سے محبت کا ثبوت دینے کی خاطر آج کے اس روح پرور عظیم الشان اور نورانی اجتماع میں شریک ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ معزز علماء کرام، دینی مدارس، کالجز، یونیورسٹیز کے طلباء، تاجر برادری اور دیگر تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کا ختم نبوت کے تحفظ کے لیے آج کے دن جمع ہونا یقیناً قیامت کے روز ہماری بخشش اور نجات کا ذریعہ بنے گا۔ اہل محلہ، نوجوان دوست اور انتظامیہ جنہوں نے اپنی شبانہ روز کاوشوں سے اس پروگرام کو کامیاب بنایا اور ہمارے وہ بزرگ بھی یقیناً لائق تحسین ہیں جن کی دعائیں اس بابرکت تقریب کے انعقاد کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

سامعین محترم!

آج کا یہ روحانی، نورانی اور عظیم الشان اجتماع سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے معنون ہے۔ تاجدار ختم نبوت، دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل، ھادی کل، ساقی کوثر، شافع محشر، سید الانبیاء، خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنا کسی انسان کا کام نہیں، یہ عالی مرتبت عمل اگر کوئی کرے تو رب رحمان کرے اور اسے بیان بھی کوئی کرے تو اسی کا قرآن کرے۔

انسان حضور عالی مقام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرنا بھی چاہے تو سوائے اپنی عاجزی کے

اور کچھ نہ بیان کر پائے، شاعر نے کیا خوب کہا:

تھکی ہے فکر رسا مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

ایک اور شاعر جب آقا علیہ السلام کی عظمت کے سامنے تھک کر ہار جاتا ہے تو یوں گویا ہوتا ہے:

خیال بس میں نہیں ، لفظ دسترس میں نہیں
قصیدہ کیسے کہوں پیکر مثالی کا
مجال کیا کہ سمندر کو میں سمیٹ سکوں
کہ میرا ظرف ہے ٹوٹی ہوئی پیالی کا

حضور عالی مقام صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گرفتار اور صاحب حال جب آقا کی سیرت کا احاطہ کرنا چاہتا ہے تو اپنی ہار مان کر کچھ اس طرح اظہار خیال کرتا ہے:

خدا اگر محمد کو پیدا نہ کرتا، خدا کی قسم یہ خدائی نہ ہوتی
جہاں سے جہالت نہ کافور ہوتی محمد کی اگر رہنمائی نہ ہوتی
نہ جنت ، نہ دوزخ خدا پیدا کرتا ، گر احمد کی جلوہ نمائی نہ ہوتی
خدا جانے شمس و قمر پوجتے ہم، گر ہدایت محمد سے پائی نہ ہوتی

تو ایسے میں جب بڑے بڑے ادیب، شاعر، قلم کار، خطیب، مؤرخ، محقق بھی یہ کہہ اٹھیں کہ ہم ک پیغمبر کی شان تو نہیں بیان کر سکتے ہم تو صرف اپنے الفاظ کو آقا علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے شرف عطا کرنا چاہتے ہیں تو میں بھی فقط یہی کہہ سکتا ہوں:

تیرے ہوتے جنم لیا ہوتا، کاش! پھر تو مجھے ملا ہوتا
تیرے مسکن کے گرد شام وسحر بن کے منگتا میں پھر رہا ہوتا

ذرہ ہوتا میں ریگزاروں کا تیرے قدموں کو چومتا ہوتا
چاند ہوتا میں آسمانوں پر آقا! تیری انگلی سے کٹ گیا ہوتا
آپ آتے میرے جنازے پر، تیرے ہوتے ہی مرگیا ہوتا

سامعین مکرم!

آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو آپ کا خاتم النبیین ہونا ہے اسی لیے ہمارے آج کے جلسے کا عنوان بھی سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حضرات محترم! ختم نبوت کے عنوان پر دلائل، حقائق، شواہد، براہین درجنوں نہیں بلکہ لاکھوں، ان گنت اور بے شمار ہیں۔

اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ارض انسانی کی ہر مسجد اور مدرسہ حضور کی ختم نبوت کی دلیل ہے،
اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی نبی کی ختم نبوت کی دلیل ہے،
اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اللہ کے قرآن کی ہر آیت، قرآن کا ہر نقطہ، قرآن کا ہر شوشہ، قرآن کا ہر جملہ، قرآن کی ہر آیت کا ربط، قرآن کی ہر سورت یہ ختم نبوت کی دلیل ہے،

کعبۃ اللہ کا وجود یہ ختم نبوت کی دلیل ہے،
مسجد نبوی کا قیام یہ ختم نبوت کی دلیل ہے،
پیغمبر کا روضہ یہ ختم نبوت کی دلیل ہے
تو ان میں سے کوئی دعویٰ بھی بے جا نہ ہوگا۔

عقیدہ ختم نبوت ہر مسلمان کی پہچان ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں اس عقیدے پر امت مسلمہ کے تمام افراد متفق ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی دعویٰ نبوت کرے وہ کذاب، دجال اور مفتری ہے۔ اللہ کے کلام کی ایک سو آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی دو سو سے زائد احادیث مبارکہ اس مسئلے پر دلالت کرتی ہیں قرآن پاک میں سورۃ الاحزاب میں فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم باپ نہیں تمہارے مردوں میں سے کسی کے، لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔

خود محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قصر نبوت کی آخری اینٹ ہوں اور میرے آنے کے بعد قصر نبوت اپنی تکمیل کو پہنچ گیا اور میں آخری نبی ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب خاتم الکتب،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین خاتم الادیان،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت خاتم الشرائع،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ختم نبوت ہے۔

سامعین گرامی!

ایک مرتبہ پھر میں دور دور سے تشریف لانے والے معزز علماء کرام، مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اسی کے ساتھ ہی تلاوت کلام پاک سے آج کے جلسے کا باقاعدہ آغاز کرتا ہوں۔

تلاوت کلام پاک کے لیے میں درخواست کروں گا انتہائی خوب صورت اور مسحور کن آواز کے مالک زینت القراء، شمس القراء، جناب حضرت مولانا قاری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دامت برکاتہ سے کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور قرآن پاک کی تجلیوں سے ہمارے دلوں کو منور فرمائیں، محترم جناب قاری۔۔۔۔۔۔۔۔صاحب۔

(تلاوت ختم ہونے کے بعد)

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

یہ تھے جناب حضرت مولانا قاری۔۔۔۔۔۔۔۔صاحب، جو آپ کے سامنے تلاوت کلام پاک کا شرف حاصل کر رہے تھے۔

ذکر خدا کے بعد لازم ہے ذکر مصطفیٰ،

بارگاہ رسالت میں ہدیہ نعت پیش کرنے کے لیے میں جس شخصیت کو مدعو کرنا چاہتا ہوں نعت گوئی کی دنیا میں آپ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، ایک ایسی خوبصورت آواز جس نے بہت کم عرصے میں پورے پاکستان میں اپنی الگ پہچان بنالی، عالمی مجلس ختم نبوت کے اکابرین کے ساتھ بھی آپ کو مختلف اسفار کی سعادت نصیب ہوئی۔

پاکستان میں قومی سطح کی محافل نعت ہوں یا دینی مجالس، آپ کی شرکت کو ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ بلا تاخیر میں دعوت دینا چاہوں گا پنجاب سے تشریف لائے ہوئے ہمارے معزز مہمان، انتہائی سریلی آواز کے مالک جناب حضرت مولانا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صاحب کو کہ آپ مائیک پر تشریف لائیں اور ہمارے دلوں میں عشق مصطفیٰ کی شمع روشن فرمائیں۔

نعت کے بعد

محمد آبروئے لفظ یا لفظوں کی رعنائی
محمد علم وحکمت رمز وعرفاں ، عقل و دانائی
محمد کب کسی انسان کے حد گمان تک ہیں
محمد کا سفر غار حرا سے آسماں تک ہے

یہ تھے جناب حضرت مولانا۔۔۔۔۔۔۔۔۔صاحب، جو بارگاہ رسالت میں نعت کے پھول پیش فرمارہے تھے۔

عزیزان محترم!

ختم نبوت کے حوالے سے بات ہو اور ہم بھول جائیں شہید ختم نبوت برادر محترم جناب اصباح الرحمٰن شہید کو، یہ بھلا کیسے ممکن ہے۔

21 برس کا وہ کڑیل جوان جسے قادیانیت کی نظر بد کھا گئی۔ وہ ہر دل عزیز نوجوان جو آج بھی

[illegible] کے دلوں میں اپنی یادوں اور محبتوں کے چراغ روشن رکھے ہوئے ہے وہ ایسا عظیم
وہ ہیرو جس نے ختم نبوت کے نام پر جان لٹا کر ہم سب کو یہ پیغام دیا:

میرے تن کے زخم نہ گن ابھی ، میری آنکھ میں ابھی نور ہے
میرے بازوؤں پہ نگاہ کر جو غرور تھا وہ غرور ہے
ابھی رزمگاہ کے درمیاں، ہے مرا نشان کھلا ہوا
ابھی تازہ دم ہے میرا فرس، نئے معرکوں پہ تلا ہوا
میں اسی قبیلے کا فرد ہوں، جو حریف سیل بلا رہا
اسے مرگزار کا خوف کیا، جو کفن بدوش سدا رہا
سو میرے غنیم نہ بھول تو کہ ستم کی شب کو زوال ہے
تیرا جور و ظلم بلا سہی میرا حوصلہ بھی کمال ہے
تجھے مان جوش و گرز پر، مجھے ناز زخم بدن پہ ہے
یہی نامہ بر ہے بہار کا ، جو گلاب میرے کفن پہ ہے

اب بلا تاخیر سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے سب سے پہلے میں جس محترم اور مکرم شخصیت کو دعوت دینا چاہتا ہوں، بلاشبہ وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے عظیم مبلغ، خطیب شعلہ بیاں، ہر دل عزیز نوجواں ،جناب حضرت مولانا۔۔۔۔۔۔۔صاحب، میں آپ سے التماس کروں گا کہ آپ مائیک پر تشریف لائیں اور اپنے مخصوص انداز میں ہمارے دلوں کو گرمائیں، جناب حضرت مولانا۔۔۔۔۔۔صاحب۔

(پہلے خطاب کے بعد)

یونہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ ان کی رسم نئی ہے نہ اپنی ریت نئی
یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول

نہ ان کی ہار نئی ہے نہ اپنی جیت نئی

یہ تھے جناب حضرت مولانا..........صاحب جو انتہائی خوبصورت انداز میں اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے تھے۔

(اختتامی بیان)

سامعین گرامی!

اب وہ گھڑی آن پہنچی کہ جس کا ہم سب کو انتظار تھا، پیرانہ سالی کے باوجود پنجاب سے تشریف لائے ہوئے ہمارے معزز مہمان، ہمارے سروں کے تاج، بزرگ شخصیت، شاہین ختم نبوت حضرت مولانا..........صاحب، آپ کے سامنے اسٹیج پر جلوہ افروز ہیں، برصغیر پاک و ہند میں جب بھی دفاع ختم نبوت کی تاریخ رقم کی جائے گی یقیناً آپ کا نام سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا، بالخصوص جب آقا علیہ السلام کے دشمنوں کو للکارتے ہیں تو اقبال کے اس شعر کی عملی تعبیر بن جاتے ہیں۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

بلا تاخیر خطاب اور دعا کے لیے میں درخواست کرنا چاہوں گا یادگار اسلاف، سپہ سالار ختم نبوت، حضرت مولانا.......... صاحب کو کہ اپنے علمی، ادبی، نورانی اور روحانی بیان سے قادیانیت کی حقیقت سے پردہ اٹھائیں اور محافظین ختم نبوت کی تربیت فرمائیں۔

(آخر میں دعا کے بعد جلسہ ختم ہو جائے گا۔)

کل پاکستان مباحثے کی انعام یافتہ تقاریر

"مخالفت"

زیرِ بحث قرارداد:

اچھا ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں

صدر مکرم!

زیرِ بحث قرارداد جنگ آزادی کے ہیرو مولانا حسرت موہانی کے کلام کا حصہ ہے۔ جس میں اہل جور سے مراد ظالم مغربی طاقتیں جبکہ سختیوں سے مراد استعماری تہذیب کا وہ عالمی نظام جبر ہے، جو اٹھارویں صدی سے آج تک ہم پر مسلط ہے۔ جیسا کہ غزل میں مصرعہ قرارداد سے متصل شعر میں وہ خود وضاحت فرما رہے ہیں:۔

سمجھے ہیں اہل شرق کو شاید قریب مرگ
مغرب کے یوں ہیں جمع یہ زاغ وزغن تمام

لہٰذا قرارداد: "اچھا ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں۔" اس بات میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ اہل جور اپنے نظام کو مسلط کرنے کے لیے سختی کریں گے کیونکہ ان کی پہچان ہی یہی ہے۔ اختلاف

اس بات میں ہے کہ نتائج کی دنیا میں اہل جور کا یہ عمل انسانیت کے لیے اچھا ہے یا نہیں ہے؟ تو جناب والا! فرد، معاشرے، ریاست، کرۂ ارض اور پوری انسانیت کو پہنچنے والے نقصانات کی بنیاد پر میرا موقف یہ ہے کہ "اچھا نہیں ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں" "میں اس قرارداد کی بھرپور مخالفت کرتا ہوں۔"

کیونکہ اگر قرارداد کا اطلاق فرد پر کیا جائے تو فرد کی تعریف اٹھارویں صدی کے بعد اشرف المخلوقات سے نہیں Pleasure Seeking Animal لذتوں کے متلاشی جانور سے کی جاتی ہے۔

جناب والا!

اس تعریف کا جبر مسلط کر کے جب انسان کو معاشی جانور بنانے کے لیے جانوروں جیسی آزادی دی جاتی ہے تو پھر آزادیِ اظہارِ رائے کے نام پر مغرب کے بدترین جانور کائنات کے کامل ترین انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور معاملہ تہذیبوں کے تصادم تک چلا جاتا ہے،

اچھا نہیں ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں۔

صدر عالی وقار!

اہل جور جب کسی معاشرے پر وار کرتے ہیں تو اسے مارکیٹ سوسائٹی میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ جہاں مائیکل سانڈل کی کتاب "وہاٹ منی کانٹ بائے" WHAT MONEY CAN NOT BUY کے مطابق تعلقات ہمدردی کی بنیاد پر نہیں مارکیٹ کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شہری معاشروں میں بہت سے اچھے رشتے صرف اس بنیاد پر رد کر دیئے جاتے ہیں کہ "لڑکی کما کر کھلانے والی نہیں ہے۔"

اچھا نہیں ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں۔

صدر محترم!

اہل جور جب ریاست پر وار کرتے ہیں تو حکمرانوں کی صورت میں اپنے سیاسی غلام مسلط کر

دیتے ہیں۔''نیوز ویک'' کے سابق ایڈیٹر فرید زکریا اپنی کتاب ''دی فیوچر آف فریڈم'' میں لکھتے ہیں کہ امریکہ جیسے ملک میں بھی 85 فی صد فیصلے عوام کے نمائندے نہیں بلکہ ورلڈ بینک، آئی ایم ایف، فلاسفہ، کیپٹلسٹ منارٹی، ورلڈ اکنامک فورم، کیوٹو پروٹول، اسٹاک ایکسچینج اور دیگر مالیاتی اداروں کے پریشر گروپ کرتے ہیں۔ جناب والا! یہی وہ اہل جور ہیں جو اپنے مفادات کے لیے ہالی ووڈ کے اداکار ''ریگن'' کو بھی امریکہ کا صدر بنوا دیتے ہیں۔

اچھا نہیں ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں۔

صدرِ عالی وقار!

اگر کرۂ ارض اور پوری انسانیت کے حوالے سے قرارداد کو دیکھا جائے تو مائیکل مین کی کتاب '' Darkside of Democracy'' اور رومیل کی کتاب '' Death by Government'' کی گواہی کے مطابق اہل جور نے اٹھارویں صدی سے اب تک ایک ارب پچھتر کروڑ لوگوں کو قتل کیا ہے۔ جبکہ گرین پیس کی رپورٹ کے مطابق ری سائیکل کیے جانے کے نام پر اس وقت ساڑھے چھ ارب ٹن زہریلا صنعتی فضلہ Toxix waste صرف غریب ملکوں کے سمندر میں انڈیلا جا رہا ہے جس سے پوری دنیا کی سمندری زندگی اور کئی ملکوں کی آبادی کو شدید خطرات لاحق ہو چکے ہیں۔

جناب والا!

اگر اہل جور کے یہ سارے کام اچھے ہیں تو کیا ان سارے اچھے اچھے کاموں کو قائد ایوان اور ان کے رفقاء کے لیے صدقہ جاریہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

صدرِ محترم!

یہ قرارداد صرف نا قابل عمل ہی نہیں بلکہ خلاف عقل بھی ہے۔ دنیا تو ظلم کو اچھا نہیں کہتی لیکن قائد ایوان پتہ نہیں کیوں حسین کو چھوڑ کر یزید کی حمایت کر رہی ہیں۔

جناب والا!

اچھا نہیں ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں۔ اگر اس بات کی گواہی چاہیے تو بلائیے اس ماں کو

جو ورکنگ وومن کے نام پر سارا دن ''کارپوریٹوکریسی'' کے جبر کی چکی میں پسنے کے بعد جب تھکی ہاری گھر پہنچتی ہے، تو رات کو اس کے معصوم بچے نیند کی مار کھائے بازوؤں میں سنبھلتے نہیں، دکھ ہٹاتے نہیں، منتوں زاروں سے بہلتے نہیں۔

جی ہاں جناب والا اماں پر ہونے والا جبر گواہ ہے

''اچھا نہیں ہے اہل جور کیے جائیں سختیاں۔''

(مذکورہ تقریر 10 مارچ بروز منگل 2015ء کو کراچی میں منعقد ہونے والے کل پاکستان اردو مباحثے میں دوسری پوزیشن اور ٹیم ٹرافی کی حقدار قرار پائی۔ آخری مرحلے میں پورے پاکستان سے منتخب یونیورسٹیوں کے 11 ٹیموں کے 22 مقررین میں جامعۃ الرشید کراچی سے راقم نے انفرادی طور پر دوسری جبکہ جامعہ ہی کے مولانا عبدالمحسن کے ساتھ مل کر ٹیم کے اعتبار سے پہلی پوزیشن اور ٹیم ٹرافی حاصل کی۔)

''موافقت''

زیر بحث قرارداد:

دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لیے تنگ

صدرِ مکرم!

زیر بحث قرارداد میں لفظ دنیا سے مراد یہ جہانِ رنگ و بو اور مردانِ جفاکش کا مطلب محنت و مشقت کے خوگر انسان ہیں۔

جنابِ والا!

زیر بحث قرارداد کلام اقبال کا حصہ ہے جس میں انہوں نے ''اسکاٹش اینلائٹمنٹ فلسفے'' کا رد کیا ہے۔ جیسا کہ نظم میں مصرعہ قرارداد سے متصل شعر میں ''جی سکتے ہیں بے روشنی دانش و فرہنگ سے ظاہر ہے'' اسکاٹش اینلائٹمنٹ فلسفے کے مطابق دنیا میں کامیابی کے لیے Capital یعنی سرمایہ ضروری ہے۔ اقبال فرماتے ''دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لیے تنگ'' تم کون ہوتے ہو انسانی تقدیر کو سرمایہ دارانہ اصطلاحات میں لکھنے والے؟ کامیابی کا تصور مغربی نظامِ معیشت سے وابستہ نہیں، بلکہ محنت، مشقت، عزم، حوصلے، سادگی اور خلوص کے پیکر بغیر سرمائے کے بھی دنیا میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں!

صدر عالی وقار!

یہی قرارداد کا تاریخی تہذیبی علمی فکری اور کلی مفہوم ہے۔ جناب والا! یہی وجہ ہے کہ اگر سیاست کی دنیا کا جائزہ لیا جائے تو اسی ظالم دنیا نے جنوبی افریقہ کے پسماندہ گاؤں ''تونو'' کے ایک چرواہے کو آزادی کا ہیرو نیلسن منڈیلا بنا دیا اور ریڑھی پر پھل رکھ کر بیچنے والے سوکھے سڑے انسان کو ملائیشیا کا وزیراعظم ''مہاتیر محمد'' بنا دیا۔

جناب والا!

اگر سماج کی دنیا کی بات کی جائے تو مشرق و مغرب کے وہ تمام بڑے لوگ جنھوں نے قوموں، اُمتوں اور تہذیبوں کا سمتِ سفر تبدیل کیا، معاشرتی انقلاب برپا کیے یعنی افلاطون، ارسطو، سقراط اور بقراط سے لے کر سارتر سپنسر نطشے فرائیڈ ہیگل اور روسو تک، ان سب کا طریق امیری نہیں فقیری تھا۔

جناب والا!

اگر معیشت کی دنیا کی بات کی جائے تو بنگلہ دیش میں غریبوں کے لیے صرف 30 ڈالر سے قائم ہونے والے ڈاکٹر یونس کے بینک نے دنیا کو نیا معاشی فارمولہ دیا ہے۔ اس بینک کی 1041 شاخیں ہیں، لیکن اس کے بورڈ آف گورنرز میں آج بھی 13 میں سے 9 ممبران عام اَن پڑھ دیہاتی جفاکش مزدور ہیں۔

اگر ثقافت اور فنونِ لطیفہ کی بات کی جائے تو کمزور آواز بھدی حرکات و سکنات اور سانس پھولنے کی وجہ سے ناکام ہونے والا شخص جب مسلسل مشق اور محنت کو اپنا شعار بنا لیتا ہے تو دنیا اُسے یونان کی آواز کو فلپ کی تلوار سے بچانے والا عظیم خطیب ڈیموستھین قرار دیتی ہے۔

اگر دنیا مردان جفاکش کے لیے تنگ ہے تو قائد حزب اختلاف بتائیں! یہ وحشی دنیا نیلسن منڈیلا کی باتوں کو ہوا میں اُڑا کیوں نہیں دیتی؟ ڈاکٹر یونس کے بینک کو جلا کیوں نہیں دیتی اور فلاسفہ یونان کے افکار کو بھلا کیوں نہیں دیتی؟

صدرِ مکرم!

قائد حزب اختلاف نے اپنی تقریر میں کہا کہ دنیا مردانِ جفاکش کے لیے تنگ ہے، یہاں بادشاہ کا بیٹا بادشاہ اور غریب کا بیٹا غریب پیدا ہوتا ہے۔

جنابِ والا!

بابر جب فرغانہ سے چلا تو سانڈ کی ننگی پیٹھ پر سوار تھا، بے سروسامانی ہی اُس کا سروسامان تھی، لیکن جفاکشی نے اُسے غلام نہیں، سلطان بنا دیا اور جب تیموری خون سے جفاکشی نکل گئی تو بہادر شاہ ظفر کی یادگار اور لال قلعے کا ہونے والا مالک شہزادہ سہراب شاہ گانے مجرے کے چکر میں دہلی کا باورچی بن کر رہا۔ اس کی ساری عمر ہنڈیا ڈوئی کرتے گزری۔ اگر بادشاہ کا بیٹا بادشاہ اور غریب کا بیٹا غریب ہی پیدا ہوتا ہے تو اس نامراد دنیا نے عروج غریب بابر کو کیوں بخشا؟ شہزادہ سہراب شاہ کو کیوں نہیں بخشا؟

صدر عالی وقار!

میرے ایک دوست یہاں تشریف لائے اور کہنے لگے قرارداد کی موافقت کرنے والے صرف پوزیشن لینے کے چکر میں باتیں بنا رہے ہیں۔ دل کی بات نہیں کر رہے، اگر ان میں اخلاقی جرأت ہے تو دل کی بات کریں!

جنابِ والا!

میں یہاں دل کی بات کرنا چاہتا ہوں۔ دنیا میں دوسرا بڑا امراض دل کا ہے، لیکن یہ مرض جفاکشوں کو نہیں عیش پرستوں کو لاحق ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبان 5 لاکھ روپے لے کر ان عیش پرستوں کی اوپن ہارٹ سرجری کرتے ہیں اور اوپن ہارٹ سرجری کے بعد دوبارہ انہیں جفاکشی کی زندگی اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

صدرِ مکرم!

اگر قائدِ حزب اختلاف ڈاکٹر جیرڈ ڈائمنڈ کی کتاب "لیسنز فرام اینوائرمینٹل کولیپسز آف پاسٹ سوسائٹیز" (Lessons from Environmental Collapses of Past

(Societies) کا مطالعہ کرلیں تو یقیناً اپنے موقف سے دستبردار ہو جائیں، کیونکہ عالمی سطح پر پذیرائی حاصل کرنے والی یہ کتاب پیغام دیتی ہے کہ تہذیبیں بستر کے محافظوں اور ڈرائنگ روم کے دربانوں سے نہیں جفاکشی کی داستانوں سے باقی رہتی ہیں۔

جنابِ والا!

آخر میں اس باشعور ایوان کے لیے ایک سوال چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر کارتھیج کے ہنیبال، مقدونیہ کے سکندر، روم کے سیزر، ایران کے دارا، یورپ کے نپولین، ہندوستان کے راجہ اشوکا اور منگولیا کے تاتاریوں کی ماؤں نے انہیں پیمپر باندھ کر اونگھنا سکھایا ہوتا تو کیا وہ گھوڑے کی ننگی پشت پر بیٹھ کر دنیا فتح کرنے کے لیے نکلتے ؟؟

(کراچی میں منعقدہ کل پاکستان مباحثے میں 8 مارچ 2014ء کو آخری مرحلے میں پاکستان کی ممتاز یونیورسٹیوں کے 40 منتخب مقررین میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والی راقم کی تقریر کا متن)

نوٹ: شاید قارئین یہ محسوس کریں کہ تقریر میں مذہبی حوالہ کیوں نہیں ہے؟ وجہ یہ ہے کہ مباحثے کا لازمی اصول ہے کہ اپنی دلیل دینے کے ساتھ ساتھ مخالفین کی کسی دلیل کا رد بھی کرنا ہوتا ہے، لہٰذا جو چیز اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے، اُس کو رد کرنے کی جرأت کس میں ہوسکتی ہے؟ یہ تو قابلِ بحث ہے ہی نہیں۔ اس بنا پر مباحثے میں ہمیشہ عقلی دلائل یا دنیاوی حوالوں سے بات کی جاتی ہے۔

☆..........☆..........☆

پارلیمینٹ کا مباحثہ

اصناف خطابت میں پارلیمانی مباحثے کے انتخاب کے لیے ہم نے نائن الیون کے حوالے سے جاپانی پارلیمینٹ میں ہونے والے ایک یادگار مباحثے کی روداد کا انتخاب کیا ہے جسے جاپان کے سرکاری ٹی وی چینل ''این ایچ کے'' پر براہ راست دکھایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے جاپان جیسے حلیف ملک میں نائن الیون کا یہ پوسٹ مارٹم اور اسے براہ راست پوری قوم کو دکھانا امریکی حکمرانوں کے لیے ایک بہت بڑا دھاکا ہے۔ انسداد دہشت گردی کے نعرے کی آڑ میں شروع کی گئی استعماری جنگ کی حقیقت کو عام کرنے کی یہ تحریک جو اس سے قبل نجی کوششوں تک محدود تھی، اس میں کسی ریاست کی شمولیت یقیناً ایک انقلابی واقعہ ہے۔ اور اس کے اثرات کو روکنا بہت مشکل ہے۔

جاپانی پارلیمنٹ میں ڈیموکریٹک پارٹی کے رکن (Yukihisa Fujita) اس بحث کا محرک بنے۔ جاپانی پارلیمنٹ کی دفاع اور امور خارجہ کمیٹی کے اجلاس میں کمیٹی کے سربراہ نے انسداد دہشت گردی کے خصوصی قانون پر بحث شروع کرتے ہوئے ''یوکی ہی سا فوجیتا'' کو گفتگو کی ابتدا کرنے کی دعوت دی۔

مسٹر فوجیتا یوں گویا ہوئے:

''یہ اس کمیٹی کا ٹی وی پر پیش کیا جانے والا آخری اجلاس ہے اس لیے میں دہشت گردی کے

خلاف جنگ کے اصل سبب سے اپنی بات شروع کروں گا۔" انہوں نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نتیجے میں نیو یارک سے کہیں زیادہ بڑی تعداد اور کہیں زیادہ معصوم لوگ افغانستان میں ہلاک ہوئے ہیں۔ اس لیے دہشت گردی کے خلاف قانون سازی میں ہمیں یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہماری اولین ترجیح افغانستان کے لوگوں کی مدد ہو۔ اس کے بعد انہوں نے ڈیموکریٹک پارٹی ہی سے وابستہ کمیٹی کے ایک اہم رکن (Tadashi Inuzuka) کو اپنا موقف پیش کرنے کو کہا۔

"انوزوکا" نے "فوجیتا" کی اس بات سے اتفاق کیا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سب سے زیادہ نقصان افغان عوام نے اٹھایا ہے۔ اور جاپان کے انسداد دہشت گردی قانون کا بنیادی مقصد افغانستان کی سلامتی اور بہتری ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہماری جانب سے امریکی ائیر فورس کو تیل کی فراہمی سے زیادہ ضروری افغان عوام کو پانی مہیا کرنا ہے۔ اس کے بعد فوجیتا نے کہا:

"دہشت گردی جنگ نہیں بلکہ جرم ہے جبکہ اس وار آن ٹیرر کا آغاز بنیادی طور پر نائن الیون سے ہوا ہے"۔ انہوں نے کہا: "میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس واقعہ کا سبب القاعدہ تھی یا نہیں۔ حکومت کے پاس اس کا جواب بس اتنا ہے کہ ہم اس کا ذمہ دار القاعدہ کو سمجھتے ہیں کیونکہ صدر بش نے ہمیں یہی بتایا ہے۔

ہم نے کوئی ایسا حقیقی ثبوت نہیں دیکھا جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ القاعدہ ہی کا کام تھا۔

میں جاننا چاہوں گا کہ وزیر اعظم یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ طالبان نائن الیون کے ذمہ دار ہیں؟

صدر مجلس!

میں وزیر اعظم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ اس وقت چیف کیبنٹ سیکریٹری تھے۔"

وزیر اعظم Fukuda نے جواباً کہا:

"حملوں کے بعد ہم امریکی حکومت اور دیگر حکومتوں سے مختلف سطحوں پر بات چیت اور اطلاعات کا تبادلہ کرتے رہے۔ ہماری حکومت کی حاصل کردہ خفیہ معلومات اور بیرونی حکومتوں

سے ملنے والی رپوٹوں کے مطابق نائن الیون حملے بین الاقوامی دہشت گرد تنظیم القاعدہ نے منظم کیے تھے۔"

اس پر فوجیتا نے بات یوں آگے بڑھائی:

یعنی آپ خفیہ اور ظاہر دونوں طرح کی معلومات کی بات کر رہے ہیں۔ اب میرا سوال یہ ہے کہ جاپانی حکومت نے اپنی پولیس اور دیگر ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے خود بھی کسی تحقیقات کا اہتمام کیا؟؟؟

یہ ایک جرم تھا اس لیے تحقیقات کا اہتمام یقینی طور پر کیا جانا چاہیے تھا۔

جب میانمار میں ایک جاپانی صحافی مارا گیا تھا تو آپ نے تحقیقات کرائی تھیں۔ اسی طرح نائن الیون میں بیس سے زائد جاپانی صحافی مارے گئے، چنانچہ حکومت کو لازمی طور پر اپنی تحقیقات کرا کے یہ فیصلہ کرنا چاہیے تھا کہ کیا اس کی ذمہ دار القاعدہ تھی؟

اس لیے بتائیے کہ آپ نے کس قسم کی تحقیقات کرائی؟

اس وقت آپ چیف کیبنٹ سیکرٹری تھے، اس لیے یقیناً آپ یہ بات دوسرے کسی بھی شخص سے بہتر جانتے ہوں گے، لہذا میں آپ سے آپ کی تحقیقات کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔

اس پر وزیر اعظم فوکودا نے بتایا کہ:

"نائن الیون حملوں کے بعد نیشنل پولیس ایجنسی نے ایک ایمرجنسی اینٹی ٹیررازم ٹیم نیو یارک بھیجی تھی۔ یہ لوگ امریکی حکام سے ملے اور انہوں نے لاپتہ جاپانیوں کے بارے میں معلومات جمع کیں۔"

وزیر اعظم کے اس جواب پر فاضل رکن پارلیمٹ فوجیتا نے بحث کو ایک نئے رخ پر لاتے ہوئے کہا:

"گویا آپ کہہ رہے ہیں کہ بیس افراد ایک جرم کے نتیجے میں مر گئے اور ان میں سے بیشتر نیو یارک میں کام کر رہے تھے۔ جبکہ کچھ جاپانی ان چار طیاروں میں بھی ہلاک ہوئے جنہیں اغواء کیا گیا تھا۔ میں ٹھیک جاننا چاہوں گا کہ کتنے لوگ عمارتوں میں مرے اور کتنے جہازوں میں؟

براہ کرم یہ بھی بتائیے کہ آپ نے اس کی تصدیق کیسے کی؟ میں چاہوں گا کہ مجھے اس کا جواب وزیر خارجہ عنایت فرمائیں۔"

وزیر خارجہ Masahiko Komura نے بتایا:

"گیارہ ستمبر 2001ء کو دہشت گرد حملوں کے نتیجے میں ہمیں ایک درجن سے زیادہ لاشیں ملیں۔ امریکی حکام نے ہمیں گیارہ مزید اموات کی اطلاع بھی دی۔ مجموعی طور پر 24 جاپانی موت کا نشانہ بنے۔ ان میں سے دو جہازوں میں تھے۔"

فوجیتا نے اس بات پر ان جہازوں کے بارے میں جاننا چاہا جس میں یہ جاپانی سوار تھے۔ انہوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ ان کی پہچان کیسے ہوئی؟

سیکرٹری خارجہ Ryoji Tanizaki نے اس کے جواب میں بتایا:

"ان جہازوں میں سے ایک یونائیٹڈ ایئر لائن فلائٹ نمبر 93 اور دوسری امریکن فلائٹ نمبر 11 تھی۔ جبکہ ان میں مرنے والے جاپانیوں کی تشخیص امریکی حکومت نے ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے کی تھی۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ اس کے بارے میں کوئی براہ راست دستاویزی معلومات جاپانی حکومت کے پاس نہیں ہیں"۔

اس پر فوجیتا نے کہا:

"گویا آپ اس بارے میں براہ راست کچھ نہیں جانتے۔ آپ کے پاس کوئی دستاویزی معلومات نہیں ہیں اور ڈی این اے ٹیسٹ کے بارے میں بھی آپ صرف امریکی حکومت کے کہنے کی بناء پر سمجھتے ہیں کہ ایسا ہوا ہوگا۔ اس لیے میں آج جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ ایک جرم تھا اور جرائم کی تفتیش کی جاتی ہے۔ متاثرہ خاندانوں کو اس تفتیش سے باخبر کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ ہر سال نائن الیون کا دن منا لینے کے بجائے آپ کو اس بارے میں معلومات جمع کرنی چاہئیں اور اس پر اپنا ردعمل ظاہر کرنا چاہیے۔

تو کیا پچھلے چھ برسوں میں آپ ہلاک ہونے والوں کے خاندانوں کو یہ معلومات فراہم کرتے رہے ہیں؟ میں یہ بات وزیر خارجہ سے پوچھنا چاہوں گا؟"

وزیر خارجہ نے بتایا:

"متاثرہ خاندانوں کو اس کے بارے معلومات مہیا کی گئیں اور ان سے مالی تعاون کیا جا تا رہا ہے"۔

بحث کو یہاں تک پہنچانے کے بعد "یوکی ہی سا فوجیتا" نے اپنے اصل موقف اور استدلال کو یوں بیان کیا:

"کیونکہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، اس لیے میں نائن الیون کے واقعات کے حوالے سے ان مشتبہ معلومات کے بارے میں جو منظر عام پر آئی ہیں اور ان شکوک شبہات کے بارے میں جن کا اظہار لوگ پوری دنیا میں کر رہے ہیں، پوچھنا چاہوں گا۔ شک وشبہ کا اظہار کرنے والوں میں سے بہت سے نہایت بارسوخ لوگ ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان حالات میں جاپانی حکومت کو جو باور کرتی ہے کہ یہ حملے القاعدہ نے کرائے تھے، متاثرہ خاندانوں تک یہ نئی معلومات بھی پہنچانی چاہئیں۔ اس تعلق سے میں کئی سوالات کرنا چاہوں گا۔"

فوجیتا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

"سب سے پہلے میں کمیٹی کے تمام اراکین کو یہ تصاویر دکھانا چاہتا ہوں جو میں نے حاصل کیں ہیں۔ تصاویر اور دوسری معلومات کے نتیجے میں یہ ٹھوس ثبوت ہیں۔

☆ پہلی تصویر کے ساتھ کمپیوٹر گرافکس بھی یہ دکھانے کے لیے منسلک ہیں کہ پنٹاگون سے ٹکرانے والا جہاز کتنا بڑا تھا۔ 757 جہاز کی چوڑائی 38 میٹر ہوتی ہے۔ مگر آپ دیکھ سکتے ہیں اتنا بڑا جہاز پینٹاگون سے ٹکرایا تاہم اس کی عمارت میں نسبتاً بہت چھوٹا سوراخ ہوا۔ یہ تصویر ایک فائر مین کی کھینچی ہوئی ہے جو وہاں کام کر رہا تھا۔

☆ آپ یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ اتنا بڑا جہاز ٹکرانے سے جو تباہی ہونی چاہیے تھی وہ قطعی نہیں ہوئی۔ اب اس کے سامنے لان کو بھی دیکھیے، یہاں جہاز کا کوئی ٹکڑا نہیں گرا۔

اب تیسری تصویر دیکھیے۔

☆ یہ بھی پینٹا گون کی ہے اور ایک امریکی ٹی وی کی نیوز رپورٹ سے لی گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پینٹا گون کی چھت جہاز کی ٹکر کے باوجود سلامت ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ اتنا بڑا جہاز اس عمارت سے ٹکرایا تھا تو اس کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کو بہرحال اس سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

اب ہم اگلی تصویر دیکھتے ہیں۔

☆ یہ عمارت میں ہونے والے سوراخ کی تصویر ہے۔ منسٹر کومورا جانتے ہیں کہ پینٹا گون متعدد دیواروں والی نہایت مضبوط عمارت ہے۔ اس کے باوجود جہاز نے اس میں سوراخ کر دیا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ طیارے حتی الامکان زیادہ سے زیادہ ہلکے میٹریل سے بنائے جاتے ہیں۔ اتنے ہلکے میٹریل سے بنا ہوا جہاز ایسا سوراخ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد جو میں آپ کو تصویر دکھا رہا ہوں اس سے پتہ چلتا ہے کہ جہاز بلڈنگ سے کس طرح ٹکرایا؟

☆ جہاز نے وزیر دفاع کے دفتر کو بچانے کے لیے ایک یوٹرن لیا اور پینٹا گون کے صرف اس حصے کو نشانہ بنایا جسے بمباری کا مقابلہ کرنے کے لیے خاص طور پر مضبوط بنایا گیا تھا۔

فوجیتا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کمیٹی کے ارکان کو اپنی پیش کردہ دستاویز میں شامل امریکی ایئر فورس کے ایک افسر کا تبصرہ بھی دکھایا:

''نائن الیون میں جو دو قسم کے طیارے استعمال کیے گئے، میں نے انہیں اڑایا ہے۔ اور میں یہ بات نہیں مان سکتا کہ جو شخص پہلی بار ان جہازوں کو اڑا رہا ہو، وہ ایسی کارروائی کر سکتا ہے۔''

فوجیتا نے مزید کہا:

''امریکیوں نے بیشتر جہازوں کے فلائٹ ریکارڈ بھی حاصل نہیں کیے۔ پینٹا گون میں 80 سے زیادہ سیکورٹی کیمرے لگے ہوئے تھے مگر ان کی تقریباً کوئی بھی تصویر جاری کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ یہ انتہائی عجیب و غریب بات ہے کہ جہاز یا اس کے ملبے کی کوئی تصویر بھی دستیاب نہیں۔''

جاپانی پارلیمنٹ کے رکن فوجیتا نے پینٹا گون کے بعد نیو یارک کے ٹریڈ ٹاور کا موضوع

چھیڑتے ہوئے مختلف تصاویر اور دیگر مواد کمیٹی کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے طیاروں کے حملے کے بعد ٹریڈ ٹاور کی عام طور پر دستیاب دو تصاویر میں عمارت سے کم و بیش ڈیڑھ میٹر کے فاصلے پر فضا میں اڑتے ہوئے میٹریل کی بنیاد پر کہا:

"یہ کیفیت کسی بم دھماکے ہی سے رونما ہو سکتی ہے، محض جہاز کے ٹکرانے سے ایسا ہونا ممکن نہیں۔"

انہوں نے ایک فائر مین کے انٹرویو کا ریکارڈ بھی پیش کیا جس کا کہنا یہ تھا کہ اس نے مسلسل دھماکوں کی ایسی آوازیں سنیں جو پیشہ وارانہ انداز میں کسی عمارت کو منہدم کرنے کے لیے کیے جانے والے دھماکوں ہی سے ہو سکتی ہیں۔

فوجیتا نے ایک جاپانی ریسرچ ٹیم کی جانب سے ٹریڈ ٹاور پر حملے کے وقت وہاں کام کرنے والی ایک جاپانی خاتون کے انٹرویو کا ریکارڈ بھی پیش کیا جس نے بتایا:

"جب وہ جان بچانے کے لیے بھاگ رہی تھی تو اس نے مسلسل دھماکوں کی آوازیں سنیں۔"

یہ ریسرچ ٹیم جاپان فائر ڈیپارٹمنٹ اور وزارت تعمیرات کے اہلکاروں پر مشتمل تھی۔

اس کے بعد فوجیتا نے کمیٹی کے ارکان کے سامنے ایک تصویر پیش کرتے ہوئے کہا:

☆ عموماً کہا جاتا ہے کہ ٹوئن ٹاورز سے جہاز ٹکرائے تھے۔ مگر ٹوئن ٹاورز سے ایک بلاک آگے بلڈنگ نمبر 7 ہے۔ نقشے میں اسے ورلڈ ٹریڈ سینٹر سے ایک بلاک آگے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ عمارت ٹوئن ٹاورز پر حملے کے سات گھنٹے بعد منہدم ہوئی۔

☆ اگر میں آپ کو ویڈیو دکھا سکتا تو سمجھنا آسان ہوتا مگر ایک نگاہ اس تصویر پر ڈالیے۔

☆ یہ ایک 47 منزلہ عمارت تھی جو پانچ چھ سیکنڈ میں بیٹھ گئی۔ یہ تقریباً وہی رفتار ہے جس سے بلندی سے زمین پر گرائی جانے والی کوئی چیز گرتی ہے...... جبکہ اس عمارت سے کوئی جہاز نہیں ٹکرایا تھا۔

☆ آپ کو اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ کیا کوئی عمارت آگ لگنے کی وجہ سے سات گھنٹے بعد اس طرح ڈھیر ہو سکتی ہے؟؟؟

☆ اس کے بعد فوجیتا نے امریکی حکمرانوں کی بدنیتی اور حقائق چھپائے جانے کا ایک اور

انتہائی یقینی ثبوت پیش کیا۔انہوں نے ایک کتاب کو لہراتے ہوئے کہا:

''یہاں ہمارے پاس نائن الیون کمیشن رپورٹ کی ایک کاپی ہے۔یہ رپورٹ امریکی حکومت کی طرف سے جولائی 2004ء میں پیش کی گئی تھی لیکن اس میں اس عمارت کے گرنے کا کوئی ذکر نہیں جس کے متعلق میں نے ابھی آپ کو بتایا ہے۔بہت سے لوگ بلڈنگ نمبر 7 کی روداد سامنے آجانے کے بعد خاص طور پر سمجھتے ہیں کہ یہ معاملہ پراسرار ہے، اس لیے اس کی تحقیقات ہونی چاہیے۔''

اس مرحلے تک پہنچنے کے بعد فوجیتا نے مالیاتی حوالے سے نائن الیون کے ایک اور نہایت اہم پہلو کی نشاندہی کی۔

انہوں نے بتایا:

☆ گیارہ ستمبر کے واقعات سے عین پہلے چھ سات اور آٹھ ستمبر کو یونائیٹڈ اور امریکی ایئرلائنوں یعنی ان دونوں فضائی کمپنیوں کے شیئرز متعین قیمت کے عوض بہت بڑی تعداد میں فروخت کیے گئے جن کے جہاز نائن الیون حملوں میں استعمال ہوئے۔

☆ اسی طرح ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے سب سے بڑے کرایہ داروں میں ایک Merril linch کے شیئرز بھی ان تاریخوں میں بڑے پیمانے پر متعین قیمت پر فروخت کیے گئے۔

فوجیتا نے بتایا:

☆ جرمنی کے مرکزی بینک (Bundesbank) کے اس وقت کے سربراہ نے کہا تھا کہ یہ بات ثابت کرنے کے لیے بڑی تعداد میں حقائق موجود ہیں کہ جو لوگ ان دہشت گرد حملوں میں ملوث تھے انہوں نے اندرونی معلومات کی بنیاد پر بھاری منافع کمایا۔انہوں نے کہا تھا کہ حملوں سے پہلے مالیاتی اور دیگر کمپنیوں کی طرف سے بہت بڑے پیمانے پر مشتبہ کاروبار ہوا۔

اس کے بعد فوجیتا نے کہا:

میں وزیر مالیات سے جاننا چاہتا ہوں کہ کیا حکومت جاپان کو ان باتوں کا علم ہے؟

وہ خود اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

وزیر مالیات نے اپنے جواب سے یہ تاثر دیا گویا اس مشتبہ کاروبار میں بھی مبینہ دہشت گرد حملہ آور ہی ملوث تھے۔

اس پر فوجیتا نے اجلاس میں موجود ماہر مالیات مسٹر Asao سے پوچھا کہ وہ اس مشتبہ کاروبار کے بارے کیا رائے رکھتے ہیں؟

کیا اس کے لیے لوگوں کے ایک ایسے گروہ کی موجودگی بھی ضروری نہیں تھی جو بھاری رقم بھی رکھتا ہو اور جس کے پاس اندرونی معلومات اور مالیاتی مہارت بھی ہو؟

کیا پاکستان اور افغانستان میں موجود چند دہشت گرد ایسا پیچیدہ کاروبار اتنے بڑے پیمانے پر کر سکتے تھے؟

ماہر مالیات ''آساؤ'' نے دوٹوک الفاظ میں کہا:

''یہ کاروبار اندرونی معلومات اور اندر کے لوگوں کی شرکت کے بغیر کسی صورت نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ کوئی بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ ان کمپنیوں کے جہاز اغواء ہونے والے ہیں۔''

ماہر مالیات کے اس جواب کے بعد فوجیتا نے وزیر اعظم جاپان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''آپ اس وقت چیف کیبنٹ سیکرٹری تھے اور ایک عام آدمی نے بھی محسوس کیا تھا کہ انسانیت کو اس قسم کے واقعے کا پہلے کوئی تجربہ نہیں ہوا۔ اس واقعے کے چند ماہ بعد ہی سے اس بارے میں ایسی معلومات کے منظر عام پر آنے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے جن کی روشنی میں یہ معاملہ مشتبہ نظر آتا ہے۔ یہ انٹرنیٹ اور اطلاعات کی فوری ترسیل کا دور ہے چنانچہ یہ معلومات ان ذرائع سے عام ہوتی رہی ہیں۔ میں نے آپ کو ابھی جو کچھ بتایا اس سے پتہ چلتا ہے کہ دہشت گردی کی یہ جنگ نائن الیون کے جس واقعے کی بنیاد پر شروع کی گئی، اس کی کوئی اطمینان بخش تحقیق نہیں کی گئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ حکومت جاپان نے اس واقعے کی تحقیقات کے لیے خود کوئی کاروائی کی ہے یا امریکی حکومت سے اس ضمن میں اس کی جانب سے کوئی وضاحت طلب کی گئی ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اب یہ بات ابتداء سے شروع کرنی چاہیے اور امریکی حکومت کی وضاحتوں اور بالواسطہ مہیا کردہ اطلاعات کو آنکھیں بند کر کے تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔''

ہمیں پوچھنا چاہیے کہ اس وار آن ٹیرر کا اصل شکار کون لوگ ہیں؟

میں سمجھتا ہوں کہ پوری دنیا کے عوام اس کا ہدف بنے ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے ہر چیز حقائق اور یقینی شواہد کی بنیاد پر پیش کی ہے۔ آپ غائب ہو جانے والے بلیک باکسز، لاپتہ ہو جانے والے جہازوں اور ان کی معدوم ہو جانے والی باقیات کے بارے میں بھی جانتے ہیں۔ تباہ ہو جانے والی عمارتوں کے ملبے کے پہاڑ بھی غائب ہو گئے۔ حتیٰ کہ FEMA (امریکا کی فیڈرل ایمرجنسی مینجمنٹ ایجنسی) کا کہنا ہے کہ اسے بھی مناسب تحقیقات سے روکا گیا۔

☆ ہمیں ان ثبوت اور شواہد کے سامنے آجانے کے بعد اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ وار آن ٹیررازم حقیقت میں کیا ہے؟؟؟

فوجیتا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ وزراء میری تائید میں سر ہلا رہے ہیں مگر میں وزیر اعظم فوکودا سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ براہ کرم میری طرف دیکھیے۔ میں نے سنا ہے کہ جب آپ چیف کیبنٹ منسٹر تھے تو آپ نے ان حملوں کے بارے میں کئی عجیب باتیں محسوس کی تھیں۔

کیا آپ نہیں سمجھتے کہ یہ ایک عجیب اور مشتبہ معاملہ تھا......؟

وزیر اعظم اس انتہائی مدلل گفتگو کے بعد صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے کہ:

''میں نے کبھی نہیں کہا کہ یہ ایک عجیب معاملہ تھا......''

تاہم فوجیتا نے اپنی جرح جاری رکھی اور بولے:

''وزیر اعظم!

وار آن ٹیرر کی اصلیت، اس کے صحیح یا غلط ہونے اور اس میں شرکت کرنے کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟

کیا اس وار آن ٹیرر میں شرکت کا کوئی حقیقی جواز ہے؟

کیا ہمیں اس میں حصہ لینے کی واقعی کوئی ضرورت ہے؟

میں یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ دہشت گردی کو روکنے کے لیے حقیقتاً کیا کرنا چاہیے؟''

وزیراعظم فوکودا نے ان سوالات کے جواب میں حکومت کی پالیسی کا اعادہ کرتے ہوئے کہا:

''امریکی حکومت کے فراہم کردہ شواہد کی بنیاد پر ہم سمجھتے ہیں کہ نائن الیون حملے القاعدہ نے کرائے تھے۔ القاعدہ کی دہشت گردی کو ختم کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے بین الاقوامی سوسائٹی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں متحد ہے۔ ڈیموکریٹک پارٹی نے گزشتہ سال اقوام متحدہ کی قرارداد 16595 کی بنیاد پر ایک قانون کی منظوری دی تھی۔ یہ قرارداد امریکہ پر ہونے والے دہشت گردوں سے متعلق ہے۔ اس لیے آپ نے اقوام متحدہ سے اتفاق کرتے ہوئے یہ قانون منظور کیا تھا۔ کیا ایسا نہیں کیا......؟''

اس کے جواب میں فوجیتا نے وزیراعظم سے پوچھا:

''وزیراعظم!

کیا آپ نے اقوام متحدہ کی اس قرارداد کی بنیاد بننے والے حقائق کی تصدیق کرلی ہے جن کی وجہ سے آپ کا دعویٰ ہے کہ اس وار آن ٹیرر میں شرکت کرنی چاہیے۔ چونکہ ایسا نہیں ہوا، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ دہشت گردی ختم کرنے کے لیے ہمیں ایک ایسا قانون بنانا چاہیے جو عملی طور پر افغانستان کے لوگوں کی مدد کا باعث بنے۔''

اس کے بعد انہوں نے تاداشی انوزوکا سے اس موضوع پر بات آگے بڑھانے کی درخواست کی۔ اور انوزوکا نے 30 منٹ کے اس اجلاس کا اختتام ان الفاظ پر کیا:

''ممبر پارلیمنٹ فوجیتا نے جن مسائل کا ذکر کیا ہے ان میں ہمیں سب سے زیادہ جس بات کی فکر ہونی چاہیے وہ یہ کہ افغانستان کے لوگ امن کے ساتھ اور پریشانیوں سے دور رہتے ہوئے زندگی بسر کرسکیں۔ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے یہ بنیادی ضرورت ہے۔ محض تیل کی فراہمی جاری رکھ کر، تمام صورت حال اور ان لوگوں کے حالات پر غور کیے بغیر جو ان کا شکار ہیں، اس قانون پر بحث کرنا فضول ہے۔ یہ قانون افغانستان میں امن اور اس کی سلامتی کے لیے بنایا جانا چاہیے۔ ہمارے ملک کو حقیقی معنوں میں انسداد دہشت گردی کے لیے قانون وضع کرنا چاہیے۔''

(اس کاروائی کے جاپان کے سرکاری ٹی وی چینل پر نشر ہو جانے کے بعد مسٹر فوجیتا کو بہت

بڑی تعداد میں جاپانی پارلیمنٹ کے دوسرے ارکان کی طرف سے فون ملے جن میں جاپانی پارلیمنٹ میں اس جرأت کے ساتھ نائن الیون کے حقائق سامنے لانے پر ان کا شکریہ ادا کیا گیا، جبکہ اس پروگرام کے بعد انہیں موت کے گھاٹ اتار دینے کی دھمکی بھی موصول ہوئی۔...... بلاشبہ جاپانی قوم کے اس رویے نے نائن الیون کے نام پر پوری دنیا کے لوگوں کو دیے گئے فریب کا پردہ چاک کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔)

باب نمبر 18

گلدستہ اشعار

گلدستہ اشعار

گلدستہ اشعار میں شکوہ اور جواب شکوہ سے لیے گئے اشعار اور خاص طور پر جذباتی خطاب یعنی Declamation کی تیاری اور ذخیرہ الفاظ کے لیے انقلابی اشعار کا انتخاب کیا گیا ہے۔

شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں، سُود فراموش رہوں
فکرِ فردا نہ کروں، محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بُلبل کے سُنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہم نوا میں بھی کوئی گُل ہوں کہ خاموش رہوں
جرأت آموز میری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے، خاکم بدہن ہے مجھ کو
تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں

خشکیوں میں کبھی لڑتے ،کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی
آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے
محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو،کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہیں ،دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے
صفحۂ دہر سے باطل کومٹایا ہم نے
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں

تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں، صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے، اپنی صِلہ لے بھی گئے
آ کے بیٹھے بھی نہ تھے کہ نکالے بھی گئے
آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب اُنھیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر
تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا؟
بُت گری پیشہ کیا، بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو، عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟
رسمِ سلمانؓ و اویس قرنیؒ کو چھوڑا؟
آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثلِ بلال حبشی رکھتے ہیں
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے
طُور مضطر ہے اُسی آگ میں جلنے کے لئے
مُشکلیں اُمّتِ مرحوم کی آساں کردے
مُورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کردے
جنس نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے
ہند کے دَیر نشینوں کو مسلماں کر دے
قُمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں
پتّیاں پُھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں

ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عریاں بھی ہوئیں
قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
کاش گلشن سمجھتا کوئی فریاد اس کی !

☆☆☆☆

جوابِ شکوہ

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے ، جوہرِ قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی ، یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں
ہاتھ بے زور ہیں ، الحاد سے دل خُوگر ہیں
اُمتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں
بُت شکن اُٹھ گئے ، باقی جو رہے بُت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں
بادہ آشام نئے ، بادہ نیا ، خم بھی نئے
حرمِ کعبہ نیا ، بُت بھی نئے ، تم بھی نئے
وہ بھی دِن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا !
نازشِ موسمِ گُل ، لالۂ صحرائی تھا !
جو مُسلمان تھا اللہ کا سَودائی تھا !
کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا !

کسی یکجائی سے اَب عہد غُلامی کر لو
ملتِ احمدِ مُرسل کو مقامی کر لو
کِس قدر تُم پہ گراں صُبح کی بیداری ہے !
ہم سے کب پیار ہے ؟ ہاں نیند تُمھیں پیاری ہے
طبع آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے
تمہیں کہہ دو یہی آئینِ وفا داری ہے ؟
قوم مذہب سے ہے ، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں ، محفلِ انجم بھی نہیں
جن کو آتا نہیں دُنیا میں کوئی فن ، تُم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن ، تُم ہو
بجلیاں جِس میں ہوں آسودہ وہ خرمن ، تُم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن ، تُم ہو
ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے ؟
صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے ؟
نوعِ انساں کو غلامی سے چُھڑایا کس نے ؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے ؟
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے ؟
تھے تو آباء وہ تمہارے ہی ، مگر تم کیا ہو ؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو !
منفعت ایک ہے اِس قوم کی ، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ، دین بھی ، ایمان بھی ایک

حرمِ پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مُسلمان بھی ایک؟
فرقہ بندی ہے کہیں ، اور کہیں ذاتیں ہیں !
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ؟
جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آراء تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا، تو غریب
امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے
واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذان روح ہلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے
شور ہے، ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود !
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں ! جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ مسلمان بھی ہو !

ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا
اس کے آئینۂ ہستی میں عملِ جوہر تھا
جو بھروسا تھا اسے قوت بازو پر تھا
ہے تمہیں موت کا ڈر، اس کو خدا کا ڈر تھا
باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو!
ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو! یہ انداز مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے نہ دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر
تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطاکار و خطابیں، وہ خطا پوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم
خود کشی شیوہ تمہارا، وہ غیور و خوددار
تم اخوت سے گریزاں، وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بہ کنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

عہد نو برق ہے، آتش زن ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوام کہن ایندھن ہے
ملت ختم رسل شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا
دیکھ کر رنگ چمن ہو نہ پریشاں مالی
کوکب غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی
گل بر انداز ہے خون شہداء کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے
ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
دشت میں، دامن کہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیاباں میں ہے
اور پوشیدہ مسلماں کے ایمان میں ہے

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَک دیکھے
مردم چشم زمین یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمہارے شہداء پالنے والی دنیا
گرمی مہر کی پرورده ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

☆☆☆☆

ٹھہری ٹھہری ہوئی طبیعت میں روانی آئی
آج پھر یاد محبت کی کہانی آئی
آج پھر نیند کو آنکھوں سے بچھڑتے دیکھا
آج پھر یاد کوئی چوٹ پرانی آئی
مدّتوں بعد چلا اُن پہ ہمارا جادو
مدّتوں بعد ہمیں بات بنانی آئی
مدّتوں بعد پشیماں ہوا دریا ہم سے
مدّتوں بعد ہمیں پیاس چھپانی آئی
مدّتوں بعد کھلی وسعتِ صحرا ہم پر
مدّتوں بعد ہمیں خاک اُڑانی آئی
مدّتوں بعد میسر ہوا ماں کا آنچل
مدّتوں بعد ہمیں نیند سُہانی آئی

☆☆☆☆

مدت سے میری ماں سوئی نہیں تابش
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

☆☆☆☆

آنکھوں نے خشت خشت چنی رات کی فصیل
خورشید صبح پھر اسے مسمار کر گیا
جتنا اڑا ہوں اتنا فلک بھی ہوا بلند
کون اس قفس میں مجھ کو گرفتار کر گیا
بن بن کے پانیوں کے بھنور ٹوٹتے گئے
میں ڈوبتا ہوا بھی ندی پار کر گیا
ورنہ یہ بوجھ کون اٹھاتا تمام عمر
اچھا ہوا کہ پہلے وہی وار کر گیا
میں لفظ ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک بھی گیا عدیم
وہ پھول دے کے بات کا اظہار کر گیا

☆☆☆☆

کوئے ستم کی خامشی آباد کچھ تو ہو
کچھ تو کہو ستم کشو، فریاد کچھ تو ہو
بیداد گر سے شکوۂ بیداد کچھ تو ہو
بولو، کہ شورِ حشر کی ایجاد کچھ تو ہو
مرنے چلے تو سطوتِ قاتل کا خوف تھا
اتنا تو ہو کہ باندھنے پائے نہ دست و پا
مقتل میں کچھ تو رنگ جمے جشنِ رقص کا
رنگیں لہو سے پنجۂ صیاد کچھ تو ہو

خوں پہ گواہ دامنِ جلاد کچھ تو ہو
جب خوں بہا طلب کریں ،بنیاد کچھ تو ہو
گر تن نہیں ، زباں سہی، آزاد کچھ تو ہو
دشنام، نالہ، ہاؤ ہو، فریاد کچھ تو ہو
چیخے ہے درد، اے دلِ برباد کچھ تو ہو
بولو کہ شورِ حشر کی ایجاد کچھ تو ہو
بولو کہ روزِ عدل کی بنیاد کچھ تو ہو

☆☆☆☆

پھر کوئی آیا دلِ زار! نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہگزار
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں، بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا

☆☆☆☆

چند روز اور مری جان، فقط چند ہی روز
ظلم کی چھاؤں میں دَم لینے پہ مجبور ہیں ہم
اک ذرا اور ستم سہہ لیں، تڑپ لیں، رو لیں

اپنے اجداد کی میراث ہے، معذور ہیں ہم
جسم پر قید ہے، جذبات پہ زنجیریں ہیں
فکر محبوس ہے، گفتار پہ تعزیریں ہیں
اپنی ہمت ہے کہ ہم پھر بھی جیے جاتے ہیں
زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں
لیکن اب ظلم کی میعاد کے دن تھوڑے ہیں
اک ذرا صبر، کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں
عرصۂ دہر کی جھلسی ہوئی ویرانی میں
ہم کو رہنا ہے پہ یونہی تو نہیں رہنا ہے
اجنبی ہاتھوں کا بے نام گرانبار ستم
آج سہنا ہے، ہمیشہ تو نہیں سہنا ہے
یہ ترے حُسن سے لپٹی ہوئی آلام کی گرد
اپنی دو روزہ جوانی کی شکستوں کا شمار
چاندنی راتوں کا بے کار دہکتا ہوا درد
دل کی بے سود تڑپ، جسم کی مایوس پکار
چند روز اور مری جان، فقط چند ہی روز

☆ ☆ ☆ ☆

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اُٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے
نظر چرا کے چلے، جسم و جاں بچا کے چلے

ہے اہل دل کے لیے اب یہ نظمِ بست و کشاد
کہ سنگ و خشت مقید ہیں اور سگ آزاد

☆ ☆ ☆ ☆

بہت ہے ظلم کہ دستِ بہانہ جو کے لیے
جو چند اہل جنوں تیرے نام لیوا ہیں
بنے ہیں اہلِ ہوس، مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں
مگر گزارنے والوں کے دن گزرتے ہیں
ترے فراق میں یوں صبح شام کرتے ہیں

☆ ☆ ☆ ☆

بجھا جو روزنِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اُٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سحر ترے رخ پر بکھر گئی ہوگی
غرض تصورِ شام و سحر میں جیتے ہیں
گرفتِ سایۂ دیوار و در میں جیتے ہیں

☆ ☆ ☆ ☆

یونہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خلق
نہ اُن کی رسم نئی ہے، نہ اپنی ریت نئی
یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول
نہ اُن کی ہار نئی ہے نہ اپنی جیت نئی

اسی سبب سے فلک کا گلہ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل بُرا نہیں کرتے

☆☆☆

گر آج تجھ سے جدا ہیں تو کل بہم ہوں گے
یہ رات بھر کی جدائی تو کوئی بات نہیں
گر آج اَوج پہ ہے طالعِ رقیب تو کیا
یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں
جو تجھ سے عہدِ وفا استوار رکھتے ہیں
علاجِ گردشِ لیل و نہار رکھتے ہیں

☆☆☆☆

میرے تن کے زخم نہ گن ابھی، میری آنکھ میں ابھی نُور ہے
میرے بازوؤں پہ نگاہ کر، جو غرور تھا وہ غرور ہے
ابھی رزمگاہ کے درمیاں، ہے میرا نشان کُھلا ہُوا
ابھی تازہ دم ہے میرا فرس، نئے معرکوں پہ تُلا ہُوا
مجھے دیکھ قبضۂ تیغ پر، ابھی میرے کف کی گرفت ہے
بڑا منتقم ہے میرا لہو، یہ میرے نصب کی سرشت ہے
میں اسی قبیلے کا فرد ہُوں، جو حریفِ سیلِ بلا رہا
اُسے مرگزار کا خوف کیا، جو کفن بدوش سدا رہا
وہ جو دشتِ جاں کو چمن کرے، یہ شرف تو میرے لہو کا ہے
مجھے زندگی سے عزیز تر ہے، یہ جو کھیل تیغ وگلو کا ہے
سو میرے غنیم نہ بُھول تُو، کہ ستم کی شب کو زوال ہے

ترا جور و ظلم بلا سہی، میرا حوصلہ بھی کمال ہے
تجھے مان جوش و گرز پر، مجھے ناز زخمِ بدن پہ ہے
یہی نامہ بر ہے بہار کا، جو گلاب میرے کفن پہ ہے

☆☆☆

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے پر اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
ہم راکھ لیے ہیں جھولی میں اور سر پہ ہے ساہوکار کھڑا
یہاں بوند نہیں ہے دیوے میں وہ بھاج بیاج کی بات کرے
ہم بانجھ زمین کو تکتے ہیں وہ ڈھور اناج کی بات کرے
ہم کچھ دن کی مہلت مانگیں وہ آج ہی آج کی بات کرے
جب دھرتی صحرا صحرا تھی ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں اور سر سنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے کچھ بول کبت دیوانوں کے
کچھ لفظ جنہیں معنی نہ ملیں کچھ گیت شکستہ جانوں کے
کچھ نیر وفا کی شمعوں کے کچھ پر پاگل پروانوں کے
پھر اپنی گھائل آنکھوں سے خوش ہو کے لہو چھڑکایا تھا
ماٹی میں ماس کی کھاد بھری اور نس نس کو زخمایا تھا
اور بھول گئے پچھلی رت میں کیا کھویا تھا کیا پایا تھا
ہر بار گگن نے وہم دیا اب کے برکھا جب آئے گی
ہر بیج سے کونپل پھوٹے گی اور ہر کونپل پھل لائے گی

سر پر چھایا چھتری ہو گی دھوپ گھٹا بن جائے گی
جب فصل کٹی تو کیا دیکھا کچھ درد کے ٹوٹے گجرے تھے
کچھ زخمی خواب تھے کانٹوں پر کچھ خاکستر سے گجرے تھے
اور دور افق کے ساگر میں کچھ ڈولتے ڈوبتے بجرے تھے
اب پاؤں کھڑاؤں دھول بھری اور تن پہ جوگ کا چولا ہے
سب سنگی ساتھی بھید بھرے کوئی ماشہ ہے کوئی تولہ ہے
اس تاک میں یہ اس گھات میں وہ ہر اور ٹھگوں کا ٹولہ ہے
اب گھاٹ نہ گھر دہلیز نہ دراب پاس بچا ہے کیا بابا
بس تن کی گٹھڑی باقی ہے جا یہ بھی تو لے جا بابا
ہم بستی چھوڑے جاتے ہیں تو اپنا قرض چکا بابا

☆☆☆☆

جنہیں سحر نگل گئی وہ خواب ڈھونڈتا ہوں میں
کہاں گئی وہ نیند کی شراب ڈھونڈتا ہوں میں
مجھے نمک کی کان میں مٹھاس کی تلاش ہے
برہنگی کے شہر میں لباس کی تلاش ہے
وہ برف باریاں ہوئیں کہ پیاس خود ہی بجھ گئی
میں ساغروں کو کیا کروں کہ پیاس کی تلاش ہے
گھرا ہوا ہے ابر ماہتاب ڈھونڈتا ہوں میں
جنہیں سحر نگل گئی وہ خواب ڈھونڈتا ہوں میں
جو رُک سکے تو روک دو یہ سیل رنگ و نور کا
میری نظر کو چاہیے وہی چراغ طور کا

کھٹک رہی ہے ہر کرن نظر میں خار کی طرح
چھپا دیا ہے تابشوں نے آئینہ شعور کا
نگاہِ شوق جل اٹھی حجاب ڈھونڈتا ہوں میں
جنہیں سحر نگل گئی وہ خواب ڈھونڈتا ہوں میں

یہ دھوپ زرد زرد سی ، یہ چاندنی دھواں دھواں
یہ طلعتیں بجھی بجھی یہ داغ داغ کہکشاں
یہ سرخ سرخ پھول ہیں کہ زخم ہیں بہار کے
یہ اوس کی پھوار ہے کہ رو رہا ہے آسماں
دل و نظر کے موتیوں کی آب ڈھونڈتا ہوں میں
جنہیں سحر نگل گئی وہ خواب ڈھونڈتا ہوں میں

جو مرحلوں میں ساتھ تھے وہ منزلوں پہ چھٹ گئے
جو رات میں لٹے نہ تھے وہ دوپہر میں لٹ گئے
یہ کتنے پھول ٹوٹ کے بکھر گئے یہ کیا ہوا
یہ کتنے پھول شاخچوں پہ مر گئے یہ کیا ہوا
بڑھی جو تیز روشنی کہ چمک اُٹھی روش روش
مگر لہو کے داغ بھی اُبھر گئے یہ کیا ہوا
انہیں چھپاؤں کس طرح ،نقاب ڈھونڈتا ہوں میں
جنہیں سحر نگل گئی وہ خواب ڈھونڈتا ہوں میں

نہ عشق با ادب رہا ، نہ حسن میں حیا رہی
ہوس کی دھوم دھام ہے نگر نگر گلی گلی
قدم قدم کھلے ہوئے ہیں مکر و فن کے مدرسے

مگر یہ میری سادگی تو دیکھیے کہ آج بھی
وفا کی درسگاہوں کا نصاب ڈھونڈتا ہوں میں
جنہیں سحر نگل گئی وہ خواب ڈھونڈتا ہوں میں
بہت دنوں میں راستہ حریم ناز کا ملا
مگر حریم ناز تک پہنچ گئے تو کیا ملا
مرے سفر کے ساتھیوں تم ہی سے پوچھتا ہوں میں
بتاؤ کیا صنم ملے بتاؤ کیا خدا ملا
جواب چاہیے مجھے جواب ڈھونڈتا ہوں میں
جنہیں سحر نگل گئی وہ خواب ڈھونڈتا ہوں میں

☆☆☆

سالہا سال یہ بے آسرا جکڑے ہوئے ہاتھ
رات کے سخت و سیہ سینے میں پیوست رہے
جس طرح تنکا سمندر سے ہو سر گرمِ ستیز
جس طرح تیتری کہسار پہ یلغار کرے
اور اب رات کے سنگین و سیہ سینے میں
اتنے گھاؤ ہیں کہ جس سمت نظر جاتی ہے
جابجا نور نے اک جال سا بن رکھا ہے
دور سے صبح کی دھڑکن کی صدا آتی ہے
تیرا سرمایہ، تری آس یہی ہاتھ تو ہیں
اور کچھ بھی تو نہیں پاس، یہی ہاتھ تو ہیں
تجھ کو منظور نہیں غلبہ ظلمت، لیکن

تجھ کو منظور ہے یہ ہاتھ قلم ہو جائیں
اور مشرق کی کمیں گہ میں دھڑکتا ہوا دن
رات کی آہنی میت کے تلے دب جائے!

☆☆☆☆

ہوئی پھر امتحانِ عشق کی تدبیر بسم اللہ
ہر اک جانب مچا کہرامِ دار و گیر بسم اللہ
گلی کوچوں میں بکھری شورشِ زنجیر بسم اللہ
درِ زنداں پہ بُلوائے گئے پھر سے جنوں والے
دریدہ دامنوں والے، پریشاں گیسوؤں والے
جہاں میں دردِ دل کی پھر ہوئی توقیر بسم اللہ
ہوئی پھر امتحانِ عشق کی تدبیر بسم اللہ
گنو سب داغ دل کے، حسرتیں شوقیں نگاہوں کی
سرِ دربار پُرسش ہو رہی ہے۔ پھر گناہوں کی
کرو یارو شمارِ نالہ شب گیر بسم اللہ
ستم کی داستاں، کشتہ دلوں کا ماجرا کہیے
جو زیرِ لب نہ کہتے تھے وہ سب کچھ برملا کہیے
مُصر ہے محتسب رازِ شہیدانِ وفا کہیے
لگی ہے حرفِ نا گفتہ پر اب تعزیر بسم اللہ
سرِ مقتل چلو بے زحمتِ تقصیر بسم اللہ
ہوئی پھر امتحانِ عشق کی تدبیر بسم اللہ

☆ ☆ ☆ ☆

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے

جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
ہاں تلخی ایام ابھی اور بڑھے گی
ہاں اہلِ ستم، مشقِ ستم کرتے رہیں گے
منظور یہ تلخی، یہ ستم ہم کو گوارا
دم ہے تو مداوائے الم کرتے رہیں گے
اک طرزِ تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک
اک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

☆☆☆☆

یہ داغ داغ اُجالا، یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شبِ سست موج کا ساحل
کہیں تو جاکے رکے گا سفینۂ غمِ دل
جواں لہو کی پراسرار شاہراہوں سے
چلے جو یار تو دامن پہ کتنے ہاتھ پڑے
دیارِ حسن کی بے صبر خواب گاہوں سے
پکارتی رہیں، باہیں، بدن بلاتے ہیں
بہت عزیز تھی لیکن رخِ سحر کی لگن
بہت قریں تھا حسینانِ نور کا دامن

سبک سبک تھی تمنا، دبی دبی تھی تھکن
سنا ہے ہو بھی چکا ہے فراقِ ظلمت و نور
سنا ہے ہو بھی چکا ہے وصالِ منزل و گام
بدل چکا ہے بہت اہلِ درد کا دستور
نشاطِ وصل حلال و عذابِ ہجر حرام
جگر کی آگ، نظر کی امنگ، دل کی جلن
کسی پہ چارہء ہجراں کا کچھ اثر ہی نہیں
کہاں سے آئی نگارِ صبا، کدھر کو گئی
ابھی چراغِ سرِ رہ کو کچھ خبر ہی نہیں
ابھی گرانیء شب میں کمی نہیں آئی
نجاتِ دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

☆☆☆☆

چاہا ہے اسی رنگ میں لیلائے وطن کو
تڑپا ہے اسی طور سے دل اس کی لگن میں
ڈھونڈی ہے یونہی شوق نے آسائشِ منزل
رخسار کے خم میں کبھی کاکل کی شکن میں
اُس جانِ جہاں کو بھی یونہی قلب و نظر نے
ہنس ہنس کے صدا دی، کبھی رو رو کے پکارا
پورے کیے سب حرفِ تمنا کے تقاضے
ہر درد کو اُجیالا، ہر اک غم کو سنوارا

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی
خیریتِ جاں، راحتِ تن، صحتِ داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی
اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے وہ گزری
تنہا پسِ زنداں، کبھی رسوا سرِ بازار
گرجے ہیں بہت شیخ سرِگوشتہ منبر
کڑکے ہیں بہت اہلِ حِکم بر سرِ دربار
چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرز ملامت
اس عشق نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل
ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت

☆☆☆☆

اے روشنیوں کے شہر

سبزہ سبزہ، سوکھ رہی ہے پھیکی، زرد دوپہر
دیواروں کو چاٹ رہا ہے تنہائی کا زہر
دور افق تک گھٹتی، بڑھتی ، اُٹھتی، گرتی رہتی ہے
کہر کی صورت بے رونق دردوں کی گدلی لہر
بستا ہے اس کہر کے پیچھے روشنیوں کا شہر
اے روشنیوں کے شہر
کون کہے کس سمت ہے تیری روشنیوں کی راہ

ہر جانب بے نور کھڑی ہے ہجر کی شہر پناہ
تھک کر ہر سو بیٹھ رہی ہے شوق کی ماند سپاہ
آج مرا دل فکر میں ہے

اے روشنیوں کے شہر

شب خوں سے منھ پھیر نہ جائے ارمانوں کی رو
خیر ہو تیری لیلاؤں کی، ان سب سے کہہ دو
آج کی شب جب دیئے جلائیں، اونچی رکھیں لو

☆☆☆☆

کچھ محتسبوں کی خلوت میں، کچھ واعظ کے گھر جاتی ہے
ہم بادہ کشوں کے حصے کی، اب جام میں کمتر آتی ہے
یوں عرض و طلب سے کب اے دل، پتھر دل پانی ہوتے ہیں
تم لاکھ رضا کی خو ڈالو، کب خوئے ستمگر جاتی ہے
بیداد گروں کی بستی ہے یاں داد کہاں خیرات کہاں
سر پھوڑتی پھرتی ہے ناداں فریاد جو در در جاتی ہے
ہاں، جاں کے زیاں کی ہم کو بھی تشویش ہے لیکن کیا کیجے
ہر رہ جو اُدھر کو جاتی ہے، مقتل سے گزر کر جاتی ہے
ہم اہلِ قفس تنہا بھی نہیں، ہر روز نسیمِ صبحِ وطن
یادوں سے معطر آتی ہے اشکوں سے منور جاتی ہے

☆☆☆☆

آج بازار میں پابجولاں چلو
چشمِ نم ، جانِ شوریدہ کافی نہیں

تہمتِ عشق پوشیدہ کافی نہیں
آج بازار میں پابجولاں چلو
دست افشاں چلو ، مست و رقصاں چلو
خاک بر سر چلو ، خوں بداماں چلو
راہ تکتا ہے سب شہرِ جاناں چلو
حاکم شہر بھی ، مجمعِ عام بھی
تیرِ الزام بھی ، سنگِ دشنام بھی
صبحِ ناشاد بھی ، روزِ ناکام بھی
ان کا دم ساز اپنے سوا کون ہے
شہرِ جاناں میں اب باصفا کون ہے
دستِ قاتل کے شایاں رہا کون ہے
رختِ دل باندھ لو دل فگارو چلو
پھر ہمیں قتل ہو آئیں یار چلو

☆☆☆☆

دربارِ وطن میں جب اک دن سب جانے والے جائیں گے
کچھ اپنی سزا کو پہنچیں گے، کچھ اپنی جزا لے جائیں گے
اے خاک نشینو اٹھ بیٹھو وہ وقت قریب آ پہنچا ہے
جب تخت گرائے جائیں گے جب تاج اچھالے جائیں گے
اب ٹوٹ گریں گی زنجیریں اب زندانوں کی خیر نہیں
جو دریا جھوم کے اٹھے ہیں تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے
کٹتے بھی چلو، بڑھتے بھی چلو، بازو بھی بہت ہیں سر بھی بہت
چلتے بھی چلو کہ اب ڈیرے منزل ہی پہ ڈالے جائیں گے

اے ظلم کے ماتو لب کھولو چپ رہنے والو چپ کب تک
کچھ حشر تو ان سے اٹھے گا کچھ دور تو نالے جائیں گے

☆☆☆☆

میں دہشت گرد تھا مرنے پہ بیٹا بول سکتا ہے
حکومت کے اشارے پہ تو مردہ بول سکتا ہے
یہاں پرنفرتوں نے کیسے کیسے گل کھلائے ہیں
لٹی عصمت بتا دیگی دوپٹہ بول سکتا ہے
حکومت کی توجہ چاہتی ہے یہ جلی بستی
عدالت پوچھنا چاہے تو ملبہ بول سکتا ہے
کئی چہرے ابھی تک منہ زبانی یاد ہیں اس کو
کہیں تم پوچھ مت لینا یہ گونگا بول سکتا ہے
بہت سی کرسیاں اس ملک میں لاشوں پہ رکھی ہیں
یہ وہ سچ ہے جسے جھوٹے سے جھوٹا بول سکتا ہے

☆☆☆☆

بھنور آنے کو ہے اے اہلِ کشتی ناخدا چُن لیں
چٹانوں سے جو ٹکرائے وہ ساحل آشنا چُن لیں
زمانہ کہہ رہا ہے مَیں نئی کروٹ بدلتا ہُوں
انوکھی منزلیں ہیں کچھ نرالے رہنما چُن لیں
اگر شمس و قمر کی روشنی پر کُچھ اجارہ ہے
کسی بے دَرد ماتھے سے کوئی تارِ ضیا چُن لیں
یقیناً اب عوامی عدل کی زنجیر چھنکے گی

یہ بہتر ہے کہ مجرم خود ہی جرموں کی سزا چن لیں
اسیری میں کریں حسنِ گلستاں کی نگہبانی
قفس میں بیٹھ کر طائر ذرا رنگِ فضا چن لیں
بگولے نکہتِ گل کے نمائندے کہاں ساغر
سنیں جو بات پھولوں کی وہ ہمرازِ صبا چن لیں

☆☆☆☆

ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا
پتھر کو گہر، دیوار کو در، کرگس کو ہما کیا لکھنا
اک حشر بپا ہے گھر گھر میں، دم گھٹتا ہے گنبدِ بے در ہیں
اک شخص کے ہاتھوں مدت سے رسوا ہے وطن دنیا بھر میں
اے دیدہ ور اس ذلت کو قسمت کا لکھا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا
یہ اہلِ چشم، یہ دارو جسم سب نقش برآب ہیں اے ہمدم
مٹ جائیں گے سب پروردہ شب اے اہلِ وفا رہ جائیں گے ہم
ہو جاں کا زیاں پر قاتل کو معصوم ادا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا
لوگوں پہ ہی ہم نے جاں واری کی ہم نے انہی کی غم خواری
ہوتے ہیں تو ہوں یہ ہاتھ قلم شاعر نہ بنیں گے درباری
ابلیس نما انسانوں کی اے دوست ثنا کیا لکھنا
ظلمت کو ضیا، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا

☆☆☆☆

اور سب بھول گئے حرفِ صداقت لکھنا
رہ گیا ہمارا کام ہی بغاوت لکھنا
لاکھ کہتے رہیں ظلمت کو نہ ظلمت لکھنا
ہم نے سیکھا ہی نہیں پیارے بااجازت لکھنا
نہ صلہ کی نہ ستائش کی تمنا ہم کو
حق میں لوگوں کے ہماری ہے عادت لکھنا
ہم نے جو بھول کے بھی شاہ کا نہ قصیدہ لکھا
شاید آیا اسی خوبی کی بدولت لکھنا
اس سے بڑھ کر میری تحسین بھلا کیا ہوگی
پڑھ کر نا خوش ہیں میرے صاحبِ ثروت لکھنا
کچھ بھی کہتے ہیں کہیں شاہ کے مصاحب جالب
رنگ رکھنا ہے اپنا اسی صورت لکھنا

☆☆☆☆

تو پرندے مار دے سرد و صنوبر مار دے
تیری مرضی جس کو دہشت گرد کہہ کر مار دے
تیرا اس کے ماننے والوں سے پالا پڑ گیا
جو پرندے بھیج کر لشکر کے لشکر مار دے
تم بھی موسیٰ کے تعاقب میں چلے تو آئے ہو
دیکھنا تم کو نہ یہ نیلا سمندر مار دے
تو نے جس کے ڈھونڈنے کو بھیج دی اتنی سپاہ
یہ نہ ہو وہ تجھ کو تیرے گھر کے اندر مار دے

اس کو کیا حق ہے یہاں بارود کی بارش کرے
اس کو کیا حق ہے مرے رنگلے کبوتر مار دے

فیصلے تاریخ کے، میدان میں ہوتے نہیں
مارنے والو! کوئی تم کو نہ مر کر مار دے

روشنی کے واسطے پندار کا سودا نہ کر
سامنے سورج بھی ہے تو اس کو ٹھوکر مار دے

گونج تو بھی اس کے لہجے میں پہاڑوں کی طرح
تابش اس کی بات تو بھی اس کے منہ پر مار دے

☆☆☆☆

فاختہ بھی پاگل تھی
موسموں کی سازش میں
پھر فریب کھا بیٹھی
توپ کے دھانے میں
گھونسلہ بنا بیٹھی

☆☆☆☆

منتخب مطبوعات دارالمعارف، دیوبند

	(عربی کتب)
❁	اعراب القرآن الكريم: محمد الطيب الابراهيم
❁	مفردات ألفاظ القرآن : الراغب الأصفهاني
❁	فقه البيوع على المذاهب الأربعة : (کامل ۲؍جلدیں) المفتي محمد تقي العثماني
❁	المعجم المفصل في الإعراب : طاهر يوسف الخطيب
❁	الدروس النحوية (۳/ أجزاء): جماعة من العلماء المصريين
❁	قواعد اللغة العربية (جدید ایڈیشن):جماعة من العلماء المصريين
❁	حياتي (جدید تحقیق شدہ ایڈیشن): أحمد أمين : محمد حيان بث القاسمي
❁	التاريخ الاسلامي الوجيز: محمد سهيل طقوش
❁	التاريخ الاسلامي للشباب : محمد رجب المصري
❁	قصص أمهات المؤمنين: المحدث محمد ريحاوي
❁	عُمدَةُ الكُتَّاب : أبو القاسم الزَّجَّاجي
❁	بدائع الصنائع (جدید محقق اعلیٰ ایڈیشن کامل ۱۰؍جلدیں) : علاء الدين الكاسانيؒ
❁	خطب متنوعة : عبدالقدوس القاسمي النيرانوي
❁	الخطب المنبرية : عبدالحي الكفليتوي السورتي
❁	القراءة العربية كتاب الطالب (١) : عبد القدوس القاسمي ــ محمد ساجد القاسمي
❁	القراءة العربية (٢) : عبد القدوس القاسمي ــ محمد ساجد القاسمي
❁	القراءة العربية (٣) : عبد القدوس القاسمي ــ محمد ساجد القاسمي

❁	القراءة العربية (٤) : عبد القدوس القاسمي ـــ محمد ساجد القاسمي
❁	القراءة العربية كتاب المعلم (١) (سہ لسانی دلیل): سعد عبد القدوس القاسمي
❁	علوم الحديث في ثوبه الجديد (سؤالاً وجواباً):سعادت حسين القاسمي
❁	معجم الأضداد : طاهر الاسلام القاسمي
❁	تصحيح الكتب وصُنع الفهارس المعجمة: أحمد شاكرت: أبوغدة
❁	التناسب بين الأسماء الإلٰهيَّة والآيات القرآنية : محمد أفضال خان
❁	جوهرة التوحيد وبدء الأمالي:إبراهيم اللقاني ـــ علي عثمان (عقائد میں)
❁	تدريب الإنشاء : محمد ارشد القاسمي
❁	فضائل اللغة العربية : شيخ الحديث : محمد زكريا الكاندهلويؒ
	(اردو کتب)
❁	آپ ہدایہ کیسے پڑھیں؟ (مفتی : ابولبابہ شاہ منصور)
❁	خواتین کا دینی معلم (مفتی : ابولبابہ شاہ منصور)
❁	مردوں کا دینی معلم (مفتی : ابولبابہ شاہ منصور)
❁	نقطے سے کالم تک لکھنا سیکھیے (مفتی : ابولبابہ شاہ منصور)
❁	وقت کی اہمیت (ترجمہ: قيمة الزمن عند العلماء بقلم مولانا : عبدالقدوس قاسمی)
❁	الدعاء المسنون (مسنون دعاؤں کا مستند مجموعہ) مولانا مفتی: محمد ارشاد قاسمیؒ
❁	عورت اور قرآن (اردو) (قدسیہ عبدالقدوس قاسمی)
❁	عورت اور قرآن (ہندی) (قدسیہ عبدالقدوس قاسمی)
❁	بدیہیاتِ قرآن (اعجازِ قرآنی پر منفرد کتاب) (مولانا: محمد عارف جمیل قاسمی)
❁	ورق ورق درخشاں (انتخاب مضامین شورش کاشمیری)

❁	گل دستۂ اشعار: مولانا: محمد دودھات فلاحی
❁	آداب المعاشرت (جدید واضافہ شدہ ایڈیشن) مولانا: اشرف علی تھانویؒ
❁	النبی الخاتم (جدید ایڈیشن) مولانا: مناظر احسن گیلانیؒ
❁	فیروز اللغات کلاں (کمپیوٹر کتابت) مولوی: فیروز الدینؒ
❁	امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ: (مولانا: رشید احمد گنگوہیؒ)
❁	اخلاق فاضلہ (جدید ایڈیشن): (عبداللہ رُخیلی استاذ جامعہ طیبہ مدینہ منورہ)
❁	پندرہ منٹ کا تربیتی نظام: (مولانا: شعیب عالم)
❁	جامع قاعدہ وقواعد: (مولانا: شعیب عالم)
❁	اسلامی آداب (ترجمہ: من ادب الاسلام ابوغدۃ، بقلم مولانا: عبدالقدوس قاسمی
	(کتب زیر طبع)
❁	القراءة العربية كتاب الطالب ٤/أجزاء (جزاول طبع ہو چکا ہے)
❁	القراءة العربية كتاب المعلم ٤/أجزاء (جزاول طبع ہو چکا ہے)
❁	صدیق اکبرؓ (جدید ایڈیشن) مولانا: سعید احمد اکبر آبادیؒ
❁	سلسلة: فرسان الاسلام (١٠/أجزاء): خالد محمد خلاوي. محمد ثابت توفيق
❁	سلسلة: الأبطال الفاتحون (٦/ أجزاء): خادم خالد السروجي
❁	لغات القرآن (مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ ــ مولانا عبدالدائم جلالیؒ) پہلی بار قرآنی سورتوں کی ترتیب پر۔ ترتیب: مفتی محمد عالمگیر قاسمی نیرانوی
❁	تسہیل الصرف (کامل ۴/اجزا) (جدید تحقیق شدہ ایڈیشن) قاری: محمد صدیق باندویؒ
❁	تاریخ اسلام (کامل ۳ حصے یکجا) (جدید تحقیق شدہ ایڈیشن) مولانا: محمد میاںؒ

❁❁❁

بولنا سیکھیے

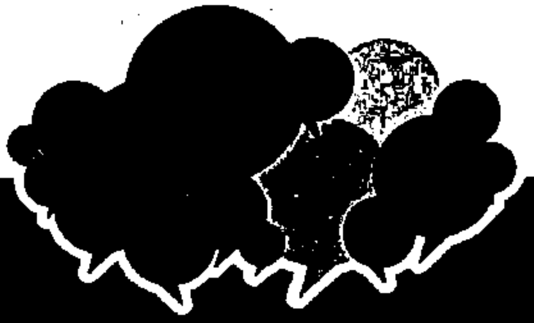

زیر نظر کتاب ''بولنا سیکھیے'' میں فن خطابت کا تعارف، تاریخ، خطابت کے فنی پہلوؤں کی تشریح، دینی، علمی، عوامی وسیاسی خطاب اور اس کی تیاری کے لوازم وعناصر، درس قرآن، درس حدیث کا طریقہ واصول، کسی موضوع پر خصوصی لیکچر یا علمی وفکری سیمینار میں تقریر کیسے کی جائے؟ کسی پروگرام یا جلسے کا طریقۂ نظامت، کسی مجمع یا محفل میں نثر یا شعر پڑھنے کا انداز، جدید طرز مباحثے کے عناصر، پارلیمانی خطاب کے اصول، فن مناظرے کے جملہ علمی وفنی عناصر، کامیاب ومؤثر خطیب کے اوصاف، خطابت کی مختلف اصناف کے نمونے، تقریر، لیکچر، درس یا نظامت میں حسب موقع متنوع موضوعات ومعانی پر مشتمل معنی خیز اشعار کا گل دستہ۔

الغرض: کتاب میں فن خطابت کی [illegible] پر اردو زبان میں پہلی بار مفصل جامع، فنی، اصولی اور مدلل وتجرباتی [illegible] ہے اور اس کے اسرار ورموز، اصول وقواعد کو دلائل، امثلہ اور ضروری استشہادات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس لیے موضوع کی جامعیت اور تنوع کے پیش نظر اگر کتاب ''بولنا سیکھیے'' کو فن خطابت کا موسوعہ یعنی انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں!

ISBN7866-27-4

7866 2742

دار المعارف دیوبند

DARUL MA'ARIF DEOBAND (247554)

SAHARANPUR, INDIA

+91 963 44 60 409 | +91 976 03 12 986